ابنِ صفی
نمبر
13
جاسوسی دنیا
39- اندھیرے کا شہنشاہ
40- پُراسرار وصیت
41- موت کی چٹان

جاسوسی دنیا نمبر 39

(مکمل ناول)

پیش رس

''اندھیرے کا شہنشاہ'' سنسنی، تحیر اور رونگٹے کھڑے کردینے والی لڑائیوں کا طوفان لے کر ابھرتا ہے، اس میں ایک بہت بڑا مجرم ہے، ایک قبیلے کا مذہبی پیشوا اور وہ بھی ایک غیر ملکی سرزمین سے تعلق رکھنے والا.... اور سونے پر سہاگہ یہ کہ وہ اندھا ہے مگر چار آنکھوں والوں کے کان کترتا ہے۔ اس کی بے پناہ طاقتیں فریدی کو بھی مبہوت کردیتی ہیں۔ اسی کہانی میں حمید کا نیا شغل بھی دیکھئے۔

لوگ کتے پالتے ہیں، کبوتر اور طوطے پالتے ہیں، حمید بکرا پالتا ہے اور آپ یقین کیجئے یہ ''برخوردار بغرا خاں'' حمید کی سابقہ محبوبہ ''چوہیا'' سے کم قیامت خیز نہیں ہیں۔ قاسم بھی ہے مگر اس کی حماقتیں ذرا دبی ہوئی ہیں۔ وہ دراصل آئندہ خاص نمبر کا منتظر ہے۔ جہاں طوفان اس کے منتظر ہیں اور طوفان کا اسے مذاق اڑانا ہے۔

ابن صفی

دو لاشیں

اگر یہ واقعہ روز روشن میں پیش آیا ہوتا تو لوگ نہ صرف حیرت سے چیختے بلکہ کئی تو رولس
یس کار کے پیچھے دوڑنے بھی لگتے۔

لیکن اس وقت رات بھی تھی اور شاید دو بجے ہوں گے۔ شہر کی سب سے بارونق سڑک
ل ویران تھی اور ایک اندھا فقیر فٹ پاتھ پر ایک عمارت کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا اونگھ
تھا۔ دفعتاً ایک رولس رائس کار اس کے قریب ہی آ کر رک گئی۔ اندھا چونک پڑا۔ چار آدمی
ہستگی کار سے اترے۔ وہ دبے قدموں اندھے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن اندھا بھی
بیٹھا نہیں رہا تھا۔ اس حال میں دیکھنے والے اسے اندھا نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ نہ صرف
ڑا ہوگیا تھا بلکہ اس پوزیشن میں تھا جیسے اسے کسی کے حملے کا انتظار ہو۔ چار آدمیوں میں سے
نے لوہے کی موٹی سی سلاخ نکالی۔ جیسے ہی وہ چاروں اس کے قریب پہنچے اندھا جھکائی
کر ان کے نرغے سے نکل گیا۔ لیکن پھر! اس کے سر پر لوہے کی سلاخ پڑی اور وہ سنبھلنے کی
ش کرتا ہوا اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ چاروں عقاب کی طرح اس پر جھپٹے۔ اندھے نے چیخنا
مگر اس کا منہ دبا دیا گیا۔

پھر وہ کار سنسان سڑکوں پر تیزی سے دوڑنے لگی۔ کار کے اندر اب بھی جدوجہد جاری

تھی۔ انہوں نے اندھے کو کسی نہ کسی طرح کار میں ٹھونس تو دیا تھا لیکن اب وہ ان کے
باہر ہوا جا رہا تھا۔

اندھے کا چہرہ سر سے بہے ہوئے خون کی وجہ سے حد درجہ خوفناک نظر آنے لگا
زخمی درندے کی طرح انہیں جھکولے دے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس پر گھونسوں اور تھپڑوں
بھی ہو رہی تھی۔

ان میں سے ایک جو کار ڈرائیو کر رہا تھا شاید اچھی حالت میں تھا ورنہ بقیہ تین تو
بھوت بن گئے تھے۔ ان کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ کسی کا کان زخمی تھا اور کسی
خون کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی کی ناک سے متواتر خون بہہ رہا تھا۔

''کاش میں اس کا گلا گھونٹ سکتا۔'' ایک آدمی ہانپتا ہوا بولا۔

''شش....شا....!'' انہوں نے جواب میں ایک ہذیانی قہقہہ سنا۔ اندھا بے تحاشہ ہنس

''تم .... مجھے ختم نہیں کر سکتے۔ مجھے مارنے کے لئے فولاد کا جگر چاہئے۔'' اند
جواب میں اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔

چاروں کو حیرت تھی کہ اندھا ابھی تک ہوش میں ہے۔ نہ صرف ہوش میں ہے
اس میں مقابلے کی قوت بھی باقی ہے۔ جب وہ اس مہم پر روانہ کئے گئے تھے تو ان کے
کو بھی اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ اندھا دس آنکھ والوں پر بھی بھاری ہوگا۔ وہ سمجھتے
اسے ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لائیں گے۔ اس کام کے لئے انہیں ایک بھاری رقم ملی تھی۔ لی
وہ سوچ رہے تھے کہ اس کام کے لئے وہ بھاری رقم بھی کم تھی۔

آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ اب کار شہر کی گھنی آبادی سے نکل کر چیتھم روڈ پر آ گئی تھی
سڑک کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی بڑی عمارتوں کے سلسلے تھے۔ آ
کر کار مشرق کی سمت ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ پھر وہ ایک فرلانگ تک آہستہ آہستہ رینگ
بالآخر رک گئی۔ اس اجاڑ میدان میں صرف ایک ہی عمارت تھی اور اندھیرے میں اس ک
کسی قدر خوف انگیز بھی معلوم ہو رہا تھا۔

چاروں نے اندھے کو بڑی بے دردی سے کھینچ کر نیچے اتارا۔ وہ اب بھی ہوش میں تھا
لیکن اس نے گلو خلاصی کے لئے جدوجہد نہیں کی۔ ویسے ان میں سے ایک نے احتیاطاً اب بھی
اس کا منہ دبا رکھا تھا۔

وہ اسے عمارت کے اندر لائے۔ ان کے داخل ہوتے ہی پے در پے کئی کمروں میں روشنی
ہوتی گئی۔ آخر وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں ایک آدمی شاید ان کا منتظر تھا۔ اندھے کو
ان کے ساتھ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک تسکین آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بدنمائی کی حد تک
چوڑے شانے اور کوتاہ گردن رکھتا تھا۔ سر بڑا اور اسی کی مناسبت سے چہرہ بھرا ہوا تھا۔ ناک
طوطے کی چونچ سے بہت مشابہ تھی۔

چاروں اندھے کے گرد کھڑے تھے اور ان کے سامنے پانچواں آدمی خاموش کھڑا
اندھے کو گھور رہا تھا۔

''مسٹر....عدنان....!'' ان میں سے ایک نے کھنکار کر کچھ کہنا چاہا لیکن سامنے کھڑے
ہوئے آدمی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

''آں....'' اچانک اندھا چونک کر بڑبڑایا۔ ''مسٹر عدنان....!''

کوئی کچھ نہ بولا۔ عدنان اس آدمی کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ جس نے اس کا نام
لیا تھا۔

''کیا تم لوگوں کو موت کے فرشتے نے سونگھ لیا ہے۔'' اندھا گرج کر بولا۔ ''اگر یہ واقعی
عدنان ہے تو مجھے اس ملاقات پر افسوس نہ ہوگا۔''

''شاید تم.... خوش ہونے کیلئے زندہ نہ رہو۔'' عدنان ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اپنے ذہن کی آنکھیں کھولو....!'' اندھا ہنس کر بولا۔ ''اور تصور کرو کہ تمہاری لاش ایک
چٹیل میدان میں پڑی ہے اور اس پر گدھ منڈلا رہے ہیں۔''

''اندھے بکواس مت کرو.... مجھے نور جہاں کی ضرورت ہے۔'' عدنان نے سرد لہجے میں کہا۔

''تم جانتے ہو کہ میں افریقہ میں اندھیرے کے شہنشاہ کے نام سے مشہور تھا۔'' اندھے

نے کہا۔

''تمہارے دن پورے ہوگئے۔'' عدنان نے کہا اور میز سے چمڑے کا ہنٹر اٹھالیا۔ چند لمحے اندھے کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ''مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔''

جواب میں اندھے نے قہقہہ لگایا اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''تمہارے آدمی پہلے ہی مجھ پر کافی رحم کر چکے ہیں اور اب تم بھی کچھ کر کے دیکھ لو۔ لیکن اتنا ضرور سوچ لینا کہ آخر مجھے بھکاریوں کی طرح فٹ پاتھ پر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔''

عدنان کا اٹھا ہوا ہاتھ جھک گیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

''کیوں....!'' اندھے نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔ ''سوچنے لگے.... تم ضرور سوچو گے.... اتنا عظیم آدمی معمولی بھکاری کے روپ میں.... ہاہاہا.... سوچو.... جتنی دیر سوچو گے وہی وقفہ دراصل تمہاری زندگی کے آخری لمحات کا حامل ہوگا۔''

عدنان نے پھر ہنٹر والا ہاتھ اٹھایا اور چاروں آدمی اندھے کے پاس سے ہٹ گئے۔ شاید صرف انہیں ہٹانے ہی کیلئے ایک قسم کا اشارہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہی پھر اس کا ہاتھ ہنٹر سمیت جھول گیا.... اسکے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا ہے۔

''سوچ چکے تم....!'' اندھے کی آواز سناٹے میں گونجی۔

''دیکھو میں کہتا ہوں....!''

''کچھ کہنے کی مہلت نہیں ملے گی۔'' اندھے نے عدنان کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ ''مجھے معلوم ہوا تھا کہ جنوبی افریقہ سے کوئی میری تلاش میں آیا ہے۔ میری تلاش کسی کو کیوں ہوسکتی ہے۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہرحال یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میری تلاش میں آنے والا کون ہوسکتا ہے میں کھل کر سامنے آگیا۔ میرا طریقہ کار سو فیصدی کامیاب ثابت ہوا اور اب تم نتیجے کے طور پر میرے سامنے ہو.... ایک ایسے چوہے دان میں جس سے تم کسی طرح نہیں نکل سکتے۔''

''کیا....؟'' عدنان سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف

دیکھنے لگا تھا۔ اندھے نے قہقہہ لگایا۔ اس کا چہرہ سر سے بہے ہوئے خون کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ جب وہ قہقہہ لگاتا تو اس کے سفید اور نوکیلے دانت سچ مچ کسی درندے ہی کے دانت معلوم ہوتے۔ ایسے درندے کے دانت جو ابھی ابھی کسی کی لاش ادھیڑ کر اٹھا ہو۔

''ڈرو نہیں عدنان....!'' اندھے کی تیز سرگوشی کمرے کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

''میں صرف گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔''

''خاموش رہو۔'' عدنان خوفزدہ آواز میں چیخا اور ساتھ ہی اس کا ہنٹر والا ہاتھ حرکت میں آگیا... شائیں.... شائیں.... شائیں.... چوتھی بار اندھے نے ہنٹر پکڑ لیا۔ عدنان نے جھٹکا دیا لیکن اندھے نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ اس کے برعکس خود عدنان ہی کچھ آگے کی طرف کھسک آیا۔ دوسرے لمحے میں اندھا ہنٹر کو اپنی کلائی میں لپیٹ رہا تھا اور ہر بل کے ساتھ عدنان کو آگے کی طرف کھسکنا پڑتا تھا۔ چاروں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ خاموشی سے کھڑے نہ رہ سکے۔ ان میں سے ایک بڑی تیزی سے بوڑھے کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ سامنے والے روشن دان سے ایک فائر ہوا۔ گولی ٹھیک اس کی پیشانی پر بیٹھی اور وہ کسی قسم کی آواز نکالے بغیر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

''عدنان.... دیکھا تم نے۔'' اندھے نے قہقہہ لگایا۔ عدنان کے ہاتھ سے ہنٹر چھوٹ گیا۔ بقیہ تین آدمی بدحواس ہوکر دروازے کی طرف بھاگے لیکن انہیں باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ ہر دروازے پر ایک ایک آدمی ریوالور لئے ہوئے کھڑا نظر آیا۔

عدنان کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔

''عدنان....!'' اندھے کی تیز سرگوشی پھر گونجی۔ ''میرے قریب آؤ۔''

عدنان بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ تین آدمی بھی کھسک کر اس کے قریب آگئے تھے۔

''عدنان کے ساتھیو۔'' اندھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کرائے پر مہیا کئے گئے ہو۔ شاید تمہارا ایک ساتھی تم سے بچھڑ گیا۔ اب تم عدنان کو پکڑ کر میرے قریب لاؤ.... ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔''

"نہیں....کبھی نہیں۔" عدنان بے بسی سے چیخا۔

"لڑکو! تم نے سنا نہیں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں.... عدنان کو ادھر لاؤ۔ میں تمہیں معا
کردوں گا۔"

وہ تینوں اپنے کام کی اجرت پہلے ہی وصول کر چکے تھے اور پھر انہوں نے ابھی اپنے اُ
ساتھی کا انجام بھی دیکھ لیا تھا۔ کسی طرح بھی بچ نکلنے کے امکانات نہیں تھے۔ ہر درواز
ایک مسلح آدمی نظر آ رہا تھا اور کسی لمحے بھی ان کی طرف اٹھے ہوئے ریوالور آگ اگل
تھے۔ وہ بوکھلائے ہوئے کتوں کی طرح عدنان پر ٹوٹ پڑے اور عدنان ایک ڈوبتے ہو
آدمی کی مانند دیوانہ وار ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اس کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔

آخر کار کسی نہ کسی طرح اندھے کے ہاتھ عدنان کی گردن تک پہنچ ہی گئے۔ عدنان
حلق سے نکلتی ہوئی آوازیں بند ہوگئیں۔ کمرے میں گہری گہری سانسوں کے علاوہ اور کسی قسم
آواز نہیں تھی۔ ان تینوں کو اپنے سر چکراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ پھر عدنان کے مردہ
کے گرنے سے آواز پیدا ہوئی۔ تینوں کے منہ سے سہمی سہمی سی چیخیں نکلیں اور پھر کمرے میں
چھا گیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں ایک لڑکی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہی تھی۔ اس
رک کر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ڈھائی بج چکے تھے۔ اُس کے چہرے
الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے ٹہلتی رہی پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ راہدار
سنسان پڑی تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"اوہ.... آپ....!" دروازے میں کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

"ہاں.... میں.... ابھی تک ڈیڈی واپس نہیں آئے۔"

"شاید صبح تک آجائیں۔" آدمی بولا۔

"نہیں.... میں بہت پریشان ہوں۔ تم سب میرے کمرے میں آؤ۔"

"بہت بہتر۔"

لڑکی پھر اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں پانچ آدمی اور آگئے ان میں
دو انگریز تھے اور ایک نیگرو۔ بقیہ دو صورت سے دیسی ہی معلوم ہوتے تھے۔

"مجھے خدشہ ہے۔" لڑکی نے انگریزی میں کہا۔

"ڈرومت.... بے بی۔" ایک انگریز بولا۔ "باس فولاد کا بنا ہوا ہے۔"

"کہیں وہ دھوکا نہ کھائیں۔ میں انہیں کرائے کے آدمیوں سے کام لینے سے روک رہی تھی۔"

"کوئی ہرج نہیں بے بی.... تم سو جاؤ.... ڈرومت۔"

"نہیں مسٹر ڈیگال.... ہم سب وہاں چلیں گے۔"

"تمہاری مرضی....!" ڈیگال نے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

"تم گیراج سے کار نکالو۔" لڑکی نے ایک آدمی کی طرف مڑ کر کہا۔

"پتہ نہیں یہاں کا کیا قاعدہ ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "اتنی رات گئے گیراج کھل سکے گا یا نہیں۔"

"اوہ جاؤ....!" لڑکی پیر پٹخ کر بولی۔ وہ چلا گیا اور لڑکی مضطربانہ انداز میں بڑبڑاتی رہی۔

"ڈیڈی نے غلط طریقہ اختیار کیا۔ آخر وہ اندھا فٹ پاتھ پر بھیک کیوں مانگتا تھا۔"

"بے بی۔" ڈیگال بولا۔ "وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی چکر میں ہو۔"

"اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تنہا نہ ہو۔" لڑکی نے کہا۔

"ابھی تک ہمیں اس کے کسی ساتھی کا علم نہیں ہوسکا۔"

"علم نہ ہونا اور بات ہے۔ ضروری نہیں معاملات تمہارے علم ہی سے مطابقت رکھتے
ہوں۔ اس قسم کا کوئی آدمی کبھی تنہا نہیں رہ سکتا کیا وہ اندھا نہیں ہے۔"

"ہے تو.... لیکن آنکھ والوں سے بہتر۔ وہ اپنی جانی بوجھی جگہوں پر کار تک ڈرائیو کرسکتا
ہے۔ اس نے ایک بار لندن جیسے بھیڑ بھاڑ والے شہر میں چیرنگ کراس سے پکاڈلی تک کار کی

ڈرائیو کی تھی۔"

"میں سن چکی ہوں.... لیکن مجھے یقین نہیں اور اگر یقین کر بھی لوں تو اسے ماننے پر ہرگز تیار نہ ہوں گی کہ وہ اندھا ہے۔"

"بے بی! وہ سو فیصدی اندھا ہے۔ لیکن اس کی کھال سانپ کی کھال سے بھی زیادہ حساس ہے۔ تم دبے قدموں اس سے تیس گز کے فاصلے پر جاؤ.... اُسے تمہاری موجودگی کا صرف احساس ہوگا بلکہ وہ تمہاری جنس تک سے واقف ہوگا.... وہ آواز پر نشانہ لگاتا ہے۔"

"تب میں اسے آدمی کے بجائے خبیث روح کہوں گی.... اور تمہیں کیا کہوں کہ تم ڈیڈی کو تنہا جانے دیا۔"

"ہم مجبور تھے۔" انگریز بولا۔ "باس کی اسکیم یہی تھی اور تم جانتی ہو کہ وہ بعض اوقات کسی کا مشورہ نہیں قبول کرتے۔"

دیسی آدمی نے واپس آ کر تیاری کی اطلاع دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار ہوٹل ڈی فرانس کی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر مڑ رہی تھی۔ پھر وہ چیتھم روڈ پر چل پڑی۔

"مسٹر ڈیگال....!" اندر بیٹھی ہوئی لڑکی نے انگریز کو مخاطب کیا۔

"ہاں.... بے بی.... واقعی تم بہت پریشان ہو۔"

"اگر ڈیڈی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو۔"

"ہم ابھی زندہ ہیں۔" ڈیگال بولا۔

کچھ دیر بعد کار اُسی عمارت کے سامنے رک گئی جہاں تھوڑی دیر قبل ایک خونی ڈرامہ کھیلا گیا تھا۔

"بے بی.... تم بقیہ آدمیوں کے ساتھ یہیں ٹھہرو.... میں اندر جاتا ہوں۔" ڈیگال نے کہا اور انہیں باہر چھوڑ کر عمارت کے اندر چلا گیا۔ لڑکی کیلئے وہ صبر آزما لمحات تھے۔ واپسی پر ڈیگال کی رفتار بہت تیز تھی۔ لیکن اس نے پرسکون لہجہ میں کہا۔ "عمارت ویران ہے۔ وہاں کوئی بھی نہیں۔"

ڈیگال

یہ آٹھواں ہوٹل تھا اور اب سرجنٹ حمید پاگل ہو جانے کی حد تک بور ہو چکا تھا۔ اس کا بس چلتا تو قاسم کی بوٹیاں اڑا دیتا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ وہ سرِشام ہی ایک ہوٹل میں کھانا کھانے بیٹھے تھے۔ قاسم کی خوراک معلوم.... ظاہر ہے کہ وہ بکرے کی ایک پوری ران اور ایک مرغ مسلم کا ناشتہ کرنے والا آدمی تھا۔ جب اس نے ہوٹل میں بھی گھر ہی کی سی بے تکلفی کا مظاہرہ شروع کیا تو حمید کو اختلاج ہونے لگا۔

"قاسم.... اب بس کرو۔"

"واہ.... تو کیا بھوکا مروں۔"

"دیکھو یہاں کے سارے ویٹر مجھے پہچانتے ہیں۔"

"مجھے بھی پہچان جائیں گے۔ فکر نہ کرو۔" قاسم سنجیدگی سے بولا۔ "میں ٹی بی کا مریض تو ہوں نہیں کہ دس پانچ چپاتیوں پر قناعت کرلوں۔"

"اچھا.... تو.... یہاں بس کرو۔ کسی دوسرے ہوٹل میں....!"

"واہ.... کیا میں اُلو ہوں.... مذاق مت کرو۔"

"میں تمہارے سر پر پلیٹ توڑ دوں گا۔"

"مگر خالی پلیٹ.... میرا سر کافی مضبوط ہے۔"

"اچھا تو میں جا رہا ہوں....!" حمید نے کہا۔

"نہیں ہوسکتا.... زبردستی کرو گے تو دبوچ لوں گا۔"

حمید کی روح فنا ہوگئی۔ بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح قاسم کو اپنی تجویز پر عمل کرنے پر آمادہ کرلیا۔

یہ آٹھواں ہوٹل.... ہوٹل ڈی فرانس تھا۔ قاسم اب تک بتیس روٹیاں کھا چکا تھا۔ ممکن ہے حمید کو پریشان کرنے کے لئے وہ معمول سے زیادہ کھا گیا ہو۔ بتیس روٹیاں بہت ہوتی ہیں

قاسم کھانے میں مشغول تھا اور حمید شام کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ دراصل ایک ایسی خبر نے اپنی طرف مبذول کرالی تھی جو اس کے لئے بھی عملی طور پر پریشانی کا باعث ہوسکتی تھی۔ پرنسٹن کے علاقے کی ایک عمارت میں دو لاشیں پائی گئی تھیں۔ ان میں اس آدمی کی بھی لاش تھی جس نے تین دن قبل وہ عمارت کرائے پر حاصل کی تھی۔ آگے چل کر ان دونوں کا حلیہ تھا۔ حمید نے بھنا کر اخبار میز پر پٹخ دیا اور قاسم کو اس طرح گھورنے لگا جیسے یہ قتل اسی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

"اب کس ہوٹل میں چلو گے حمید بھائی۔" قاسم نے مسکرا کر پوچھا۔

"اب میں تمہیں دفن کردوں گا۔"

"بس دو اسٹیک اور کھاؤں گا۔" قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔ "تم کیوں خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو۔ کتنی ....فل فلوٹیاں ہیں.... آج یہاں۔"

"ارے او.... آدم خور.... میری تو ساری تفریح برباد ہوگئی۔"

"کیوں....؟"

"دو لاشیں....!"

"ہائیں.... کہاں۔" قاسم کرسی سے تھوڑا سا اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ منہ کا نوالہ نکل پڑنے کے قریب تھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "بیٹھو....!"

"ارے تو کھانے کیوں دوڑ رہے ہو۔ میرے ٹھینگے پر ہیں۔ تمہاری لاشیں واشیں سالیاں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اخبار کی خبر اسکے ذہن میں کچوکے لگا رہی تھی۔ دو لاشیں.... نتیجہ معلوم۔ آج کل ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے بھی گاڑھی چھن رہی ہے۔ اس نے فریدی کو جائے واردات پر ضرور بلایا ہوگا.... پھر بس شامت۔

حمید آج آفس نہیں گیا تھا۔ صبح ہی سے قاسم کے ساتھ حماقتوں کا پروگرام جاری تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ واپسی پر اسے واردات سے متعلق فریدی کا لیکچر ہضم کرنا پڑے گا۔ ان دنوں

حمید پر بری طرح کاہلی مسلط تھی۔ تفتیش کے نام ہی سے اس کی جان نکلنے لگتی تھی۔

قاسم کھانا ختم کر کے میز پر طبلہ بجانے لگا۔ پھر اپنا بھاڑ سا منہ کھول کر ایک لمبی سی جماہی لی۔

"حمید بھائی۔" اس نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "کیا سچ مچ آدمی کی روح سے محبت ہوتی ہے۔"

"اپنے والد صاحب سے پوچھنا۔"

"اوہ.... وہ بیچارے کیا بتائیں گے.... مولوی ٹائپ کے آدمی ہیں۔" قاسم نے منہ بنا کر کہا۔

حمید جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر انسپکٹر جگدیش پر پڑی جو دو کانسٹیبلوں کیساتھ ل میں داخل ہو رہا تھا۔ جگدیش نے بھی حمید کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا اُسی کی میز کی طرف آیا۔

"اوہ.... تو آپ پہلے ہی سے موجود ہیں۔" جگدیش حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیا....؟ کیا بات ہے۔"

"بات یہ ہے کہ وہ یہیں مقیم تھا۔"

"کون! کس کی بات کر رہے ہو....؟"

"عدنان.... جس کی لاش....!"

"بس بس سمجھ گیا۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نے ابھی اخبار میں دیکھا ہے۔ مگر یہ نام نامی نہیں معلوم ہوتا۔"

"وہ ترک تھا۔ جنوبی افریقہ کا ایک بہت بڑا تاجر۔ اس کی لڑکی اور کچھ دوسرے لوگ ہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

لڑکی کے نام پر حمید اپنا داہنا گال کھجانے لگا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے کہا۔ "اخبار میں تو کسی گم نام آدمی کی لاش کے متعلق تھا، جس نے وہ رت کرائے پر لی تھی۔ مالک مکان نے اپنا شبہ ظاہر کیا ہے کہ اس نے اپنا صحیح نام نہیں بتایا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" جگدیش بیٹھتا ہوا بولا۔ "اس کی جیب میں کچھ ایسے کاغذات ملے جنہوں نے ہمیں فارن آفس سے رجوع کرنے پر مجبور کیا۔ وہاں اس کی اصلیت معلوم ہوئی۔ وہ کسی

تجارتی سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ایک مقامی آدمی کی بھی لاش پائی گئی ہے ا
ایک مشہور بدمعاش پنٹو تھا۔ پنٹو کی پیشانی پر گولی لگی ہے اور عدنان کو شائد گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔

''ہز ہائی نس ہارڈ اسٹون بھی موقعے پر موجود تھے یا نہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''کون....؟''

''ارے تم ہارڈ اسٹون کو نہیں جانتے۔ یہ مسٹر احمد کمال فریدی کا انگریزی ترجمہ ہے۔''

جگدیش ہنسنے لگا۔ ''ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے انہیں خاص طور سے بلایا تھا۔''

''یہ بہت بُرا ہوا کہ ان دونوں میں صلح ہوگئی۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''کچھ بھی ہو حمید صاحب۔ یہ معاملہ پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔'' جگدیش بولا۔

''عدنان جب یہاں ٹھہرا تو ایک دوسری عمارت کرائے پر حاصل کرنے کی کیا ضرو
تھی اور اگر اس نے ایسا کیا تھا تو اس کی اطلاع فارن آفس کو کیوں نہیں دی۔ سب سے
بات تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک مقامی بدمعاش کی لاش کا کیا مطلب ہوسکتا ہے اور پھ
نے وہ عمارت اپنا صحیح نام ظاہر کر کے کیوں نہیں حاصل کی تھی۔''

''ہے تو کچھ ایسا ہی....!'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ''کیا تمہیں یقین ۔
اس کے دوسرے ساتھی اب بھی یہیں مقیم ہیں۔''

''قطعی! وہ یہیں ہوں گے۔ ابھی تک کسی نے لاش کا مطالبہ نہیں کیا۔''

جگدیش جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کچھ صفحات الٹنے کے بعد

''ایک تو عدنان کی لڑکی فوزیہ ہے۔''

''فوزیہ....!'' قاسم بڑبڑایا۔ ''نہیں فوجیہ ہوگا.... فوج سے فوجیہ.... ترک عورتیں
دھاکڑ ہوتی ہیں۔''

''نہیں جناب فوزیہ۔'' جگدیش نے کہا پھر حمید سے مخاطب ہوگیا۔ ''دوسرا اس کا سیکر
ڈیگال ہے یہ انگریز ہے۔ دو باڈی گارڈ ہیں۔ ایک لیوکاس اور دوسرا نیگرو ہے۔ لیوکا
انگریز ہے۔ دو دیسی ہیں۔ لیکن افریقہ کے باشندے..... امر سنگھ اور دولت رام....!''

''پھر تم اب.... تم کیا کرو گے۔''

''سوال بڑا ٹیڑھا ہے۔'' جگدیش مسکرا کر بولا ''خیر اٹھئے۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکی آپ کے
میسٹ کی ہو۔''

قاسم نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

''آؤ....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''میں بھی۔'' قاسم نے دانت نکال کر کہا۔

''نہیں.... تم میرا انتظار کرو۔''

اس جواب پر قاسم کا حلیہ قابل دید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے سر بازار چپت
رسید کردی ہو۔ وہ ہنسا تو ضرور مگر یہ ہنسی شرمندگی کا ردعمل تھی۔

حمید نے کاؤنٹر کلرک سے عدنان کے کمروں کے نمبر معلوم کئے اور پھر وہ لوگ آگے بڑھ
گئے۔ کمرے اوپری منزل پر تھے۔

انہوں نے پہلے جس کمرے کے دروازے پر دستک دی وہ اندر سے بند تھا۔ تھوڑی دیر
بعد کسی نے دروازہ کھولا۔ اندر گہرے نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اس لئے اس کی صورت صاف
نہیں نظر آئی۔

''کیا مس فوزیہ موجود ہیں۔'' حمید نے انگریزی میں پوچھا۔

''کیوں....؟'' لہجہ کسی انگریز کا تھا۔

''پولیس.... ہمیں ان سے یا مسٹر عدنان کے سیکریٹری سے گفتگو کرنی ہے۔''

''کیا بات ہے؟'' مخاطب نے کہا اور کمرے کا دوسرا بلب روشن کردیا۔ ایک انگریز شب
خوابی کے لبادے میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''مسٹر ڈیگال کہاں ہیں؟''

''میں ہی ہوں.... کیا بات ہے۔ اندر آجایئے۔''

کمرے میں ڈیگال کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے اندر داخل ہو کر چاروں طرف

متجسسانہ نظریں ڈالیں اور پھر ڈیگال سے مخاطب ہو گیا۔

''مسٹر عدنان پچھلی رات کو کہاں تھے۔''

''کیوں....؟''

''مسٹر ڈیگال مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ہم صرف سوال ہی کرنا پسند کریں گے۔
نے خشک لہجے میں کہا۔

ڈیگال چند لمحے اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''وہ اپنے کسی مقامی دوست کے ساتھ تھے اور آج رات بھی اسی کے ساتھ بسر کریں

''دوست کا نام اور پتہ۔''

''یہ انہوں نے نہیں بتایا تھا.....لیکن! آپ کل دس بجے دن کو ان سے یہیں م
ہیں۔'' ڈیگال نے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ شاید کبھی اس کی نوبت نہ آئے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''انہیں کسی نے.....گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔''

''کیا.....!'' ڈیگال چیخ پڑا، اور یہ چیخ بے ساختہ قسم کی تھی۔ اس پر کوئی یہ نہیں کہ
کہ ڈیگال پچھلی رات کو خود اپنی آنکھوں سے عدنان کی لاش دیکھ چکا ہوگا۔

''جی ہاں.....مس فوزیہ کہاں ہیں۔''

''نہیں.....نہیں۔'' ڈیگال مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''آپ بے بی کو اتنی بُری خبر اس طر
سنا سکتے۔ لاش کہاں ہے.....کہاں ملی تھی..... مجھے بتائیے.....اوہ.....میرے خدا.....ناممکن.....ناممکن

''آپ کے بقیہ ساتھی پچھلی رات سے اب تک کہاں رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا

''یہیں.....میرے ساتھ۔''

''کل رات آپ لوگ کہیں نہیں گئے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''لیکن.....چوکیدار.....!''

''ٹھہریئے.....!'' ڈیگال بات کاٹ کر بولا۔ ''یاد آ گیا۔ ہم تقریباً دو بجے کچھ دیر کے لئے
باہر گئے تھے۔''

''خوب۔ کیا کسی خاص ضرورت کے تحت.....؟'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''اوہ..... بات یہ ہے کہ بے بی بہت ضدی لڑکی ہے۔ اچانک رات کو اس پر تفریح کا
دورہ پڑا۔''

''کیا قرطبیہ نے آپ لوگوں کے ٹیکے نہیں لگائے تھے۔ ہمارے یہاں یہ مرض نہیں پایا
جاتا۔''

''بس وہ ضدی ہے۔ کیا کہا جائے.....لیکن یہ قتل۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ یہاں ان کا کون
دشمن ہو سکتا ہے۔''

''کوئی بھی نہیں۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ اپنے کسی دشمن کو اپنے
ساتھ ہی لائے تھے۔''

''ناممکن جناب۔'' ڈیگال کے لہجے میں غصہ تھا۔ ''ہمارے سب آدمی معتبر ہیں۔''

''تو آپ پچھلی رات کہاں کہاں گئے تھے۔''

''ہمیں یہاں کی جگہوں کے نام تو ابھی معلوم نہیں۔ ادھر اُدھر چکر لگانے کے بعد ہم پھر
واپس آ گئے تھے۔ شاید آدھ گھنٹہ باہر رہے ہوں۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق دونوں کی موتیں دو اور چار کے درمیان میں ہوئی
ہیں۔'' جگدیش نے حمید سے اردو میں کہا۔ ''اور یہ ایک ضدی لڑکی کی تفریح کا افسانہ سنا رہا
ہے۔ دو بجے رات کی تفریح..... چوکیدار کا بیان ہے کہ یہ سب لڑکی سمیت باہر گئے تھے۔''

''یار مجھے تو یہ لڑکی بھی نابالغ ہی معلوم ہوتی ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر انگریزی میں ڈیگال
سے پوچھا۔ ''مس فوزیہ اس وقت کہاں مل سکیں گی۔''

''میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔'' ڈیگال نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ''بے بی کو فی الحال

اس معاملے سے دور ہی رکھئے۔ ویسے میں ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔''

''آپ کو ہمارے ساتھ کوتوالی تک چلنا ہوگا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''تا کہ آپ لاش شناخت کرسکیں۔''

''میں تیار ہوں۔'' ڈیگال بولا۔ ''میں بے بی کو رفتہ رفتہ بتاؤں گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ صدمے ہی سے مرجائے۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے اردو میں کہا۔ ''تم اسے کوتوالی لے جاؤ۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا

پھر جیسے ہی حمید دروازے کی طرف مڑا اس نے محسوس کیا کہ کوئی تیزی سے درواز کے قریب سے ہٹا ہے کیونکہ راہداری میں اُسے ایک لمبا سا سایہ دکھائی دیا تھا۔ وہ تیزی آگے بڑھا۔ ایک آدمی راہداری کے آخری سرے پر دوسری طرف مڑتا ہوا نظر آیا۔ حمید سو لگا۔ ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو۔ ویسے پہلے اسے خیال ہوا تھا کہ شاید کسی نے باہر سے ان گفتگو سننے کی کوشش کی تھی۔

ڈیگال جلد ہی تیار ہوگیا اور وہ سب نیچے چلے آئے۔ قاسم اسی میز پر بیٹھا رہا تھا۔ حمید وہیں آبیٹھا۔ جگدیش اور اس کے ساتھی ڈیگال سمیت باہر چلے گئے۔ قاسم حمید کی آہٹ چونک پڑا تھا۔ اس نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔ ''حمید بھائی۔ کیسی ہے.... اللہ قسم! نے آج تک کوئی ترک لونڈیا نہیں دیکھی۔ ویسے سنتا ہوں کہ بڑی تگڑی ہوتی ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دوبارہ اوپر جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان لوگوں نے پہا کمرے لے رکھے تھے۔ فوزیہ انہیں میں سے کسی ایک میں ہوگی۔

''قاسم....!'' اس نے کہا۔ ''اب تم گھر جاؤ۔ میرے لئے ایک سرکاری کام نکل آیا ہے۔ شائد مجھے رات بھر یہاں بیٹھنا پڑے۔''

''میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اُلو بناتے ہو۔ خود چھلگرے.... ار.... گلچھرے اڑاؤ گے۔ ضرور لونڈیا.... زوردار ہے۔''

''اَبے کوئی لونڈیا.... وونڈیا نہیں۔ آٹھ سال کی بے بی ہے ہرکس و ناکس سے ٹافیو

کے لئے ضد کرتی ہے۔ نہ دو تو نوچتی کھسوٹتی ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''لاحول ولا قوۃ....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''تب یہ جگدیش سالا چغد ہے کیا۔''

''نہیں چغد کا سالا ہے۔ اب تم جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں رکنے پر تمہیں میرے ساتھ شراب بھی پینی پڑے۔''

''بس بس! معاف کرو میں چلا۔ ابھی میری پیٹھ پر سیاہ[1] نشان موجود ہیں۔''

خوفناک اندھا

فریدی نے اپنے مخاطب کو گھور کر دیکھا۔ وہ بھدے خدوخال کا ایک مضبوط جسم والا جوان تھا۔

''تم کچھ چھپا رہے ہو۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''یقین کیجئے! میں کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ معلوم تھا میں نے پولیس کو بتا دیا۔''

''مجھ میں اور پولیس میں فرق ہے۔ اس لئے تم مجھے کچھ اور بھی بتاؤ گے۔''

''میں اب کیا بتاؤں۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ آخر آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔''

''تم لوگوں کی رسائی عدنان تک کیسے ہوئی تھی۔''

''میں کسی عدنان کو نہیں جانتا۔ پٹنو سے میری دوستی ضرور تھی لیکن میں اس کے کسی کام میں حصہ نہیں لیتا تھا۔''

''سفید جھوٹ....!'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''کل رات تم پٹنو کے ساتھ تھے۔ تم چاروں نے سن سٹ بار میں شراب پی۔ بیوقوف آدمی یہ نہ بھولو کہ کل تم لوگ ایک رولس رائس کار میں تھے۔ تم جیسے لوگوں کا کسی رولس رائس کار میں بیٹھنا بجائے خود ایک بہت بڑا

[1] سیاہ نشان کیسے تھے؟ جاسوسی دنیا کے خاص نمبر "جنگل کی آگ" جلد نمبر 12 میں ملاحظہ فرمایئے۔

اشتہار ہے اور پھر یہاں کے بدمعاشوں کی نقل و حرکت مجھ سے چھپی نہیں رہتی۔ چلو اگلی دو
میں بقیہ دو آدمیوں سے زیادہ تمہیں معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ کار کس کی تھی۔"

مخاطب کا چہرہ اُتر گیا۔

"ہاں ہاں.... کہو...." فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"مجھے نہیں معلوم.... دیکھئے ایک وجہ سے میں نے پولیس سے جھوٹ بولا تھا۔ کیا آ
میری گردن پھنسوا دیں گے۔"

"حالات پر منحصر ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ پنٹو ہی ہمارا سرغنہ تھا۔"

"میں جانتا ہوں.... آگے کہو۔" فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"پنٹو ہی نے عدنان سے معاملہ طے کیا تھا۔ بات اتنی تھی کہ ہمیں ایک اندھے فقیر کو ف
پاتھ سے اٹھا کر اس عمارت میں پہنچانا تھا۔ اس کے لئے ہمیں چار ہزار ملے تھے۔"

"کیا....؟" فریدی تحیر آمیز انداز میں آگے کی طرف جھک گیا۔

"کسی کو یقین نہیں آئے گا۔" مخاطب نے کہا۔ "اسی لئے میں نے پولیس کو کچھ نہیں بتا
تھا۔ لیکن آپ سے پار پانا مشکل ہے۔ شاید آپ بھی یقین نہ کریں۔ بہر حال میں آپ کو سب
کچھ بتا دوں گا۔"

اور پھر اُس نے اندھے پر قابو پانے اور پنٹو کے قتل تک کے واقعات دہرا دیئے۔ وہ کچھ
دیر کے لئے رکا۔ شاید وہ عدنان کا انجام بتاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ خود اُس نے اور ا
کے دو ساتھیوں نے عدنان کو گھسیٹ کر اندھے تک پہنچایا تھا۔

"ہوں....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اور عدنان کا۔"

"اندھے نے گلا گھونٹ دیا۔"

"اور اُس نے تم تینوں سے کوئی تعرض نہیں کیا.... کیوں....؟"

"کچھ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں عمارت سے نکال دیا۔"

"اور اس رولس رائس کا کیا ہوا۔ وہ کس کی تھی؟"

"ہمیں نہیں معلوم۔ عدنان نے کہیں سے مہیا کی تھی۔ ہم تو اس کے بعد سر پر پیر رکھ کر
گے تھے۔"

"تم اب بھی کچھ چھپا رہے ہو۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"اوہ! ٹھیک یاد آیا.... میں بھول ہی گیا تھا۔ عدنان نے اندھے سے کہا تھا کہ مجھے نور
ں کی ضرورت ہے۔"

"نور جہاں....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "کوئی اور بات۔"

"نہیں.... اس کے بعد پھر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فریدی اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے
ا۔ "کچھ اور....!"

"اور کچھ نہیں.... بس یہی غنیمت ہے کہ اپنی جانیں بچ گئیں۔ کیا آپ مجھے پولیس کے
لے کر دیں گے۔"

"نہیں.... لیکن اس وعدے پر کہ تم شہر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔"

"آپ یقین کیجئے کہ میں آپ کے حکم کا پابند رہوں گا۔ لیکن دوسروں کی ذمہ داری نہیں
سکتا۔"

"انہیں کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ انہیں یقین دلاتے رہو کہ پولیس کو کچھ نہیں
م ہو سکا۔"

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں...." فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تم اب بھی جھوٹ بول
ے ہو۔"

"یقین کیجئے.... اور....!"

"نہیں.... ٹھہرو.... تمہاری داہنی کلائی پر چاندی کا ایک تعویز ہوا کرتا تھا۔"

''جی ہاں.... جی ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ پچھلی رات اندھے کو اٹھانے کے وق
کہیں گر گیا۔''

''فریدی نے جیب سے چاندی کا ایک تعویذ نکالا جس کے دونوں سروں پر چا
زنجیریں لٹک رہی تھیں۔

''جی ہاں.... یہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیکن یہ مجھے کسی فٹ پاتھ پر نہیں ملا۔''

''تو پھر.... اُسی عمارت میں ملا ہوگا۔''

''یہ عدنان کے گریبان میں الجھا ہوا تھا.... کیوں؟.... میں اس کا جواب چاہتا ہوں
ایک بار پھر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

''وہ.... دیکھئے.... آپ خود بتائیے.... ہم پر چاروں طرف سے پستول اٹھے ہوئے
پنٹو کا انجام ہم دیکھ ہی چکے تھے.... پھر....!''

وہ خاموش ہوگیا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ البتہ اب بھی اس کی نظریں استفہامیہ اندا
اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''اندھے نے کہا۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ''اگر ہم عدنان کو پکڑ کر اس کے قریب ن
گئے تو ہم بھی پنٹو کے پیچھے روانہ کر دیئے جائیں گے۔ مجبوراً ہمیں عدنان کو کھینچ کر اس کے
لے جانا پڑا۔ زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔''

''خیر.... دوسری بات۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اندھے نے تمہاری آزاد
لئے کوئی شرط نہیں پیش کی تھی۔''

''جی نہیں.... قطعی نہیں.... انہوں نے دھکے دے کر ہمیں عمارت سے باہر نکال دیا تھا

''اگر تم اُسے اب کہیں دیکھو تو پہچان جاؤ گے۔''

''کہہ نہیں سکتا.... ہمیں اس کی شکل دیکھنے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پہچا
لوں لیکن یقین نہیں ہے۔ مجھے اس کی شکل یاد نہیں۔''

''خیر.... ہم دیکھیں گے کہ تمہاری داستان کا کتنا حصہ درست ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔
لیکن اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ ورنہ پھر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔''

سرجنٹ حمید نے یکے بعد دیگرے عدنان کے سارے کمرے کھلوائے لیکن کسی میں بھی
کوئی لڑکی نہ ملی۔ انگریز نیگرو اور دونوں ہندوستانی موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ چند منٹ قبل
وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ ان لوگوں نے بھی اس کی عدم موجودگی پر تشویش ظاہر کی کیونکہ
ان کے بیان کے مطابق فوزیہ ان میں سے کسی کو ساتھ لئے بغیر ڈائننگ ہال تک بھی نہیں جاتی
تھی.... حمید نے ان کے ساتھ ہوٹل کا کونا کونا چھان ڈالا لیکن فوزیہ نہ ملی۔ پھر وہ گیراج میں
آئے۔ لیکن ان کی کار بھی موجود تھی۔

''کیا مصیبت ہے۔'' لیوکاس بڑبڑایا۔ ''مسٹر عدنان کا حکم تھا کہ بے بی تنہا باہر نہ جائے۔
اب وہ اگر مجھ سے جواب طلب کریں گے۔''

''کون....!'' حمید نے پوچھا۔

''مسٹر عدنان۔''

''کیا واقعی تمہیں امید ہے کہ وہ واپس آئیں گے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مسٹر ڈیگال اُن کی لاش شناخت کرنے کے لئے گئے ہیں۔''

''لاش....؟'' سبھوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

''ہاں.... پچھلی رات کسی نے انہیں مار ڈالا۔''

''کیا بکواس ہے؟'' لیوکاس بھنویں چڑھا کر بولا۔

''کیا تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔'' حمید نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم ایک ذمہ دار
افسر سے گفتگو کر رہے ہو۔''

لیوکاس کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈیگال واپس آ گیا۔

''کیوں....؟'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''اوہ.... سچ مچ....!'' وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ''وہ مسٹر عدنان ہی کی لاش ہے۔''

اس کے دوسرے ساتھیوں نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ البتہ نہ جانے کیوں حمید کو لیوکاس کا رویہ کچھ غیر فطری سا معلوم ہو رہا تھا.... اس نے بڑے بھونڈے اور تضحیک آمیز لہجے میں ڈیگال کو فوزیہ کی گمشدگی کے متعلق بتایا۔

حمید کو شروع ہی سے اس معاملے میں کوئی چیز کھٹک رہی تھی اور پھر اُس کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ وہ پچھلی رات کو دو بجے.... کہیں باہر گئے تھے اور اُس کے لئے انہوں نے ایک عذر لنگ پیش کیا تھا۔ اس عذر لنگ کا تعلق فوزیہ کی ذات سے تھا اور اب فوزیہ اچانک پراسرا طریقے پر غائب ہو گئی تھی۔ اس سے کیا سمجھا جائے۔

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کو فون کر دیا جائے۔ لیکن وہ ہال سے ہٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فوزیہ کی گمشدگی میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے تو وہ ابھی اُسے ہوٹل سے باہر نہ لے جا پائے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی عدم موجودگی میں انہیں اس کا موقع مل جائے۔

ڈیگال اپنے ساتھیوں پر بُری طرح برس رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے انہیں نمک حرام تک کہہ دیا۔ جس پر نیگرو کو غصہ آ گیا اور اسے مارنے کیلئے جھپٹا۔ دوسرے لوگ فوراً درمیان میں آ گئے۔

اسی دوران میں حمید کو کاریڈر کے سرے پر فریدی دکھائی دیا جو ایک ویٹر کے ساتھ اُسی طرف آ رہا تھا۔

''اوہو.... تو تم یہاں ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں صبح ہی سے اسی چکر میں ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''بکواس مت کرو.... مجھے معلوم ہے کہ تم بہت سچے ہو.... خیر.... یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

حمید نے مختصراً ماجرا بیان کر دیا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''میرا

خیال ہے کہ وہ ابھی ہوٹل ہی میں مل جائے گی۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اگر اُس کی گمشدگی میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے تو یہ ابھی اسے باہر نہ لے جا پائے ہوں گے۔''

ڈیگال اب بھی اپنے ساتھیوں سے الجھا ہوا تھا۔ حمید نے فریدی کو بتایا کہ وہ عدنان کا سیکریٹری ہے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اُن سے اپنا تعارف کرایا اور پھر ڈیگال کو مخاطب کر کے کہا ''مجھے بھی معلوم ہوا ہے کہ لڑکی غائب ہو گئی۔''

''جی ہاں.... مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے چند نالائقوں پر اعتماد کر لیا۔ میں لاش کی شناخت کے لئے پولیس اسٹیشن چلا گیا تھا۔''

''کیا وہ اپنے کمرے ہی میں تھی۔'' فریدی نے ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے جملہ پورا کیا.... جواب اثبات میں ملا.... لیکن انہوں نے اُسے اُس کے کمرے سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

''میں اس کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''آئیے....!'' ڈیگال ان کے آگے ہولیا۔ کمرے میں پہنچ کر فریدی نے سرسری طور پر قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ یہاں ایک طرف ایک بڑی سی مسہری پڑی ہوئی تھی جس کے سرہانے ایک میز تھی جس پر لکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ دو کرسیاں.... ملبوسات کی الماری.... اس نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دوسرے آدمیوں کی طرف مڑا۔

''کیا مس فوزیہ ایک ہی جوتا پہن کر باہر گئی ہیں۔'' اس نے ڈیگال سے کہا۔

''کیا مطلب.... میں نہیں سمجھا۔''

فریدی اُسے کوئی جواب دینے کی بجائے حمید سے بولا۔ ''تم برابر والے کمرے کے دروازے پر ٹھہرو۔''

حمید باہر چلا گیا۔ اُسی کے پیچھے لیوکاس بھی نکلا اور اپنے کمرے میں جانے لگا۔

''نہیں جناب۔'' حمید اُسے روک کر بولا۔ ''ابھی آپ کمرے میں نہیں جاسکتے۔''

''کیوں....؟'' اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

''ہم مس فوزیہ کو تلاش کر رہے ہیں۔''

''پاگل تو نہیں ہو.... ہم پہلے بھی ان سارے کمروں میں تلاش کر چکے ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ ''میرا چیف سگر
کیس سے ہاتھی برآمد کرلیتا ہے۔''

''جہنم میں گیا تمہارا چیف.... مجھے اندر جانے دو۔''

''نہیں اُسی کو جانے دو.... تم مت جاؤ۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔

ادھر فریدی نے فوزیہ کے کمرے کا غسل خانہ کھولا۔ پھر اس نے ڈیگال کو آواز دی۔ فوز
فرش پر اوندھی پڑی تھی۔

''ارے....!'' ڈیگال تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

وہ اسے اٹھا کر کمرے میں لائے اور مسہری پر ڈال دیا۔ وہ بے ہوش تھی اور سانس رُ
رک کر رہی تھی۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' ڈیگال بڑبڑایا۔ ''کس نے یہ حرکت کی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے بیہوش لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر حمید کو آواز دی۔ حم
کے ساتھ ہی لیوکاس بھی اندر چلا آیا۔ فوزیہ کو مسہری پر دیکھ کر لیوکاس پہلے تو جھجکا لیکن پھر ا
نے بھی تحیر اور افسوس کے ملے جلے خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔

''کسی قریبی ڈاکٹر کو فون کردو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ جو توجہ اور دلچسپی سے بیہو
لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی.... جس کے خدوخال میں بہت کم نسوانیت تھی۔ اعضاء مضبو
اور ہڈیاں چوڑی تھیں۔ حمید ان کی عقلوں پر ماتم کرنے لگا جو اُسے بے بی کہتے تھے۔

اس نے نیچے جا کر کاؤنٹر سے ڈاکٹر کے لئے فون کیا اور پھر واپس آ گیا۔ فریدی ایک
کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا اور وہ سب وہیں کھڑے تھے۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔'' ڈیگال فریدی سے اس انداز میں کہہ رہا تھا جیسے اب وہاں فریدی یا اس کے ساتھی کی موجودگی کی ضرورت نہیں۔

''مجھے لڑکی سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔'' فریدی بولا۔

''کیا ابھی.... اسی وقت....'' ڈیگال کے لہجے میں حیرت تھی۔ لیکن کہنے کے انداز میں چھپی ہوئی بناوٹ کا اظہار بخوبی ہو گیا تھا۔ حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی طرف دیکھا۔

''میں ہوش میں آنے کا انتظار کرلوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن.... پھر بھی یہ ظلم ہوگا۔ ایسے حالات میں.... آپ اُسے اس کے باپ کے قتل کی خبر سنائیں گے۔''

''یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں اس کے باپ کے قتل کی خبر سنانے آیا ہوں۔''

''پھر....؟''

''کچھ نہیں....!'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور لڑکی کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

لیوکاس اور ڈیگال کی نظریں ملیں۔ لیوکاس پہلے باہر گیا پھر ڈیگال نے بھی اس کی تقلید کی۔ حمید استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب خاموش تھے کچھ دیر بعد کسی کے قدموں کی آہٹ سے سکوت ٹوٹا۔ لیوکاس اور ڈیگال واپس آ گئے تھے اور ان کے ساتھ ڈاکٹر بھی تھا۔

معائنے کے دوران میں لیوکاس اور ڈیگال گھور گھور کر فریدی کو دیکھتے رہے۔ ڈاکٹر نے
لات سمیٹ کر بیگ میں رکھے اور بیگ کا تسمہ چڑھاتا ہوا بولا۔ ''کوئی نشہ آور چیز.... یا تو
ائی گئی ہے.... یا انجکٹ کی گئی ہے۔ میں ایک انجکشن دے کر بیس منٹ تک انتظار کروں گا۔
ر ہوش نہ آیا تو پھر یہ خود ہی سے بیدار ہوں گی۔''

کوئی کچھ نہ بولا اور کمرے پر پھر سکوت مسلط ہو گیا۔

گمشدگی کا راز

فوزیہ ہوش میں آچکی تھی۔ اب کمرے میں اس کے علاوہ صرف تین آدمی تھے۔ فریدی حمید اور ڈیگال۔ لیکن اب ڈیگال مضطرب نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے شاید اس نے اپنے دانت بھی پوری قوت سے بھینچ رکھے تھے کیونکہ جبڑوں کے مسلسل ابھرے ہوئے نظر آرہے تھے اور آنکھیں اس طرح فوزیہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جیسے وہ تنو طریقے پر اپنی قوت ارادی کے ذریعے اس کے ذہن پر کوئی خاص اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو

"آپ غسل خانے میں بیہوش پائی گئی تھیں۔" فریدی نے فوزیہ سے کہا۔

"کیا....!" وہ اس طرح چونک پڑی جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔ اس کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھیں ایک لمحے کے لئے فریدی کے چہرے کی طرف اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔

"کیا آپ اس معاملے پر روشنی ڈالنے کی تکلیف کریں گی۔" فریدی نے پھر کہا۔

"میں نے اسے دیکھا نہیں کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کپڑا ڈال کر گلا گھونٹ تھا۔" وہ اپنی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

دفعتاً ڈیگال نے ایک طویل سانس لی اور اس کے جبڑے ڈھیلے پڑ گئے۔ حمید نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر فوزیہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"آپ کے والد کہاں ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی....!" وہ پھر چونک پڑی۔ "مجھے نہیں معلوم۔"

"کل رات.... دو بجے آپ لوگ کہاں گئے تھے۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یونہی تفریحاً....!" ڈیگال بولا۔

"آپ باہر جائیے۔" فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جائے گا۔" ڈیگال بگڑ کر کھڑا ہوگیا۔ "آپ صرف ہمارے ملک کے ہائی کمیشن آفس کی وساطت سے ہم تک پہنچ سکتے ہیں.... ورنہ نہیں۔"

"یہ کس نے کہہ دیا تم سے۔" فریدی کی مسکراہٹ پرسکون تھی۔ "باہر سے آنے والوں کا میزبان محکمہ سراغ رسانی ہی ہوتا ہے.... ورنہ.... نور جہاں....!"

"کیا مطلب....؟" ڈیگال ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا اور فوزیہ مسہری سے اچھل کر فرش پر کھڑی ہوگئی۔

"مطلب.... یہ کہ.... عدنان کے.... ساتھ ہی.... ایک مقامی آدمی کا.... بھی خون.... ہوا ہے۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

"کیا....!" فوزیہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

"مسٹر عدنان کا قتل.... کیا تمہیں اب اطلاع ہوئی ہے۔"

فوزیہ سر پکڑ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس طرح جھکولے لے رہی تھی جیسے اب گری اور تب گری۔

ڈیگال نے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور مسہری پر ڈال دیا۔ وہ پھر بیہوش ہوگئی تھی۔

"تم لوگ درندے ہو۔" ڈیگال فریدی کی طرف دیکھ کر دانت پیستا ہوا بولا۔

"لیکن تمہاری طرح سرکس کے درندے نہیں۔" فریدی نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔

کچھ دیر سکوت رہا پھر فریدی بولا۔ "آخر اس ناٹک کی کیا ضرورت تھی مسٹر ڈیگال....!"

"کیسا ناٹک....!" ڈیگال جھنجھلا کر بولا۔ "تم مجھے خواہ مخواہ غصہ دلا رہے ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا.... اور حمید.... اُس نے تو شاید اس دوران کی گفتگو بھی نہیں سنی تھی.... اُس کا ذہن "نور جہاں" میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر فریدی نے یہ بے تکا نام کیوں لیا؟ اور اس نام کا جو ردعمل ڈیگال اور فوزیہ پر ہوا تھا وہ بھی حمید کے ذہن میں محفوظ تھا۔

دفعتاً فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ''حمید! ذرا لیوکاس کو یہاں لاؤ۔''

حمید باہر چلا گیا۔ فریدی نے یہ بات اردو میں کہی تھی۔ لیکن اس نے لیوکاس کے نام پر ڈیگال کو چونکتے دیکھا۔ ڈیگال کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

لیوکاس کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ لیکن وہ بہت زیادہ جھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ فریدی چند لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''مسٹر لیوکاس! یہ کیا حرکت تھی۔''

''کیا مطلب....!''

''تم نے لڑکی کو بیہوش کیا تھا۔''

''مسٹر سراغ رساں تم بہک رہے ہو۔'' ڈیگال بولا۔

''نہیں مسٹر ڈیگال میں سچ کہہ رہا ہوں۔ غسل خانے میں مجھے مسٹر لیوکاس کی ڈائری ملی ہے۔''

''اوہو! یہ کیا بات ہے۔'' لیوکاس جلدی سے بولا۔ ''دونوں کمروں کا غسل خانہ مشترک ہے۔ اس کا ایک دروازہ میرے کمرے میں ہے۔ ممکن ہے کسی وقت مجھ سے گر گئی ہو۔ مجھے اس کی تلاش تھی کہاں ہے۔''

''میرے پاس!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن بہت ہی محترم مسٹر لیوکاس! کیا میں پو سکتا ہوں کہ تمہاری قمیض کی پلیٹ پر پڑا ہوا سرخ دھبہ کیسا ہے؟''

لیوکاس کا سر بے اختیار سینے کی طرف جھک گیا.... اور پھر وہ ہکلانے لگا۔

''بیکار ہے! تم نے ہی اسے بیہوش کر کے باتھ روم میں ڈالا تھا۔''

''ٹھہرو لیوکاس....!'' دفعتاً ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اب کچھ چھپانا فضول ہے۔''

فریدی نے جیب سے سگار کیس نکال کر ڈیگال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں پولیس انسپکٹر سے پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی مجھ جیسے شریف آدمی کو دھوکا دینا پسند نہیں کرتا.... سگار!

ڈیگال نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے ایک سگار نکال لیا۔

''لیوکاس تھوڑا بیوقوف ضرور ہے۔'' اس نے کھانس کر کہا۔ ''لیکن بدخواہ نہیں۔ وہ نہ

ہتا تھا کہ بے بی کو اچانک یہ منحوس خبر سنائی جائے۔ اس نے مجھے پولیس والوں سے گفتگو رتے دیکھا اور جلدی میں اُسے یہی تدبیر سوجھ گئی۔''

''لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اپنے کسی ساتھی کو اس خبر سے مطلع کئے بغیر ہی لیس اسٹیشن چلے گئے تھے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں اور لیوکاس پہلے ہی سے جانتے تھے۔''

''ہوں.... کس طرح۔''

''میں نے وہ لاشیں کل رات ہی دیکھ لی تھیں۔ پولیس آفیسر کو میں نے غلط بیان دیا تھا۔ بے بی.... مسٹر عدنان کے لئے بہت پریشان تھی۔ لہٰذا ہم دو بجے ان کی تلاش میں اس عمارت تک گئے۔ میں بقیہ لوگوں کو باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہاں میں نے دونوں لاشیں دیکھیں اور چپ چاپ واپس آ گئے۔''

''مگر پولیس سے غلط بیانی کیوں کی گئی۔''

''محض.... اس بچی کی خاطر.... میں نہیں چاہتا تھا......!''

''یہ جملہ ہم کئی بار سن چکے ہیں۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''میں صحیح واقعہ سننا چاہتا ہوں۔''

''یہ قطعی صحیح واقعہ ہے۔''

''عدنان نے وہ عمارت کرائے پر کیوں حاصل کی تھی۔''

''ہمیں یہ ضرور معلوم تھا کہ انہوں نے ایک عمارت حاصل کی تھی لیکن انہوں نے اس کی غرض وغایت کسی کو نہیں بتائی۔''

''ہوں.... تو پھر یہ لڑکی پریشان کیوں تھی۔''

''ظاہر ہے کہ مسٹر عدنان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے وہ عمارت کیوں حاصل کی ہے اور یہ سب کو معلوم تھا کہ وہ گذشتہ رات وہیں بسر کرنے والے تھے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بچوں میں والدین کے لئے اور والدین میں بچوں کے لئے ایک چھٹی حس ہوتی ہے۔''

''نہ میں والدین ہوں اور نہ مجھے اپنا بچپن ہی یاد ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن میں

دوبارہ مس فوزیہ کے ہوش میں آنے کا انتظام کروں گا۔"

"آپ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔" ڈیگال پھر اکھڑ گیا۔ "بے بی کو آرام کی ضرورت ہے"

"سب کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور سگار سلگانے لگا

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"سچی بات....!"

"اس سے زیادہ ہم میں سے کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"کچھ دیر پہلے تم یہ بھی نہیں جانتے تھے جو ابھی بتا چکے ہو۔"

"میرے خیال سے اسے ہسپتال پہنچا دیا جائے۔" حمید نے فوزیہ کی طرف اشارہ کر کے

"ہرگز نہیں.... کبھی نہیں۔" ڈیگال تن کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم مجھے نہیں جانتے۔"

"مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو۔" ڈیگال غرایا۔

"چلو بیٹھ جاؤ سیدھی طرح.... ورنہ...." فریدی اور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظ
لیوکاس پر تھیں جس نے ریوالور نکال لیا تھا۔

"بہت اچھے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کمرے سے نکل جاؤ۔" لیوکاس نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

"بہتر ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آؤ حمید..."

وہ دروازے تک آئے۔ لیوکاس ان کے پیچھے تھا۔ فریدی نے دروازہ کھولنے کے
ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر دوسرے ہی لمحہ وہ بڑی تیزی سے پلٹا۔ اس کا بایاں
ریوالور پر پڑا اور داہنا ہاتھ لیوکاس کے جبڑے پر... لیوکاس اچھل کر کئی فٹ دور جا پڑا
ریوالور فریدی کے ہاتھ میں تھا۔

"لیوکاس.... یہ کیا بیہودگی ہے۔" ڈیگال چیخا۔

لیوکاس کھڑا ہو کر اپنا جبڑا سہلا رہا تھا۔ پھر خون کی ایک دھار اس کے ہونٹوں سے نکل

ڑی پر پھیل گئی۔

"آفیسر.... مجھے افسوس ہے۔" ڈیگال معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ پھر لیوکاس پر برس پڑا۔

"میں لیوکاس کو آتش گیر اسلحہ رکھنے کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "تم
ہاں بغیر اجازت ریوالور نہیں رکھ سکتے۔"

"آفیسر! میں معافی چاہتا ہوں۔" ڈیگال گڑگڑایا۔ "ہم بڑی زحمت میں پڑ جائیں گے۔"

"اس کی صرف ایک ہی صورت ہے حقیقت کہہ دو۔"

ڈیگال کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے اور وہ بار بار
وکاس کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتا تھا۔

"ایک ذرا سی بات نے اتنا طول کھینچا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ "بہت معمولی سی
ت تھی.... لیکن مسٹر عدنان نے میرا کہنا نہ مانا۔ خود جان سے ہاتھ دھوئے اور ہمیں مصیبت
یں پھنسا دیا۔"

فریدی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ لیوکاس رومال سے اپنے چہرے کا خون صاف کر رہا تھا۔

ڈیگال خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے ذہنی کشمکش عیاں تھی۔ فریدی اُسے جواب
طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"انہیں جو کچھ بھی کرنا تھا.... اس کے لئے ہم ہی کافی تھے۔" ڈیگال کچھ دیر بعد
بولا۔ "انہوں نے مقامی آدمیوں کی مدد حاصل کر کے غلطی کی۔"

"لیکن عدنان کیا کرنا چاہتا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیا آپ کو اپنے شہر میں کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود کا علم ہے جو سینکڑوں آنکھ
والوں پر بھاری ہو۔"

حمید نے ڈیگال کے اس جملے پر قہقہہ لگایا لیکن فریدی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

"کہتے جاؤ.... میں سن رہا ہوں۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"لوزانا.... چند ماہ پیشتر کیپ ٹاؤن میں تھا۔"

"لوزاٹا کون؟"

"لوزاٹا.... وہ اندھا جنوبی افریقہ میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ حقیقتاً کہا
باشندہ ہے یہ کسی کو نہیں معلوم۔ لیکن افریقہ کے ڈاے گا گا قبیلے کا ایک دیوتا لوزاٹا کہلاتا ہے
کے معنی ہیں اندھیرے کا مالک۔"

حمید عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُسے فریدی کی سنجیدگی پ
آ گئی۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور حمید کہنے لگا۔ "میں اُس اندھے کو جانتا ہوں اس
لوزاٹا نہیں بلکہ ڈھمپ کٹل چرخ پٹاخ پوں ہے۔ کس حماقت میں پھنسے ہیں آپ..... یہ
فورٹونٹی ہیں۔"

پھر ڈیگال کی طرف دیکھ کر اردو میں بولا۔ "تم لوگوں سے مجھے نفرت ہوگئی ہے۔ آ
اتنی دور سے اور اپنے ہمراہ ایک ہیجڑوں کی شکل کی لڑکی لائے ہو جس سے میں ذرہ برا
دلچسپی نہیں لے سکتا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں۔" ڈیگال نے فریدی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں تم اپنا بیان جاری رکھو۔"

"اُس نے مسٹر عدنان کو دھوکہ دے کر ایک بہت بڑی رقم وصول کی.... اور یہاں چلا آ
ہم اُس کے تعاقب میں یہاں آئے تھے۔"

"لیکن.... مسٹر عدنان نے خود ہی زحمت کرنے کی ضرورت محسوس کیوں کی۔ وہ اپنے
کمیشن کے ذریعہ سرکاری طور پر اس کے خلاف چارہ جوئی کر سکتے تھے۔"

"یہی مشورہ میں نے بھی دیا تھا۔" ڈیگال جلدی سے بولا۔

"لیکن مسٹر عدنان نہیں مانے.... آخر کیوں!"

"میں کیا بتا سکتا ہوں....!"

"لڑکی ضرور بتا سکے گی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں نور جہاں کا قصہ سننا چاہتا ہوں

"وہ شہنشاہ جہانگیر کی بیوی تھی۔" حمید بولا۔ "اس کی پہلی شادی علی قلی خاں.... با

قلی سے ہوئی تھی۔"

"تم خاموش رہو.... یا یہاں سے چلے جاؤ۔" فریدی اس پر الٹ پڑا۔

"اب میں کہاں جا سکتا ہوں.... قصہ نور جہاں کا ہے۔"

"آپ نے ایک بار پہلے بھی یہ نام لیا تھا لیکن میں اسکے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ڈیگال بولا۔

"شاید لڑکی جانتی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"پتہ نہیں....!" ڈیگال بیزاری سے بولا اور بیہوش لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"اندھا کہاں رہتا ہے؟"

"معلوم نہیں.... مسٹر عدنان نے اُسے یہاں کے کسی فٹ پاتھ پر بھیک مانگتے دیکھا
ا۔" حمید نے پھر قہقہہ لگایا اور فریدی کا شانہ جھنجھوڑ کر بولا۔ "سنئے اگر وقت ہی برباد کرنا ہے تو
یئے کرکٹ کھیلیں۔ بڑی سہانی رات ہے۔"

"تم نہیں جانتے.... خاموش رہو۔"

"مائی ڈیر مسٹر ہارڈ اسٹون! مجھے اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہانیاں یاد ہیں۔ رانی سرنگا
ی کہانی۔ سوتے جاگتے کا قصہ۔ ببر بادشاہزادی کی داستان۔ موڈرن کہانیوں میں علی بابا اور
ل ٹم ٹم کا قصہ۔"

فریدی اسکی بکواس پر دھیان نہ دے کر ڈیگال سے بولا۔ "کیا اندھے کا کوئی گروہ بھی ہے۔"

"آپ گروہ کہتے ہیں۔" ڈیگال نے کہا۔ "وہ جہاں بھی رہتا ہے شاہانہ شان سے۔"

"اور فٹ پاتھ پر بھیک بھی مانگتا ہے۔" حمید اردو میں بڑبڑایا۔ "فریدی صاحب اس
سے تو یہی بہتر تھا کہ آپ چانڈو سے شوق فرما لیتے۔"

ڈیگال خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر فریدی کی طرف اٹھی۔

"میرے دوست کو کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود پر یقین نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"انہیں یقین آجائے گا۔" ڈیگال نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا آپ نے اب سے تین
سال قبل اخبارات میں ایک حیرت انگیز خبر نہیں پڑھی تھی کہ لندن میں ایک اندھے نے چیرنگ

کراس سے پکاڈلی تک کار ڈرائیو کر کے پورے شہر میں سنسنی پھیلادی۔''

''اوہ....!'' فریدی چونک کر بولا۔''تو یہ وہی اندھا ہے۔''

''جی ہاں....وہی۔''

''تب تو....نور جہاں....!'' فریدی کچھ سوچنے لگا۔

''کیا....؟'' ڈیگال کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔لیکن وہ اچانک خاموش ہوگیا۔فرید
عقابی آنکھیں ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر پڑیں پھر وہ مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

''اچھا مسٹر ڈیگال....ہم دیکھیں گے۔'' اس نے کہا۔''لیکن تم لوگ پولیس کو ا
دیئے بغیر ہوٹل کے باہر قدم نہیں نکالو گے۔''

بکرے سے اندھے تک

دوسری صبح حمید فریدی سے الجھ پڑا۔ اُسے سب سے زیادہ تاؤ خود اپنی حماقت پر آ
کہ اُس نے پچھلی رات کا زیادہ تر حصہ لغویات میں گزار دیا۔ وہ محض اس توقع پر ہوٹل
فرانس میں سر مارتا رہا تھا کہ فوزیہ کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہو سکے گا
وہ ایک بالکل ہی معمولی شکل وصورت کی لڑکی ثابت ہوئی۔حمید کا خیال تھا کہ وہ لڑکی بھ
باپ کی سازش میں شریک ہے۔ اندھے والی کہانی پر اُسے یقین نہیں آیا تھا....اس کے
کے مطابق عدنان کا خاتمہ کرنے کے لئے چار مقامی بدمعاشوں کو کرائے پر حاصل کیا گ
اُن میں سے ایک عدنان کے ہاتھوں مارا گیا اور بقیہ تین آدمیوں نے اُس کے بعد عد
خاتمہ کر دیا....اور مقصد....مقصد فی الحال تاریکی میں تھا۔

''میں کہتا ہوں۔'' وہ فریدی سے کہہ رہا تھا۔''آخر اس اندھے نے اُن تینوں
کیوں دیا۔اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو انہیں کبھی اس دن کے لئے زندہ نہ چھوڑتا کہ وہ پو

نا دے سکیں۔''

''تمہیں اندھے کے وجود میں شبہ ہے۔''

''بنڈل سرے سے بنڈل....!''

''لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا....وہ کار ڈرائیو کرنے والا واقعہ۔ کیا تمہیں یاد نہیں۔ ایک
انے میں اس کی بڑی شہرت تھی۔''

''رہی ہوگی....لیکن اس معاملے میں اس کا کیا تعلق۔ آخر آپ کس بناء پر اُسے اس سے
لق سمجھتے ہوں گے۔''

''نور جہاں....اگر یہ نام نہ لیا گیا ہوتا تو میں بھی اسے کوئی اہمیت نہ دیتا۔''

''اوہ....تو حقیقتاً کوئی لڑکی اور بھی ہے۔ یقیناً وہ بہت زوردار ہوگی....ورنہ عدنان مرتا کیوں۔''

''لڑکی....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔''اچھا ہے تم اسے لڑکی ہی سمجھتے رہو۔''

''ہائیں تو کیا بڑھیا ہے۔''

''ختم کرو یہ قصہ....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔''میرے پاس تمہاری ایک شکایت آئی ہے۔''

''وہ تو آیا ہی کرتی ہیں۔''

''آخر تمہارا بچپنا کب رخصت ہوگا....خود مذاق بنتے ہو اور مجھے بھی بدنامی نصیب ہوتی ہے۔''

''بات کیا ہے۔''

''ہائی سرکل نائٹ کلب میں بکرا کیوں لے گئے تھے۔''

حمید یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔ اتنا سنجیدہ جیسے فریدی نے اُس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس
ئی ہو۔

''کیوں نہ لے جاتا۔'' حمید بگڑ کر بولا۔''وہاں بعض عورتیں کتے کیوں لاتی ہیں۔''

''مضحکہ خیز بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔ میں نے سنا ہے کہ تم اور انور نائٹ کلب کے منیجر کو
ت پریشان کرتے ہو۔''

''لیکن وہ کمبخت اس کے باوجود بھی اشعار سنانے سے باز نہیں آتا۔''

’’اس قسم کی حرکتوں سے فائدہ کیا ہوتا ہے۔‘‘

’’میں کہتا ہوں کتوں کو ساتھ لئے پھرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور خصوصاً یہ عور
بچوں کو تو گھر پر چھوڑ دیتی ہیں اور کتوں کو گود میں لئے پھرتی ہیں۔ ان کی نفسیات آ
میری سمجھ میں نہ آسکی۔‘‘

’’بچے کتوں سے زیادہ شور مچاتے ہیں۔‘‘ فریدی مسکرا کر بولا۔

’’نہیں بتائیے! آپ تو ماہر نفسیات بھی ہیں۔‘‘

’’دوسروں کو مستقل طور پر غلام بنائے رکھنے کی لاشعوری خواہش۔ آدمی سے اس ک
فضول ہے لہٰذا توجہ جانوروں کی طرف مبذول ہوتی ہے اور جانوروں میں کتے سے
سعادت مند جانور اور کوئی نہیں ہوتا.... ہروقت دم ہلاتا رہتا ہے۔ عورتوں میں غلام بنا
خواہش مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔‘‘

’’کیا میں آپ کو بھی عورت سمجھوں۔‘‘

’’کیوں....؟‘‘

’’آپ نے درجنوں کتے پال رکھے ہیں اور میں نے ایک بکرا پال لیا تو اُس پر اتنا غ

ہائی سرکل نائٹ کلب کا منیجر برآمدے میں کھڑا تھا۔ یہ چھوٹے قد، دبلے جسم او
ہوئے چہرے کا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور
سلگانے ہی جا رہا تھا کہ کمپاؤنڈ میں ایک کار داخل ہوئی جس کی کھڑکی سے ایک بکرا سر ن
بڑے دلآویز انداز میں جگالی کر رہا تھا۔ منیجر نے سگریٹ جیب میں ڈال لیا اور دانت پ
خلاء میں مکا مارنے کے سے انداز میں ہاتھ کو جنبش دی۔

کار سے حمید اترا اور پھر اس نے بکرے کو بھی کھینچ کھانچ کر باہر نکال لیا۔

’’مسٹر حمید! خدا کے لئے۔‘‘ منیجر ہاتھ پھیلا کر گھگھیاتا ہوا آگے بڑھا۔

’’میری جیب میں کھلے ہوئے پیسے نہیں ہیں۔‘‘ حمید لاپروائی سے بولا۔ وہ اُس جغادری
بکرے کا پٹہ پکڑے اسے مہندی کی باڑھ پر منہ مارنے سے روک رہا تھا۔

’’آپ میرا بیڑا غرق کردیں گے۔‘‘

’’آپ نے فریدی صاحب سے شکایت کیوں کی؟‘‘

’’شکایت.... نہیں تو.... وہ میں نے کہا تھا کہ ایسی جگہوں پر لانے سے بکرے کے اخلاق
پر بُرا اثر پڑسکتا ہے۔‘‘

بکواس ہے.... میرا بکرا نہایت سلیم الطبع اور برخوردار قسم کا ہے۔ وہ بُروں سے اچھائیاں
سیکھتا ہے۔ ایسا بکرا شیخ سعدی کو بھی نہ نصیب ہوا ہوگا۔ اچھا کوئی عمدہ سا شعر سنائیے۔‘‘

’’دیکھئے.... میں بہت پریشان ہوں۔ آپ بکرے کو اندر نہیں لے جاسکتے۔ پچھلی بار سے
کئی معزز آدمیوں نے یہاں آنا چھوڑ دیا ہے۔‘‘

’’پھر کتے کیوں آتے ہیں۔ اگر کتے آئیں گے تو بکرا بھی جائے گا۔‘‘

’’بکرے کو دیکھ کر کتے بھونکنے لگتے ہیں۔‘‘ منیجر نے کہا۔ ’’میرے حال پر رحم کیجئے اور
آپ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ آپ بھی کافی معزز آدمی ہیں۔‘‘

’’جی نہیں میں چمار ہوں.... بکرا مجھ سے جدا نہیں ہوسکتا۔‘‘

’’آپ نہیں لے جاسکتے۔‘‘ منیجر بے بسی سے چیخا۔

’’اچھی بات ہے۔ اب دیکھوں گا تمہاری شراب کی ناجائز تجارت۔‘‘

’’مسٹر حمید....!‘‘ منیجر کا لہجہ نرم ہوگیا۔

’’تو پھر میں اس بکرے کو کہاں چھوڑوں۔‘‘

’’میں انتظام کردوں گا۔‘‘

’’نہیں آپ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کا وعدہ کریں تو.... میرا مطلب ہے کہ
اپنے آفس میں۔‘‘

’’مجھے منظور ہے۔‘‘ منیجر نے اطمینان کا سانس لیا۔

منیجر نے اپنے دفتر کا کمرہ کھولا اور حمید نے بکرے کو دھکیل کر اندر کر دیا۔

"اُسے تنہائی نہ محسوس ہونے پائے.... سمجھے.... ہاں...." حمید نے کہا اور ہال میں چلا گیا۔ منیجر برآمدے ہی میں کھڑا طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔ وہ فطرتاً کچھ اس قسم کے بوڑھوں میں سے تھا جنہیں بچے بھی چٹکیوں میں اڑا دیتے ہیں۔ حمید اُسے خاص طور سے چھیڑتا رہتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ منیجر اس کے خلاف کوئی قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ حمید اس کی تجارت کے بعض ناجائز پہلوؤں سے اچھی طرح واقف تھا۔ دفعتاً اسے پھر ہال کے ایک قریبی دروازے میں حمید کی شکل دکھائی دی جو اُسے گھور رہا تھا۔

"ہائیں.... آپ نے اُسے تنہا چھوڑ دیا ہے۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا اور منیجر جلدی سے اپنے دفتر چلا گیا۔ یہاں بکرا بڑی سعادت مندی سے جگالی کرتا ہوا اس کی میز کا جائزہ لے رہا تھا۔ منیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اسے نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر اس طرح ممیایا جیسے دیر سے غیر حاضری کی وجہ پوچھ رہا ہو۔

"ارے تجھے خدا غارت کرے.... ہٹ میز کے پاس سے۔" منیجر اسے میز کے قریب سے دھکیلتا ہوا بڑبڑایا۔ لیکن بکرا سرجنٹ حمید کا تھا۔ اس نے اس کی پرواہ کئے بغیر اپنی جگالی جاری رکھی۔

دفعتاً اس کی نظر اس الماری پر پڑی جس میں ایک بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اس نے گردن اکڑائی۔ دو قدم پیچھے ہٹا پھر پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر آئینے پر ٹکر مارنے ہی جا رہا تھا کہ منیجر چیختا ہوا درمیان میں آ گیا۔ اس طرح وہ ٹکر تو نہ مار سکا لیکن اس کی اگلی ٹانگوں کے ساتھ ہی ساتھ منیجر بھی زمین پر آ رہا۔ بکرا دوسری ٹکر کی تیاری کرنے لگا تھا۔ منیجر بے اختیار اٹھ کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس دھینگا مشتی میں ایک کرسی الٹ گئی۔ بکرے کو بھی شاید تاؤ آ گیا تھا۔ وہ بار بار آئینے ہی کا رخ کرتا تھا۔ منیجر بُری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے منہ سے گھٹی گھٹی آوازیں اور گالیاں نکل رہی تھیں۔ ایک بار بکرے نے.... میز سے سینگیں اڑائیں اور زور کرنے لگا۔ منیجر نے لاکھ چاہا کہ اسے ہٹا دے مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار میز بھی الٹ

گئی۔ منیجر حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔ بدحواسی میں وہ میز کی طرف جھک پڑا تھا۔ اتنے میں بکرے کو موقع مل گیا اور اس نے آئینے پر ایک ٹکر ہی رسید کر دی۔ کئی ٹکڑے کھنکھناتے ہوئے فرش پر آ گرے۔

"ابے او...... حرامی کے پلے۔" منیجر اپنا سر پیٹ کر چیخا۔

نوکر کمرے میں گھس آئے۔ بکرا نہ جانے کیا سمجھا۔ اس نے چیختے ہوئے منیجر کے سینے پر ایک ٹکر رسید کی اور پھر نوکروں کی طرف پلٹ پڑا۔ نوکر معاملے کی نوعیت بھی نہیں سمجھ پائے تھے کہ ان میں سے ایک کو بڑی زوردار ٹکر نصیب ہوئی۔ وہ پیچھے گرا اور بکرے نے اس کے اوپر سے جست لگائی۔ دوسرے لمحے میں وہ برآمدے میں تھا۔ شامت اعمال، کمپاؤنڈ میں کسی صاحب کے دو کتے خوش فعلیوں میں مشغول تھے۔ انہوں نے بکرے کو دیکھا تو بھونکتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔ بکرا ہال میں گھس گیا۔ شام کا وقت تھا اس لئے ہال قریب قریب بھرا ہوا تھا۔ سرجنٹ حمید اور اُس کے ایک شناسا میں شطرنج ٹھن گئی تھی۔ جیسے ہی بکرا ہال میں گھسا کئی طرح کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اُس کے تعاقب میں کتے بھی گھس آئے تھے۔ حمید بدقت تمام اپنی ہنسی روک سکا۔ لیکن وہ بکرے کو پکڑنے کے لئے اٹھا نہیں۔

قریب ہی کی میز پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"عجیب....!" اس کا ساتھی بولا۔ "ایک بکرا گھس آیا ہے۔"

"بکرا....!" آدمی حیرت سے بولا۔ "بکرے کا یہاں کیا کام....!"

اور دفعتاً حمید بکرے کو بالکل ہی بھول گیا۔ وہ بڑی توجہ سے اس آدمی کو دیکھنے لگا تھا جس نے اپنے ساتھی سے غل غپاڑے کی وجہ دریافت کی تھی۔ یہ ایک طویل القامت اور قوی الجثہ آدمی تھا۔ آنکھوں پر گہرے نیلے رنگ کے شیشوں کی عینک تھی اور وہ ایک نہایت نفیس سوٹ میں ملبوس تھا۔

"کیا....؟" حمید کے ذہن میں ایک سوال گونجا۔ "اُس نے بکرے کو نہیں دیکھا۔"

بکرا ٹھیک اس کی میز کے قریب سے گذرا تھا۔ حمید کے ذہن میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔

کیا وہ اندھا تھا.... اندھا....؟ لیکن بادی النظر میں وہ اندھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حمید ذہنی ہیجان
میں مبتلا ہو گیا.... کیا.... ڈیگال کا بیان صحیح تھا۔ حمید نے فوراً ہی ایک دوسری بات بھی محسوس کی۔
وہ آدمی اپنے ساتھی کے ساتھ شطرنج بھی کھیل رہا تھا.... وہ شطرنج تو کھیل رہا تھا۔ لیکن بکرا اُسے
نہیں دکھائی دیا تھا۔ عجیب بات.... پھر حمید کی متجسس نگاہوں میں ایک بات اور بھی آئی.... ہال
کے سارے لوگوں کی نظریں بکرے پر تھیں لیکن وہ نیلی عینک والا بدستور بساط پر جھکا ہوا تھا۔
اس نے ایک بار بھی بکرے کی طرف رخ نہیں کیا۔ حالانکہ اس کا ساتھی کھڑا ہو کر بکرے کی دم
چوکڑی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

تو وہ اندھا تھا.... سو فیصدی اندھا.... ورنہ اسے بھی فطرتاً بکرے میں دلچسپی لینی چاہئے
تھی۔ انہونی باتیں ہر ایک کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتی ہیں.... اور وہ بھی ایک انہونی تو
تھی۔ نائٹ کلب میں بکرا۔

حمید نے منیجر کی طرف دھیان نہ دیا جو اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کیا ہے بھئی.... چلو چھوڑو.... بازی ختم کرو۔" نیلی عینک والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"بکرا کسی طرح قابو میں نہیں آتا۔" اس کا ساتھی بولا۔

"جہنم میں گیا بکرا.... بازی ختم کرو۔"

"کیا ہے بھئی!" دفعتاً حمید منیجر کی طرف پلٹا۔

"میں برباد ہو گیا.... لیکن خدا کی قسم تمہیں نقصان بھرنا پڑے گا۔" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

"تم اُس سے غافل ہو گئے ہو گے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ منیجر کو باہر برآمدے میں
کھینچ لے گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہال میں اس سے کسی قسم کی تکرار ہو۔

"تم بیکار جھک مار رہے ہو۔" حمید نے کہا۔ "کیوں آمادہ ہو گئے تھے اُسے سنبھالنے پر۔
اگر انکار کرتے تو میں واپس چلا گیا ہوتا۔"

"اب الٹی دھونس جماؤ گے۔" منیجر بھنا کر بولا۔

"بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنے نوکروں سے کہو کہ اسے میری کار میں ٹھونس دیں۔"

"اور یہ نقصان کون بھرے گا۔" منیجر آفس کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

"تم ضرور اس سے بداخلاقی سے پیش آئے ہو گے۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

اتنے میں نوکر بکرے کو برآمدے میں گھسیٹ لائے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں معاملہ طوالت نہ اختیار کر جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ممکن ہے کہ وہ
اندھے کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اس طرح اس سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔
ورنہ وہ زندگی بھر اُس کے متعلق یہ اندازہ نہ لگا پاتا کہ وہ اندھا ہے۔

دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ اس کی چیک بک جیب ہی میں موجود ہے۔

"سنو پیارے۔" حمید منیجر کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "تمہارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔
تم فی الحال اس سعادت اطوار بکرے کو کسی نوکر کے کوارٹر میں بندھوا دو۔"

"ہرگز نہیں.... کبھی نہیں۔" منیجر پیر پٹخ کر بولا۔

حمید نے جیب سے چیک بک نکالی اور سادے چیک پر دستخط کر کے منیجر کی طرف بڑھاتا
ہوا بولا۔ "اپنے نقصان کا تخمینہ لگا کر رقم لکھ لینا.... چلو شاباش.... ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

منیجر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اس نے چیک لے کر اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

"میزالٹ دی" وہ بڑبڑایا۔ "آئینہ چور چور کر دیا اور وہ میرا جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔"

"یار ختم بھی کرو قصہ.... میری شطرنج کی بازی برباد ہو رہی ہے۔"

منیجر نے ایک نوکر سے بکرے کو لے جانے کو کہا۔

حمید پھر ہال میں لوٹ آیا۔ حمید کا ساتھی بساط بچھائے بیٹھا اُس کا انتظار کر رہا تھا اور
دوسری میز پر نیلی عینک والا بھی اپنے ساتھی کے ساتھ بازی میں مشغول تھا۔ حمید پھر جم گیا۔
لیکن اس بار اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے کئی بے سروپا چالیں چلیں اور اس کے مہرے
دھڑا دھڑ پٹتے گئے۔ اس کا ذہن اُس اندھے میں الجھا ہوا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کا
شبہ سرے سے غلط ہی نہ ہو۔ ضروری نہیں کہ یہ وہی اندھا ہو جس کی تلاش فریدی کو تھی۔ یہ
خیال آتے ہی اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اگر ایسا ہی ہوا تو اسے وہ چیک قیامت تک یاد رہے گا۔

جو اُس نے جھگڑا ختم کرنے کے لئے منیجر کو دیا تھا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر اندھے کھلاڑ
جم گئیں۔ وہ بڑی دانش مندی سے چالیں چل رہا تھا۔ کیا یہ ایک اندھے کے لئے حیرت
بات نہیں تھی۔ اس نے آج تک کسی اندھے کو شطرنج کھیلتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ اندھا
ڈرائیو کرسکتا ہو وہ بھی لندن جیسے مشغول شہر میں اُس کے لئے شطرنج کیا وقعت رکھتا ہے۔

اندھے کا ساتھی اسے اپنی چال کے متعلق بتاتا جاتا تھا۔ لیکن خود اندھا ابھی تک ایک با
چال چلتے وقت نہیں ہچکچایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری بساط اس کے ذہن میں محفوظ ہو۔

حمید یوں ہی اندھا دھند چالیں چل رہا تھا۔ آخر کار اُسے جلدی مات ہوگئی اور وہ کر
پشت سے ٹیک لگا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''دوسری بازی....!'' اس کے ساتھی نے پوچھا۔

''ٹھہرو.... میں ایک منٹ میں آیا'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ وہاں سے وہ سیدھا منیجر
آفس میں آیا....اور یہاں کی ابتری پر دھیان دیئے بغیر فریدی کو فون کرنے لگا۔

دھوکا

حمید پھر ہال میں واپس آ گیا۔ اندھے کی بازی ختم ہوگئی تھی اور اب وہ کرسی کی
سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کا ساتھی شاید کہیں چلا گیا تھا۔

حمید کے ساتھی نے دوبارہ مہرے جمانے شروع کئے۔

''اب بس....!'' حمید نے کہا۔ ''کچھ پیئو گے۔''

''نہیں سورج غروب ہونے سے پہلے میں کچھ نہیں پیتا۔'' اُس کے ساتھی نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ ہال میں کافی رونق تھی....اور کئی عورتیں حمید کو گھور رہی تھی۔ شا
میں سے ایک آدھ ایسی بھی رہی ہوگی جنہوں نے اسے پچھلے موقع پر بکرے کے ساتھ دیکھا

حمید نے دیدہ و دانستہ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ پھر برآمدے میں اُسے ایک بڑی
خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ وہ ہال میں داخل ہوئی چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر تیر کی طرح
اُس کی میز کی طرف آئی جس پر اندھا بیٹھا ہوا تھا۔

اندھے کی پیشانی پر شکنیں پڑگئیں اور پھر وہ مسکرانے لگا۔ لڑکی میز پر ہاتھ ٹیک کر جھکی اور
آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگی۔ اُس کے اوپری ہونٹ کی جنبش بڑی ترغیب انگیز تھی۔

نہ جانے کیوں اُسے دیکھ کر حمید کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں گدگدی کی سی کیفیت کا احساس
ہونے لگا۔ اندھے کے ہونٹ سکڑے ہوئے تھے اور شاید وہ غیر معمولی توجہ سے لڑکی کی بات سن
رہا تھا۔ اچانک وہ اٹھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ہال سے نکل گیا۔ اس کے اس رویئے پر حمید
ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ کوئی اندھا کسی سہارے کے بغیر اس طرح نہیں چل سکتا۔ لیکن
جلد ہی اسے کار ڈرائیو کرنے والی روایت یاد آ گئی۔ لڑکی بھی اس آدمی کے پیچھے چلی جا رہی
تھی۔ وہ کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک کار میں بیٹھ گئے۔ اندھا پچھلی سیٹ پر تھا اور لڑکی نے انجن
اسٹارٹ کردیا تھا۔

''دوست مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا ہے۔'' حمید اٹھتا ہوا اپنے ساتھی سے بولا۔

وہ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا۔ ''لونڈیا کے پیچھے؟''

''ارے نہیں....لاحول....ولا....!''

اندھے کی کار پھاٹک کے باہر پہنچ چکی تھی۔ حمید نے اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کیا۔ وہ سوچ
رہا تھا کہ فریدی وہاں ضرور آئے گا۔ لیکن وہ انہیں چھوڑ کس طرح سکتا تھا۔ اس کی کار باہر
نکلی....اندھے کی کار کافی فاصلے پر تھی....تعاقب شروع ہوگیا۔

اگلی کار چونکہ بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی اس لئے حمید کو زیادہ احتیاط کی ضرورت
نہ تھی۔ دونوں کا فاصلہ بہت کم تھا۔ اچانک اگلی کار ایک جگہ سڑک سے اُتر کر ایک گلی میں مڑ گئی۔
میدکو اس کی توقع نہیں تھی۔ حمید نے اپنی کار بھی سڑک سے اتاری۔ اگلی کار نظروں سے اوجھل
ہو چکی تھی اور حمید گلی میں مڑنے ہی جا رہا تھا کہ ایک ٹھیلا جو داہنی طرف سے آ رہا تھا گلی کے

دہانے پر رک گیا۔ حمید نے ہارن دیا جتنی دیر میں ٹھیلا ہٹا اگلی کار وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک
پر مڑ گئی تھی۔

راستہ ملتے ہی حمید تیز رفتاری کے ساتھ گلی سے گزر گیا۔ اگلی کار ٹریفک کی زیادتی کی وج
سے زیادہ دور نہیں جا سکی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور اب دھندلکے کی ملگجی چادر کائنات پر محیط ہوتی جا رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس بھاگ دوڑ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اگلی کار اس طر
مختلف سڑکوں کے چکر لگا رہی تھی جیسے ڈرائیو کرنے والی کا مقصد محض تفریح ہو۔

اور پھر جب کار آرلکچو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگی تو حمید نے اطمینان کا سانس لیا
اس کے بعد ہی حمید بھی اپنی کار کمپاؤنڈ میں لے گیا۔

لیکن.... تحیر اور استعجاب کا وہ لمحہ.... شائد وہ حمید کو زندگی بھر یاد رہے۔ اس کار سے
لڑکی اتری اور نہ اندھا.... ڈرائیور کی سیٹ سے ایک ملٹری آفیسر اُتر رہا تھا۔ وہ اپنی پوری ور
میں تھا۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سو فیصدی وہی کار تھی۔ اگر حمید
اس کے نمبر یاد نہ ہوتے تو وہ سمجھتا کہ دھوکا کھا گیا ہوگا۔ نمبر اس کے ذہن میں محفوظ تھے۔ پھ
ہوا؟ وہ اندھا اور لڑکی کیا ہوئے؟

اس نے فوجی آفیسر کو آرلکچو کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ تیزی سے اس کار کے قریب آیا۔ دونوں سیٹیں خالی تھیں۔ چند لمحوں کیلئے وہ بالکل
خالی الذہن ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دفعتاً وہ چونکا اور پھر جھپٹ
ڈائننگ ہال میں داخل ہو گیا۔

وہ کئی منٹ تک سرگرداں رہا لیکن وہ فوجی افسر نہ دکھائی دیا۔ پھر اس نے ویٹروں
پوچھ گچھ شروع کی۔ نتیجہ مایوس کن برآمد ہوا۔ ایک ویٹر نے اُسے بتایا کہ ایک فوجی ابھی
ضرور تھا لیکن پھر وہ عقبی دروازے سے باہر چلا گیا۔ حمید نے اس منحوس عقبی دروازے کے

اور دل ہی دل میں گالیاں بکتا ہوا واپس آیا اور پھر جیسے ہی وہ باہر نکلا اس کے پیروں تلے
زمین نکل کر کسی طرف کھسک گئی۔ کیونکہ اب وہ کار بھی غائب تھی اور جب وہ اپنی کار کی
ف متوجہ ہوا تو سر پر سے آسمان بھی نکل گیا۔ کار کے ایک اگلے پہیے کا ٹائر کسی نے چاقو سے
دیا تھا۔ حمید پھر واپس جا رہا تھا۔

فوجی عقبی دروازے سے نکلا اور چکر لگا کر پھر کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر آ کھڑا ہوا۔ جیسے ہی
ڈائننگ ہال میں داخل ہوا فوجی نے مہندی کی باڑھ کی اوٹ لے کر اس کی کار کی طرف
نا شروع کیا جہاں حمید نے اپنی کار کھڑی کی تھی۔ اُدھر زیادہ روشنی نہیں تھی اور کار کا ایک پہیہ
ی کی باڑھ سے لگا ہوا تھا۔ فوجی نے جیب سے بڑا سا چاقو نکالا اور ٹائر کو ریتنے لگا۔ نتیجہ
مد ہونے میں دیر نہیں لگی۔ پھر اس نے اپنا کوٹ اتارا اور اسے بغل میں دبا کر سیدھا اپنی کار
طرف آیا۔ چند لمحوں کے بعد کار کمپاؤنڈ کے باہر تھی۔

تھوڑی دور چل کر اس نے کار ایک سنسان گلی میں موڑ کر روک دی۔ پھر اُس نے سیٹ
نیچے سے ایک نمبر پلیٹ نکالی اور اسے پہلی والی نمبر پلیٹ پر فٹ کر دیا۔

کار دوبارہ چل پڑی۔

وہ ابھی مختلف سڑکوں سے گذر رہی تھی کہ پولیس کی پٹرول کاریں جن میں ریڈیو ٹرانسمیٹر
تھے چاروں طرف دوڑنے لگیں۔ شائد سرجنٹ حمید نے آرلکچو سے گمشدہ کار کے متعلق
ل ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا تھا۔ نمبر تو اُسے یاد ہی تھے۔ لیکن کار کا ڈرائیور بڑی لاپروائی سے
ڈرائیو کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے آسکر اسٹریٹ کی ایک شاندار عمارت کے سامنے کار روک دی۔
رت کے اندر پہنچ کر وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک میز کے علاوہ اور کچھ نہیں
اور میز پر صرف ایک فون رکھا ہوا تھا۔ اُس نے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

"لوزاٹا... لوزآٹا....!" وہ ایک لحظہ کے لئے رکا۔ پھر بولا۔ "تیرا غلام گازالی بول رہا ہے.... سب ٹھیک ہوگیا.... میں اُسے چکر دیتا ہوا آرلکچو میں لے گیا۔"

پھر اس نے اپنے فرار کی داستان دہرادی۔

"گازالی.... لوزاٹا تجھ سے خوش ہوا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا مانگتا ہے"

"عظیم لوزاٹا.... تیرے غلام کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ گازالی اس لڑکی کو چاہتا ہے جس کا باپ تیرے مقدس ہاتھوں سے دوسری دنیا میں پہنچ گیا۔"

"گازالی....!" دوسری طرف سے تنبیہہ آمیز لہجے میں کہا گیا۔

"عظیم لوزاٹا....!" گازالی کانپ گیا۔

"تو لوزاٹا کے غلاموں کے مسلک سے واقف ہے۔"

"عظیم لوزاٹا.... میں رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔"

"آئندہ جنسی پیوند کی بات نہ آئے۔"

"ایسا ہی ہوگا.... لوزاٹا....!"

گازالی نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

❖

سرجنٹ حمید آرلکچو میں فریدی کا انتظار کررہا تھا۔ پہلے اس نے ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ فریدی کچھ دیر تک وہاں اس کا انتظار کرتا رہا تھا پھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ حمید نے منیجر کے بتائے ہوئے پتہ پر فون کیا۔ فریدی وہاں موجود تھا۔ اس نے اسے آرلکچو ہی میں انتظار کرنے کو کہا۔

حمید اس وقت کی شکست پر بُری طرح جھنجھلایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ آخر یہ سب ہوا کیسے! وہ دونوں کہاں اور کیسے غائب ہوگئے تھے.... کیا اسی گلی میں چند لمحوں کے لئے کار اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

حمید کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ شاید بیس منٹ بعد فریدی آرلکچو کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

"سب چوپٹ ہوگیا۔" حمید نے کہا

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے منع کرنے کے باوجود بھی آج تم نے وہی حرکت کیوں کی۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"اوہ.... تو اس چمگادڑ کے بچے نے پھر شکایت کردی۔ اُس نے آپ کو وہ سادہ چیک نہیں دکھایا۔ وہ اچھا خاصا سؤر ہے.... اس نے برخوردار بغرا خاں کو چھیڑا ہی کیوں تھا۔"

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم نے مجھے وہاں کیوں بلایا تھا۔"

"برخوردار بغرا خاں کے ایک کارنامے کی داد خواہی کے لئے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن افسوس کہ میں اس عظیم بکرے کو وہاں سے اپنے ساتھ نہ لا سکا تھا ورنہ یہ دن نہ دیکھتا۔"

حمید نے سارے واقعات دہرادیئے۔ اس نے اُسے بتایا کہ کس طرح وہ محض اسی بکرے کی وجہ سے اس پراسرار اندھے کو پہچان سکا اور کس طرح بکرے کی عدم موجودگی میں اُس سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ فریدی غور سے سنتا رہا۔ درمیان میں دو ایک بار اس نے بولنا چاہا لیکن پھر خاموش ہوگیا۔

جب حمید سب کچھ کہہ چکا تو فریدی بولا۔ "یہ بہت بُرا ہوا۔ یقیناً وہ لوزاٹا ہی تھا۔ آج میں نے اس کی گذشتہ زندگی کے متعلق اور بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ وہ حقیقتاً افریقہ کے ڈاے گاگا قبیلے کا ایک مذہبی پیشوا بھی ہے۔ تمہیں کافی احتیاط برتنی چاہئے تھی۔"

"تو بتایئے نا.... مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"یہی کہ تم نے یہاں ٹھہر کر بیکار وقت ضائع کیا۔ جیسے ہی تم نے اس فوجی کو یہاں دیکھا تھا تمہیں پھر اسی گلی میں واپس جانا چاہئے تھا۔ جہاں ایک ٹھیلے نے تمہاری راہ روک لی تھی۔ یا اُس سے بھی زیادہ آسان طریقہ یہ تھا کہ تم یہاں باہر ہی ٹھہر کر اس فوجی کا انتظار کرتے۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اُس طرح نکل جائے گا۔"

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ آخر ان دونوں کے بجائے کار میں اُس فوجی کی موجودگی کا

کیا مطلب تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہوشیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں دھوکا دیا تھا۔ ان کی فوجی نے اس لئے نہیں لی تھی کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر آئس کریم کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔"

"چلئے میں گدھا....!" حمید جھلا کر بولا۔ "اب آپ ہی تیر ماریئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

"تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ "مجھے کار کا نمبر یاد تھا۔" میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر کو اس سے مطلع کر دیا۔"

"اور تم سمجھتے ہو کہ وہ کار پکڑ لی گئی ہو گی۔"

"نہ بھی پکڑی گئی ہو گی تو کیا میں کنوارا مر جاؤں گا.... یہ سالے دنیا بھر کے اندھے لولے لنگڑے اسی شہر میں آمرتے ہیں۔"

"میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اس کیس میں دلچسپی لو۔" فریدی تلخ لہجے میں بولا

"بہتر ہے! میں نے ابھی تک آپ کیلئے جتنی معلومات فراہم کی ہیں انہیں واپس لیتا ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں فوزیہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" فوزیہ نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر کہا۔

دروازہ کھلا اور ڈیگال اندر داخل ہوا۔

"کیا بات....؟" فوزیہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"لیوکاس بہت شرمندہ ہے بے بی۔ اُس سے حماقت ہوئی۔ اُسے وہ طریقہ نہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔ یقین مانو.... اس کی قسمت بخیر تھی۔ اُس نے محض اس لئے تمہیں بیہوش کیا تھا کہ کہیں پولیس تم سے اصل بات نہ معلوم کرلے۔ مسٹر عدنان زندہ نہیں ہیں لیکن ان کا نام بڑا تھا

اور ہمیشہ رہے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان کے نام پر دھبہ لگے۔ اگر نور جہاں والی بات ظاہر ہو جائے تو.... تم خود سوچو۔"

"لیکن تم نے ڈیڈی کی موت کے متعلق مجھ سے کیوں چھپایا۔"

"میں کس طرح بتاتا بے بی۔ میں نے سوچا تھا کہ آہستہ آہستہ تمہیں بتاؤں گا۔"

"خیر....!" فوزیہ کچھ سوچنے لگی۔

"اور.... یہ دیکھو....!" ڈیگال نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر فوزیہ کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا ہے؟"

"اسے پڑھو....!"

فوزیہ نے لفافے سے کاغذ نکال لیا۔ جس پر تحریر تھا....

"اندھیرے کا مالک تمہیں حکم دیتا ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ تم سب تاریکی کی مملکت میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔ جہاں عدنان اس وقت اندھیرے میں سر ٹکراتا پھر رہا ہے.... اگر تم نے پولیس کو میرے متعلق بتایا تو تمہارا خون تمہاری ہی گردن پر ہو گا۔ میں بے وجہ کشت و خون پسند نہیں کرتا۔ لیکن اپنی راہ میں آئے ہوئے روڑوں کو ہٹانا ہی پڑتا ہے۔"

فوزیہ نے کاغذ کو موڑ توڑ کر پیروں تلے مسل ڈالا۔

"بے بی.... ہمیں جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہئے۔"

"ہرگز نہیں۔" فوزیہ نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔" ڈیگال نے کہا۔ "محض تمہاری وجہ سے۔"

"میری پرواہ مت کرو۔" فوزیہ بولی۔ "میں اُس اندھے کا خون اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"یہ بہت مشکل ہے بے بی۔ بہت مشکل۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوزاٹا کے ساتھ گازالی بھی ہے اور تم اسے اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ کتنے عرصہ تک تمہیں تنگ کرتا رہا تھا۔"

''کچھ بھی ہو..... میں ڈیڈی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گی۔''

''بچپنا مت کرو بے بی۔ وہ بہت خوفناک آدمی ہے۔''

''ڈیگال.....اگر تم لوگ اس سے ڈرتے ہو تو مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر واپس جا سکتے ہ
میری رگوں میں ایک جنگجو قوم کا خون ہے۔''

''میں پھر کہوں گا کہ تم غلط سمجھی ہو۔ اگر میں ڈرتا ہوتا تو مسٹر عدنان کے ساتھ اس مہم پ
آتا۔ مجھ پر تمہاری حفاظت فرض ہے۔''

''اچھا جاؤ..... بیکار مجھے پریشان نہ کرو۔ میرا جو دل چاہے گا کروں گی۔۔۔ بارہ
تکلیف نہ دینا۔ میں تنہائی چاہتی ہوں۔''

ڈیگال چپ چاپ چلا گیا۔

فوزیہ ٹہلتی رہی۔ اس طرح پندرہ منٹ گذر گئے۔ پھر اُس نے انگڑائی لی اور شاید درو
مقفل کرنے کی نیت سے آگے بڑھی ہی تھی کہ کسی نے باہر سے دروازے کا ہینڈل گھما
دروازہ کھلا اور ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا۔ فوزیہ
کر پیچھے ہٹ گئی۔ آنے والے نے دروازہ بند کر کے پیشانی سے ہیٹ کا گوشہ اٹھایا اور کو
کے کالر گرا دیئے۔ فوزیہ کے سامنے گازالی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ایک شکار

پھر گازالی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ فوزیہ اُسے گھور رہی تھی اور گازالی اُ
طرح دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بلی کسی چوہے کو قابو میں کر لینے کے بعد دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھ
سے جنسی درندگی جھانک رہی تھی۔

''تم بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں داخل ہوئے۔'' فوزیہ غرائی۔

گازالی کچھ نہ بولا اور نہ اس کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر ہی دکھائی دیا۔ وہ پلک جھپکائے
فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

فوزیہ فون کی طرف بڑھی۔ وہ جھپٹ کر اس کے سامنے آ گیا لیکن اب بھی اُس کی پلکیں
ں جھپکیں۔ وہ برابر فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ فوزیہ کے ہاتھ اُسے دھکیلنے کے لئے
ے لیکن آگے نہ بڑھ سکے۔ پتہ نہیں وہ مسحور ہو گئی تھی یا پھر اُسے یہ خدشہ تھا کہ اگر اُس کی پلکیں
پیں یا نظر ذرا سی بھی چوک گئی تو وہ اُس پر حملہ کر بیٹھے گا۔ بالکل سانپ اور نیولے کی سی جنگ
نقشہ تھا۔ فوزیہ چیخ سکتی تھی لیکن اس کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکلی۔

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ گازالی چونک پڑا اور پھر وہ دو ہی جستوں میں
ازے کے قریب تھا۔ اُس نے پھر ریوالور نکال کر اس کا رخ فوزیہ کی طرف کر دیا جو کمرے
ے دوسرے سرے پر میز کے قریب کھڑی تھی۔

فریدی آرلیچو سے اٹھنے کے بعد ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اُسے ڈیگال
راس کے ساتھیوں سے لوزاتا کے متعلق کچھ اور بھی پوچھنا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حمید نے ایک
ترین موقع کھو دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اندھے تک پہنچنا آسان نہ رہا ہو گا تب ہی اس نے عدنان
لے کرائے پر مہیا کئے ہوئے آدمیوں میں سے تین کو زندہ نکل جانے دیا تھا ورنہ وہ انہیں بھی ختم
ر دیتا۔ اس لاپرواہی کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ تو اُسے معلوم ہی
چکا تھا کہ لوزاتا تنہا نہیں ہے جیسے ہی فریدی ہوٹل ڈی فرانس میں داخل ہوا اُس کا متعین کیا
ا ایک آدمی اس کی طرف تیزی سے آیا۔

''لڑکی کے کمرے میں ابھی ایک اجنبی داخل ہوا ہے۔'' اس نے کہا۔

فریدی سر ہلاتا ہوا اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔ راہداری سنسان تھی۔ وہ فوزیہ کے

کمرے کے سامنے پہنچ کر رکا۔

پھر اُس نے آہستہ آہستہ دستک دی۔ شاید ایک منٹ بعد اندر سے فوزیہ کی آواز آ

"آ جاؤ....!"

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ فوزیہ غسل خانے کے دروازے سے لگی کھڑی تھ
اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی پیٹھ میں کوئی چیز چبھ رہی ہو۔ غسل
کے دروازے سے خفیف سا درہ تھا۔

"کیا بات ہے؟" فوزیہ نے پوچھا۔ فریدی کو اُسکے لہجے میں کچھ بناوٹ سی محسوس ہو

"میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ موجود ہیں یا نہیں۔" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے

"مم.... میں.... مم.... موجود ہوں۔"

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا آپ م
ساتھ ڈائننگ ہال تک چلیں گی۔"

فوزیہ گھبرا گئی اور یہ اچانک قسم کی گھبراہٹ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھ

"جج.... جی نہیں.... آپ جا سکتے ہیں۔ میں اس وقت کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔"

"اچھا پھر سہی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "شب بخیر۔"

اس نے تیزی سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ داہنی طرف کیل سے کمرے کی دو
لٹک رہی تھیں۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر کنجیاں اتاریں اور دروازے کو باہر سے مقفل کر
پھر تیزی سے برابر والے کمرے میں بڑھا جو غالباً لیوکاس کا تھا۔ اس نے دستک دیئے
دروازے کا ہینڈل گھمایا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔ لیوکاس اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

لیوکاس اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے بڑھ کر غسل خانے کے دروا
کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

"کیا بات ہے۔" لیوکاس نے فریدی کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

"لڑکی کے کمرے میں کوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ڈیگال ہو گا۔"

"نہیں.... کوئی اور.... تم میں سے کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھیوں کو بلاؤ۔ جلدی کرو۔"

بات اب بھی لیوکاس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔

"جلدی کرو۔" فریدی اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

لیوکاس چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں کے آنے میں دیر نہیں لگی۔

"اوہ.... آفیسر.... کیا بات ہے۔" ڈیگال آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"کمرے میں لڑکی کے ساتھ کوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم لوگ یہیں ٹھہرو.... غسل خانے کے دروازے کا خیال رکھنا اور تم میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی نے نیگرو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پھر راہداری میں آ گیا۔

اس نے فوزیہ کے دروازے کے قفل میں کنجی لگائی ہی تھی کہ اندر سے کسی نے غرا کر کہا۔

"گولی مار دوں گا.... لڑکی کو.... اگر کوئی اندر آیا۔"

"ارے...." سیاہ فام افریقی اچھل پڑا۔

فریدی نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"گازالی....!" نیگرو نے سرگوشی کی۔ "لوزاٹا کا داہنا ہاتھ.... نہیں گورنر۔ وہ خطرناک ہے۔ وہ مسی کو ضرور مار ڈالے گا۔"

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔

"شائیں....!" کوئی چیز اُس کے داہنے کان کے قریب سے گذر کر پچھلی دیوار سے ٹکرائی۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فوزیہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ لیکن پھر شائد اس کا منہ دبا دیا گیا۔

"ریوالور پھینک دو....!" فریدی نے باہر سے کہا۔ "ورنہ تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔"

فوزیہ کی پشت گازالی کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ ؛ میں ہاتھ سے اس نے اُس کی گردن دبوچ رکھی تھی اور داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس طرح فوزیہ اس کی ڈھال بن کر رہ گئی تھی۔

فائر کی آواز پر بہت سے لوگ راہداری پر اکٹھا ہو گئے تھے۔ فریدی انہیں دروازے کے سامنے آنے سے روک رہا تھا۔

اب گازالی نے ریوالور کی نال فوزیہ کی کمر سے لگادی اور اُسے دھکیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیختا بھی جا رہا تھا۔ ''اگر کسی نے مجھے چھوا بھی تو..... میں اس لڑکی کو جہنم میں پہنچا دوں گا۔''

وہ دروازے تک آ گیا تھا۔

فریدی نے بے بسی سے مجمع کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اسے اپنی اس وقت کی بے بسی تمام عمر یاد رہے۔ پستول کی نال فوزیہ کی کمر پر تھی۔ گازالی کی انگلی کی ایک خفیف جنبش پر اُس کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ مجمع متحیر تھا کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ لوگ ایک خونخوار آدمی کی گرفت میں ایک بے بس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن شاید وہ اُس لڑکی سے بھی زیادہ بے بس تھے کیونکہ گازالی کی غراہٹ برابر جاری تھی۔ وہ بڑی خوفناک آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''قریب آنا..... ورنہ لڑکی کو گولی مار دوں گا۔''

مجمع کائی کی طرح پھٹنے لگا۔ گازالی فوزیہ کو آگے کی طرف دھکیلتا ہوا راہداری میں آ گیا اور اب نیچے جانے کے لئے زینوں کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں ڈائننگ ہال کے سارے آدمی اوپر پہنچنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کر چکے تھے۔ عجیب مضحکہ خیز منظر تھا۔ فریدی ؟ دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا خود کو اسٹیج کا مسخرہ تصور کرنے لگا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس منہ سے نکل رہا تھا۔ ''ہٹو..... راستہ دو..... ہٹو..... راستہ دو۔''

کتنی عجیب سچویشن تھی۔ قانون کا ایک محافظ ایک مجرم کے لئے راستہ بنا رہا تھا۔ وہ تھا کہ اگر کسی سے گازالی کے معمولی سا دھکا بھی لگ گیا تو ریوالور کا ٹریگر کھنچ جائے گا۔ وہ نفسیاتی لمحہ تھا۔ بچاؤ کی صورت نہ دیکھ کر ایک بلی بھی کسی شیر کی طرح جھپٹتی ہے۔

گازالی نے زینے طے کئے۔ ہال کے وسط میں پہنچ کر وہ فوزیہ سمیت مجمع کی طرف مڑا۔

''پیچھے ہٹو.....!'' وہ زور سے چیخا۔ فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کی آنکھوں سے اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''اور پیچھے ہٹو.....!'' گازالی پھر چیخا۔ ''ہٹتے جاؤ۔''

مجمع پیچھے ہٹا..... اور دفعتاً فریدی نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دو آدمیوں کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا اور عقابی آنکھیں گازالی کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں۔

اچانک گازالی کا ریوالور والا ہاتھ بڑی پھرتی سے اوپر اٹھا۔ شاید وہ بجلی کے کسی بلب پر نشانہ لگا کر ہال میں اندھیرا کرنے جا رہا تھا لیکن اسے مہلت نہ ملی۔ مجمع نے فائر کی آواز سنی..... اور گازالی کا ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ گازالی فوزیہ کو دھکا دے کر اچھلا لیکن قبل اس کے کہ پیر زمین سے لگتے فریدی کے ریوالور سے دوسرا شعلہ نکلا اور گازالی کولہوں کے بل دھب سے فرش پر آ گرا۔ اس نے پھر اٹھنا چاہا لیکن فریدی نے جھپٹ کر اس کی ٹھوڑی پر ایک ٹھوکر رسید کر دی۔

فوزیہ کا حبشی باڈی گارڈ چیخ چیخ کر گانے لگا۔

''پلو مالا..... پلو مالا..... پے گوری..... ٹا گال۔'' (مار لیا..... مار لیا..... آخری نیزہ زہریلا تھا۔) پھر اس نے اچھل اچھل کر جنگلی ناچ بھی شروع کر دیا۔

فریدی زخمی گازالی کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کے قریب سے ہٹا رہا تھا۔ گازالی بیہوش نہیں ہوا تھا۔ نہ وہ چیخ رہا تھا اور نہ کراہ رہا تھا۔ اس کی خاموشی کسی ایسے سانپ کی بے بسی سے بہت مشابہ تھی جس کی کمر ٹوٹ گئی ہو اور وہ ایک ہی جگہ پر پڑا لہریں لے رہا ہو۔ اس کی چمکیلی آنکھیں فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''کھیل ختم ہو گیا۔'' فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اُس نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے ایک کرسی میں ڈال دیا۔

حبشی ابھی تک ناچ رہا تھا۔ ڈیگال وغیرہ بڑی مشکل سے اس پر قابو پا سکے۔

فریدی مجمع کی طرف مڑا۔

"خواتین و حضرات۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔ "آپ لوگ براہِ کرم اپنی جگہوں
تشریف رکھئے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک مجرم۔ جس کی پولیس کو تلاش تھی۔"

مجمع میں کئی ایک فریدی کے ملاقاتی بھی تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ
وقت فریدی کی قریب بھی آتے۔ فریدی گازالی کو اُنکے چارج میں دے کر فون کی طرف بڑھ
پرسٹن کا تھانہ قریب ہی تھا۔ فون کرنے کے ٹھیک سات منٹ بعد تھانے کا انچارج و
پہنچ گیا۔ گازالی کو اُس کے سپرد کر کے فریدی ڈیگال کے ساتھ پھر اوپری منزل پر چلا گیا۔ فو
کی حالت ابتر تھی۔ ابھی تک اس کے جسم کی تھرتھری نہیں مٹی تھی۔

"وہ کس لئے آیا تھا۔" فریدی نے فوزیہ سے پوچھا۔

فوزیہ کچھ نہ بولی۔ وہ بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"آفیسر....!" ڈیگال کنکھار کر بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ گازالی پہلے بھی بے
پریشان کرتا رہا ہے۔ لیکن مسٹر عدنان کی زندگی میں اُسے کبھی اتنی جرأت نہیں ہوئی۔"

"لوزاٹا اور عدنان کے تعلقات کس قسم کے تھے۔"

"کسی قسم کے بھی نہیں۔" ڈیگال جلدی سے بولا۔ "اس نے مسٹر عدنان کو دھوکہ د
اسی ہزار انگلش پونڈ اینٹھ لئے تھے۔"

"شاید چھ ماہ پیشتر کی بات ہے۔" لیوکاس نے ٹکڑا لگایا۔

فریدی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اُسے اُس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"ہُم....!" فریدی سگار کا کونا توڑتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے یہ تین سال پہلے کی بات۔

"کیوں؟" ڈیگال چونک پڑا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"لیکن میں سمجھ گیا ہوں۔"

"آخر بات کیا ہے؟" ڈیگال بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔

فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر سگار سلگانے کے لئے جھکا۔ کمرے کا سناٹا کچھ او
بوجھل ہوگیا۔ ان میں کم از کم ایک آدمی ایسا ضرور تھا جس کی چڑھتی ہوئی سانسیں کمر

ید و فضا میں گونج رہی تھیں۔

"میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"ہم نے سب کچھ بتا دیا ہے آفیسر....!" ڈیگال بھی اٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر اُن سب کی تحیر آمیز نظریں فریدی کا تعاقب کرتی رہیں.... وہ کمرے سے جا چکا
تا۔ ڈیگال چند لمحے بے چینی سے ٹہلتا رہا پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "تم لوگ آرام کرو۔"

لیوکاس کے علاوہ اور سب چلے گئے اور انکے جانے کے بعد ڈیگال لیوکاس کو گھورنے لگا۔

"تم نے....!" وہ دانت پیس کر بولا۔ "سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"میری وجہ سے کیوں؟" لیوکاس نتھنے پھلا کر بولا۔

"تم نے بے بی کو بیہوش کر کے اُسے ہماری طرف سے مشکوک کر دیا ہے۔"

"میں کیا کرتا.... کیا یہ تمہاری ہدایت نہیں تھی کہ....!"

"کچھ نہیں۔" ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "فضول بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔"

لیوکاس جھلاہٹ میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فوزیہ بول پڑی۔ "پچھلی باتوں میں الجھنے
ے کیا فائدہ۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ آدمی بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتا ہے۔"

"بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے۔ بے بی۔" ڈیگال نے کہا۔ "یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ
ایک ایسی آدمی سے ٹکرائے.... میرا خیال ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے ورنہ تین سال قبل کا
الہ نہ دیتا۔"

"لیکن اس وقت اس کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔" فوزیہ بولی۔

"ہوا کیا تھا....؟" ڈیگال نے پوچھا۔

"تمہارے جانے کے شاید دو منٹ بعد گازالی کمرے میں گھس آیا۔ لیکن ابھی تک نہیں
ہ سکی کہ وہ چاہتا کیا تھا.... اوہ مگر اُسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جلد ہی کسی نے دروازے
ستک دی۔ گازالی نے ریوالور نکال لیا۔ پھر وہ مجھے غسل خانے کے دروازے پر لایا۔ خود اندر
گیا اور مجھے دروازے کے قریب کھڑا کر دیا۔ ریوالور کی نال میری کمر سے لگی رہی۔ میں نے

آفیسر کو اندر آنے کی اجازت دی۔ گازالی نے یہی کہا تھا۔ مگر وہ آفیسر انتہائی چالاک ہے۔ کچھ سمجھ گیا۔ جب میں نے گازالی ہی کے کہنے پر اُسے کمرے سے چلے جانے کو کہا تو وہ چاپ نکل گیا اور پھر یہ سب کچھ ہو گیا۔ میرے خدا! کتنی خطرناک سچویشن تھی اور اُس نے آسانی سے گازالی کو سیدھا کر دیا۔ مجھے تو وہ لوزاٹا سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔"

ڈیگال کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اسے لکھ لو بے بی کہ لوزاٹا کو یہاں اس کی موت لائی ہے۔ فریدی حقیقتاً بڑا خطرناک آدمی ہے۔"

کتا جھپٹتا ہے

دوسری صبح حمید کے لئے زیادہ خوشگوار نہیں تھی۔ اُسے رہ رہ کر وہ چیک یاد آ رہا تھا نے ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کو دیا تھا اور منیجر نے بعد کو اسی کے سامنے بڑی بے درد اس پر ایک بڑی رقم لکھ لی تھی۔ اگر اسے اندھے کا تعاقب نہ کرنا ہوتا تو اس کی جیب پائی بھی نہ نکلتی۔

فریدی رات سے اب تک واپس نہیں آیا تھا اور حمید کو ہوٹل ڈی فرانس میں پیش والے حادثے کا بھی علم نہیں تھا۔

ناشتے کی میز پر اس نے صبح کا اخبار اٹھایا۔ پہلے ہی صفحے پر ہوٹل ڈی فرانس وا کی خبر تھی۔ حمید نے چائے کی پیالی رکھ دی۔

خبر کے اختتام پر نوٹ تھا۔ "بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ پولیس کی ذرا سی غفل پر انسپکٹر فریدی کی محنتوں پر پانی پھر گیا۔ مجرم سے بعض حیرت انگیز انکشافات کی تو بیان دینے سے قبل ہی اُس نے خودکشی کر لی۔ اس کی ڈھکن دار انگوٹھی میں کوئی بہت الاثر قسم کا زہر تھا۔ پرنسٹن کے تھانے کے انچارج کی آنکھوں کے سامنے مجرم اُسے چا

حمید نے اخبار رکھ کر ایک گہری سانس لی اور پھر چائے پینے لگا۔

اُس کی نظروں میں یہ سارا معاملہ قطعی بے سروپا تھا۔ آخر نور جہاں کون تھی۔ جس کے لئے یہ سب کچھ ہوا۔ اگر وہ عدنان کی کوئی تھی تو اُس نے براہِ راست سرکاری طور پر کوئی کاروائی کیوں نہیں کرائی۔ فریدی اس کے متعلق کچھ جانتا تھا۔ ابھی تک مشاہدات کی بناء پر یونہی ثابت ہوا تھا کہ فریدی اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔ اس کے منہ سے نور جہاں کا نام سن کر ڈیگال اور فوزیہ بُری طرح بدحواس ہو گئے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو جانے کے بعد حمید سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ تنہائی اُسے اکتاہٹ کی طرف لے جا رہی تھی۔ دل بہلانے کے لئے بکرا قطعی ناکارہ تھا۔ ایسے مواقع پر اُسے اپنی چوہیا[ٹ] بُری طرح یاد آنے لگتی تھی۔ وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اسے پھر ایک چوہیا پال کر اسے تربیت دینی چاہئے۔

بکرا اس نے محض اس لئے پالا تھا کہ اپنی بعض شناسا عورتوں کو چڑھا سکے جو کتے پالتی تھیں اور تھوڑا بہت فریدی کو بھی تنگ کرنا مقصود تھا۔

حمید لباس تبدیل کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک نوکر نے قاسم کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ ڈرائینگ روم میں ایک صوفے پر جوتوں سمیت پڑا حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

اس کا موڈ کچھ خراب معلوم ہو رہا تھا۔ حمید نے سوچا چلو غنیمت ہے تنہائی سے تو نجات ملی۔ قاسم بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔ "بیوی سے لڑ کر آ رہے ہو۔"

"ہاں....!" قاسم اس طرح جھلا کر بولا جیسے اُس کی بیوی کا سگا بھائی ہو۔ "سالی اب بالکل ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔"

"سالی سے کیا مطلب.... تم بیوی کی بات کر رہے تھے۔"

"یار تاؤ نہ دلاؤ.... ورنہ تمہیں مار بیٹھوں گا۔"

ٹ "خطرناک دشمن" اور "جنگل کی آگ" جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"ہماری کوٹھی کے سامنے وہ داور صاحب رہتے ہیں نا.... آج ان کی لڑکی ثمینہ میری تو پر مکے مار رہی تھی.... بس سالی ہتھے سے اکھڑ گئی.... کہنے لگی میں سب سمجھتی ہوں.... آخر کیا سمجھ ہے اُلو کی پٹھی۔"

پھر قاسم خاموش ہو کر اس طرح حمید کو گھورنے لگا جیسے اس کا جواب اسی سے چاہتا ہو۔

"لڑکی کی عمر کیا ہے....؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کیا سمجھتی ہے۔"

"ابے میں کیا بتاؤں۔"

"نہیں اندازاً.... کچھ....!"

"پہلے اس کی عمر بتاؤ پھر میں اندازہ لگاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"تیرہ یا چودہ سال....!" قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تب تو وہ ٹھیک ہی سمجھتی ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "وہ تمہاری توند پر مکے کیوں مار رہی تھی؟"

"یونہی.... مذاقاً....!"

"تم اسے پسند کرتے ہو کہ وہ تمہاری توند پر مکے بازی کیا کرے۔"

"کیا حرج ہے.... زور سے تو مارتی نہیں....!"

"اگر تمہاری بیوی بھی یونہی کسی کی توند پر شوق فرمانا شروع کر دے تو۔"

"زندہ دفن کر دوں سالی کو....!" قاسم گرج کر بولا۔

"آخر کیوں؟"

"بحث مت کرو.... مجھ سے۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا اور کمپاؤنڈ میں کتے بھونکنے لگے۔

"تمہارے کنوارے پن کا کیا حال ہے۔"

قاسم جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ حمید نے فون کی گھنٹی سنی۔ وہ ڈرائینگ روم سے اٹھ
فریدی کے کمرے میں آیا.... ریسیور اٹھایا.... اور پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"تم کیا کر رہے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"برخوردار بغرا خاں کی شادی کی فکر کر رہا ہوں۔"

"ایک بلڈ ہاؤنڈ لے کر پرنسٹن کے تھانہ پر آجاؤ۔"

"کیوں....؟"

"ضرورت ہے۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "جلدی آؤ۔"

"برخوردار بغرا خاں بھی ضد کر رہا ہے۔ وہ بھی آئے گا۔"

حمید بکتا رہا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

طویل القامت اندھا لوزاٹا اپنی عجیب و غریب تفریح میں مشغول تھا۔ میز پر بہت سے
بکھرے ہوئے تھے اور کمرے کے ایک گوشے میں ایک آدمی بڑا سا تھیلا اٹھائے کھڑا تھا۔

"چلو....!" اندھے نے کہا۔

گوشے میں کھڑے ہوئے آدمی نے تھیلے سے ایک موٹا سا چوہا نکال کر فرش پر ڈال دیا۔
ہے کے ایک پیر میں ننھا سا گھنگرو بندھا ہوا تھا۔ لوزاٹا نے میز سے چاقو اٹھایا اور چوہے نے
ھا کمرہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ چاقو اس کا جسم چھیدتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ چوہا چاقو
بت اچھلنے لگا۔

"کیوں....؟" لوزاٹا اس آدمی کی طرف مڑ کر بولا۔

"لوزاٹا.... سورج ہے۔ عظیم لوزاٹا....!" آدمی کانپتا ہوا بولا۔

"دوسرا....!" لوزاٹا نے کہا۔

اس نے دوسرا چوہا چھوڑا.... لوزاٹا نے پھر چاقو پھینکا.... اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ وہ
ھروؤں کی آواز پر نشانہ لگاتا تھا۔ یکے بعد دیگرے چھ چوہے ختم کرنے کے بعد وہ اُس
ا سے بولا۔ "بیلا کو بھیج دو۔"

وہ تعظیماً جھکا اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے مردہ چوہے بھی نہیں اٹھائے اور نہ اُ
جسموں سے چاقو ہی نکالے۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

''بیلا....!''

''ہاں....لوزاٹا''

''کیا خبر ہے؟''

''گازالی کے متعلق صحیح خبر تھی۔''

''اُس کتے کو میں نے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔'' لوزاٹا سرد لہجے میں بولا۔ ''ا
حکم نہ ماننا موت کو دعوت دینا ہے۔ موت ان کا پیچھا کرتی ہے دن رات ان کے
منڈلاتی رہتی ہے....اور پھر وہ اس کا لقمہ بن جاتے ہیں۔''

''میں نے لاڈن کو وہاں بھیجا ہے۔ جہاں اس کی لاش ہے۔'' بیلا نے کہا۔

''اس احمق زولو کو تو نے ناحق بھیجا۔'' لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن بھیجا ہی کیو

''ممکن ہے گازالی کے پاس کوئی ایسی چیز رہی ہو جس سے انہیں ہمارا سراغ مل

''خیال ٹھیک ہے۔'' لوزاٹا بڑبڑایا۔ ''لیکن لاڈن اس کیلئے موزوں نہیں تھا....خیر

''عظیم لوزاٹا....'' بیلا تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ''میری مجال نہیں کہ تجھے کو
دے سکوں لیکن کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم یہ جگہ چھوڑ دیں۔''

''کیا تو....لوزاٹا کی پراسرار قوتوں سے واقف نہیں۔''

''میں واقف ہوں لوزاٹا....تجھ پر ساری دنیا کا حال روشن ہے لیکن میں نے
ایک آدمی کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔''

''تیرا اشارہ اُس جاسوس کی طرف جس نے گازالی کو پکڑا تھا۔''

''ہاں....لوزاٹا....اُس دن نائٹ کلب میں تجھے پہچاننے ہی کیلئے بکرا چھوڑا گیا

لوزاٹا ہنسنے لگا۔

''واقعی یہاں کے سراغ رساں بڑے چالاک ہیں۔ مجھ سے دراصل اس رات کو غلطی
ئی۔ مجھے اُن تینوں آدمیوں کو زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ بلاشبہ اُن ہی تینوں کی بناء پر پولیس کو
م سے آگاہی ہوئی۔ عدنان کے ساتھی تو خاموش ہی رہتے.....خیر فکر نہ کرو۔ میں اس وقت
ک یہاں ٹھہروں گا جب تک کہ جواہرات کی نمائش نہ شروع ہو جائے۔''

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر بیلا نے کہا۔

''گازالی کی جگہ اب کون کام کرے گا۔''

''تیرے علاوہ اب کون کرسکتا ہے۔'' لوزاٹا مسکرا کر بولا ''میں نے تجھے سب سے زیادہ روشنی
شی ہے۔ کیا یہ اسی روشنی کا فیض نہیں تھا کہ تو نائٹ کلب والے واقعے سے واقف ہوگئی تھی۔''

''لوزاٹا.... مالک ہے۔'' بیلا تعظیماً جھک کر بولی۔

''اب میری بات سن! تو ابھی جس جاسوس کا تذکرہ کررہی تھی وہ سچ مچ خطرناک ہے۔
س کا کام تمام کردے۔ آخر وہ کیچوے کس دن کام آئیں گے۔''

''اوہ....کیچوے۔''

''ہاں....اس کی کار میں.... یہ کام آملیگاس کرے گا۔ آملیگاس کو میں تیرے چارج
یں دیتا ہوں۔ سارے کام اسی سے لے۔ لاڈن جیسے چھوے یہ سب نہیں کرسکتے۔''

کمرے میں پھر خاموشی مسلط ہوگئی....دفعتاً ایک زخمی چوہا چاقو سمیت پھڑکنے لگا۔

سرجنٹ حمید بلڈ ہاؤنڈ لے کر پرنسٹن کے تھانے پر پہنچ گیا۔ قاسم بھی اُس کے ساتھ تھا....
راستے بھر وہ فوزیہ کے مسئلے پر حمید کو بور کرتا آیا تھا۔ اُس نے آج تک کوئی ترک لڑکی نہیں
دیکھی تھی۔ اس لئے وہ حمید پر زور ڈال رہا تھا کہ اگر تعارف نہیں تو کم از کم درشن ہی کرادے۔

فریدی تھانے میں موجود تھا۔ حمید بلڈ ہاؤنڈ اس کے سپرد کرکے گازالی کی لاش دیکھنے چلا
گیا۔ واپسی پر اس نے فریدی کو بتایا کہ آرلکچو میں اُسی نے اُس کی کار کا ٹائر پھاڑا تھا۔

فریدی بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے انچارج سے گفتگو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر
حمید اور قاسم بھی ساتھ تھے۔

''کتے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔'' حمید نے پوچھا۔

ابھی کچھ دیر قبل ایک غیر ملکی یہاں آیا تھا۔ یہاں اس کی موجودگی کی وجہ پوچھی گئی
کانسٹیبلوں کو چرکہ دے کر نکل گیا۔

''آپ موجود تھے۔''

''نہیں....!'' فریدی نے کہا اور جیب سے ایک رومال نکال کر کتے کے آگے ڈال
پھر حمید سے بولا۔ ''یہ رومال اس کی جیب سے گر گیا تھا.... کیا خیال ہے؟ ممکن ہے کتا ہمار
کر سکے۔ ورنہ ان تک پہنچنا مشکل ہی ہوگا۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''ایک بار ہمکلاک شومز نے بھ
ہی کیا تھا۔''

''ہمکلاک شومز....!'' فریدی مسکرایا۔

''ابے شرلاک ہومز....!'' حمید بولا۔

''وہی ہوگا سالا۔ تم میرے بیچ میں مت بولا کرو۔'' قاسم بُرا مان گیا۔

کتے نے رومال کو سونگھ کر ہلکی سی آواز نکالی اور سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔
تھانے کی عمارت کی ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔ جس کا تعلق مردہ خانے سے تھا۔

کھڑکی کے نیچے پہنچ کر اس نے پھر زمین سونگھی اور بھونکنے لگا۔ پھر وہ زمین سونگھ
پھاٹک کی طرف دوڑا.... چند لمحے پھاٹک پر رک کر چاروں طرف دیکھتا رہا اور پھر بھونک
فریدی وغیرہ کی طرف پلٹ آیا۔

''اچھا بھئی قاسم....!'' فریدی بولا۔ ''اب شاید ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔''

''ہو.... ہو.... اچھا.... اچھا.... مجھے بھی ذرا کام ہے۔''

فریدی اور حمید کتے کے پیچھے چل پڑے۔ وہ پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آئے اور

یک طرف آہستہ آہستہ دوڑنے لگا۔

''کاش یہ لیلیٰ کا کتا ہوتا۔'' حمید ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

فریدی کتے کے تعاقب میں تھا۔ وہ گلی میں گھسا یہاں بھی اس نے دو تین جگہ زمین
سونگھی اور پھر دوڑنے لگا۔

کئی گلیوں سے گزر کر وہ ایک دوسری سڑک پر آ گئے۔

''کیا حماقت ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''اگر وہ آگے چل کر اپنے پیروں سے نہ گیا ہو تو....!''

''فکر نہ کرو.... میں کوئی امکانی بات نہیں چھوڑتا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ہم اس تک پہنچ
ہی جائیں گے۔''

''پھر اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔''

''اوہ.... تم.... شاید....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کسی جاسوسی ناول کے سراغ رساں کی
طرح آرام کرسی کے جاسوس بننا چاہتے ہو۔''

''میں اب صرف شوہر بننا چاہتا ہوں.... باپ بننا چاہتا ہوں.... اور کچھ نہیں۔''

''میں نے تمہیں منع کب کیا ہے۔''

''تنہا نہیں....!'' حمید نے کہا۔ ''آپ کو بھی بننا پڑے گا۔''

''کیا مضائقہ ہے.... تم شوہر بنو اور میں باپ بن جاؤں گا۔ امداد باہمی کے لئے
سائنٹیفک طریقے پر....!''

دفعتاً بلڈ ہاؤنڈ قریب ہی کے ایک ریسٹوران میں گھسنے لگا۔ فریدی نے جھپٹ کر اس کا
پٹہ پکڑ لیا۔ کتا بھونکنے لگا تھا۔

''اسے دور لے جاؤ۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''میں ابھی آیا۔''

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کتے کو کھینچتے ہوئے دوسری طرف لے جانے لگا۔ فریدی
ریسٹوران میں چلا گیا۔ حمید کچھ دور چلنے کے بعد کتے کے پٹے میں زنجیر ڈالنے کی لئے رکا۔

فریدی تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔

"حمید اسے واپس لے جاؤ۔ وہ ریستوران میں موجود ہے۔"

"لے آؤ.... لے جاؤ....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کتا خصی کیلئے میں ہی رہ گیا ہوں"

فریدی کچھ کہے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ریستوران میں داخل ہوگیا۔

کتا بھی اسی طرف جانے کے لئے زور کرنے لگا تھا۔

اچانک سڑک کے دوسرے کنارے پر حمید کو ایک لڑکی دکھائی دی صورت کچھ جانی سی معلوم ہورہی تھی.... "کیا....؟" اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا.... یہ وہی تو نہیں.... جو اُس اندھے کے ساتھ تھی....لڑکی بھی سڑک پار کرکے اسی ریستوران میں چلی گئی۔

لڑکی اور سانپ

فریدی نے اخبار اٹھالیا تھا۔ لیکن اس کی نظر سامنے والے کیبن پر تھی۔ جہاں ایک بیٹھا کولڈ ڈرنک کی چسکیاں لے رہا تھا۔ فریدی اس کے چہرے کی بناوٹ کے متعلق غور لگا۔ یقیناً وہ افریقہ ہی کا باشندہ ہوسکتا ہے۔ غالباً زولو قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ کھلتا ہوا رنگ یہی کہتا ہے اور پھر جبڑوں کی بناوٹ .... کاسہ سر کی ابھری ہوئی چپٹی ہڈیاں....وہ ز ہوسکتا ہے۔

ایک لڑکی فریدی کے قریب سے گزر کر اس کے شکار کے کیبن کے ملحقہ کیبن جابیٹھی۔ لیکن فریدی اسے اس غیر ملکی کو کسی قسم کا اشارہ کرتے نہ دیکھ سکا تھا۔

غیر ملکی نے اطمینان سے کولڈ ڈرنک کا گلاس ختم کرکے اطمینان سے کرسی کی پشت ٹیک لگالی اور پھر اس طرح آنکھیں بند کرلیں جیسے بقیہ وقت اسی کیبن میں بیٹھا بیٹھا گزار گا۔ فریدی نے کافی کا آرڈر دے کر سگار سلگالیا۔

لڑکی والے کیبن میں ایک ویٹر چائے کی کشتی لئے ہوئے داخل ہوا۔ کشتی میز پر رکھ

ابی تھا کہ لڑکی بڑے زور سے چیخی۔ ہال میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ چونک پڑے۔ ویٹر ر آچکا تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایک چائے کی پیالی آ کر لگی۔ ابھی وہ نبھلا بھی نہیں تھا کہ ملک پاٹ اس کے شانے سے ٹکرایا اور پھر جب انتہائی گرم پانی والا ٹی ٹ اس کے سینے پر پڑا....تو وہ چیخ مار کر ایک بیرونی میز پر الٹ گیا۔

کسی بڑے ہنگامے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ ایک میز کے الٹتے ہی بہتیری الٹ گئیں۔

ی ہال کے درمیان میں کھڑی بُری طرح چیخ رہی تھی۔ کوئی کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ معمولی آدمیوں ل اس بھیڑ میں فریدی جیسا ذہن آدمی بھی موجود تھا لیکن اس کی حالت دوسروں سے مختلف نہ ی۔ وہ اپنے شکار کے متعلق بھی بھول چکا تھا۔

کچھ لوگ نہ جانے کیا سمجھے کہ انہوں نے اس ویٹر کو پکڑ کر پیٹنا شروع کردیا۔ فریدی ہرحال قانون کا محافظ تھا۔ وہ ویٹر کو چھڑانے کے لئے دوڑا۔

پھر ساری بھیڑ ویٹر کے گرد جمع ہوگئی۔

اچانک فریدی چونکا اور ویٹر تک پہنچنے کا خیال چھوڑ کر وہ پھر اپنی جگہ آیا لیکن غیر ملکی والا کیبن خالی تھا۔ وہ اسے بھیڑ میں تلاش کرنے لگا لیکن وہ وہاں بھی نہ ملا.... اور وہ لڑکی۔ وہ ائب تھی۔ لیکن ویٹر کے گرد بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ فریدی بیرونی دروازے کی طرف لپکا۔

❖

سارجنٹ حمید جہاں تھا وہیں اس کے قدم جم گئے تھے۔ اس نے لڑکی کو اچھی طرح پہچان یا تھا، اور اب اُسے الجھن ہونے لگی تھی۔ نہ وہ کتے کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ اسے لے کر ریستوران کے اندر جاسکتا تھا۔ اگر وہ آدمی جس کی فریدی کو تلاش تھی ریستوران ہی میں موجود تھا تو کتے کو وہاں لے جانا دانش مندی نہیں ہوسکتی تھی۔ کیوں کہ وہ اس کی بو محسوس کرتے ہی جھپٹ پڑتا۔

دوسری طرف یہ خیال کہ فریدی اس لڑکی سے واقف نہیں تھا۔ ہوسکتا تھا وہ اُسے چوٹ دے جاتی۔ یعنی اُس کے شکار کو اس بات سے آگاہ کردیتی کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ اس

کا اندازہ تو حمید نے پہلے ہی لگالیا تھا کہ فریدی اُسے پکڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ وہ ر سے واپس آکر اس سے کتے کو واپس لے جانے کیلئے نہ کہتا۔ شاید وہ صرف اسکا تعاقب کرنا

حمید ریستوران سے کافی فاصلے پر تھا۔ اُسے فریدی کی ہدایت کے مطابق اب چلا جانا چاہئے تھا.... لیکن ..... وہ لڑکی..... اس نے اُسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اس کی نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ اگر اُسے کوئی ڈیوٹی کانسٹیبل بھی نظر آجاتا تو وہ کتے کو اس کر کے خود بھی فریدی کے پاس پہنچ گیا ہوتا۔

اچانک بلڈ ہاؤنڈ قریب سے گزرنے والے ایک آدمی پر جھپٹا۔ زنجیر پر حمید مضبوط نہیں تھی۔ آدمی اچھل کر بھاگا اور اس کی ٹانگ کتے کے جبڑوں کے درمیان بال بال بچی۔ حمید نے جھپٹ کر کتے کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ وہ آدمی بھاگتا میں گھس گیا۔ حمید کی جان میں جان آئی۔ اس نے سوچا چلو اچھا ہی ہوا۔ اگر وہ آدمی بجائے اُس پر الٹ پڑتا تو معاملے کو برابر کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی۔

کتا آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ لوگ حمید کے گرد اکٹھا ہونے لگے اور وہ ایک تماشہ بن کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کتے کی ٹانگیں چیر ڈالے۔ کتا بار بار اسی گل جھپٹ رہا تھا جدھر وہ آدمی گیا تھا۔ حمید اتنا بدحواس ہو گیا تھا کہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔

دفعتاً فریدی اس کی گرد لگی ہوئی بھیڑ کو چیرتا ہوا قریب پہنچ گیا۔

''چلو....! تم اب تک یہاں ہو۔'' وہ اُسے کھینچتا ہوا آگے بڑھا۔ کتے کے آ ہی بھیڑ پھٹ گئی۔

ان دونوں نے سڑک پار کی۔

''یہ دھکا زندگی بھر یاد رہے گا۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''کیوں....؟'' حمید احمقوں کی طرح بولا۔

''وہ نکل گیا۔''

''ہائیں....!'' حمید اچھل کر بولا۔ ''اُف فوہ.... تب تو پھر وہی رہا ہوگا۔''

''کون....؟''

''ابھی ابھی یہ ایک آدمی پر جھپٹا تھا۔''

''اور تم نے اُسے نکل جانے دیا۔''

''میں کیا جانتا تھا۔''

''ارے او احمق.... اس سے پہلے کبھی وہ کسی پر جھپٹا تھا....؟ بولو.... کیا ہم اُسے زنجیر کے بغیر یہاں تک نہیں لائے تھے۔''

''اوہ.... تب تو وہ اس گلی میں گیا تھا۔'' حمید نے گلی کی طرف اشارہ کیا۔

کتا اب بھی اُسی طرف جانے کے لئے زور کر رہا تھا۔ حمید نے زنجیر ڈھیلی چھوڑ دی اور کتے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ اسی گلی میں گھسا.... اور زمین سونگھ کر آگے بڑھنے لگا۔ گلی کا اختتام ایک دوسری چوڑی سڑک پر ہوا تھا یہاں کتا دائیں طرف کچھ دور چل کر رک گیا۔ وہ بار بار زمین سونگھتا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگتا۔ ایک بار اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر رونے کی سی آواز نکالی اور پچھلی ٹانگوں پر وہیں بیٹھ گیا۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر حمید کی طرف مڑا۔

''بیکار ہے۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''یہاں سے وہ کسی سواری پر گیا ہے آؤ واپس چلیں۔ خدا کی قسم یہ لوگ انتہائی چالاک ہیں۔''

''لیکن وہ نکل کیسے گیا۔'' حمید نے پوچھا۔ اس پر فریدی نے پورا واقعہ دہرا دیا۔

حمید اپنی گدی سہلانے لگا۔ اس نے سوچا اگر فریدی کو وہ یہ بتائے دیتا ہے کہ وہ اس لڑکی کو پہچان گیا تھا تو شامت ہی آجاتی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی سے باتوں میں جیتنا بھی آسان نہیں.... بہرحال اُس نے اس لڑکی کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔

اسی شام کی بات ہے فریدی اور حمید ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔ فریدی کو

ہوٹلوں کی تفریح سے دلچسپی نہیں تھی لیکن جب سے عدنان والا کیس ہوا تھا وہ کم از کم دن میں ایک چکر ہوٹل ڈی فرانس کا ضرور لگا لیتا تھا۔ اُسے عدنان کے پرائیویٹ سیکریٹری ڈیگال پر شبہ تھا اور اُس نے اس موضوع پر حمید سے تھوڑی بحث بھی کی تھی۔ وہ کھلم کھلا یہ تو نہیں کہتا کہ عدنان کے قتل میں ڈیگال کا ہاتھ ہے لیکن بہرحال.... اس کی شخصیت بھی پُراسرار معلوم ہو تی تھی اور وہ ابھی تک اس کا فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ ڈیگال کے جرم کی کیا نوعیت ہو سکتی ہے۔

''میں تو اب تنگ آ گیا ہوں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''تم تنگ کب نہیں آتے۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''جہاں ذرا سا کام کرنا تمہاری جان نکلنے لگی۔''

''ہیہات.... ہیہات....!'' حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''ایک لونڈیا.... ایشیا کے ایک عظیم سراغ رساں کو چوٹ دے گی۔ پتہ نہیں اُس قتالۂ عالم کا کیا نام ہے.... اگر افریقی ہی تو گازالی ہی کی طرح اس کا بھی نام ہوگا.... ٹنکیانا.... چیں چرر.... یا پھر.... پوں ٹل.... لاحول بولا

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کی بکواس پر مسکرایا تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

''تم فوزیہ سے دوستی بڑھاؤ۔''

''کسی ہیجڑے سے پریم نہ کرلوں۔'' حمید جل کر بولا۔

''تم سمجھے نہیں۔''

''میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں ویسے اگر آپ کہیں تو میں برخوردار بغرا خاں کے لئے پیغام دے سکتا ہوں۔''

''تم اس بکرے کو ہٹاؤ گھر سے ورنہ میں گولی مار دوں گا۔''

''ہرن تصور کر کے ماریئے گا۔ اس طرح شکار کا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔ مگر کمال ہے کیسا چونا لگایا لونڈیا نے.... ہاہا....!''

''بکومت....!'' فریدی جھنجھلا گیا۔

''بڑی ذہین لڑکی ہے۔ اگر آپ اپنی نسل میں ذہانت کے جراثیم برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو

اس سے شادی کی کوشش کیجئے۔ افریقہ اور ہندوستان کا پیوند.... بچوں کے نام ہوں گے.... ٹخ ٹخ فریدی.... کھٹ کھٹ فریدی.... چرغل فریدی وغیرہ وغیرہ....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید پر بھی سنجیدگی طاری ہوگئی۔ اس نے پوچھا۔ ''آخر یہ نور جہاں کا قصہ کیا ہے۔''

''ہوگا کچھ.... مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔ مجھے دو آدمیوں کے قاتل یا قاتلوں کی تلاش ہے۔''

''لیکن آپ نور جہاں والے معاملے میں کچھ جانتے ضرور ہیں۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے کہا اور آگے کی طرف جھک کر سگار سلگانے لگا۔

بیرونی دروازے سے فوزیہ کا حبشی ملازم اندر داخل ہوا اور انہیں گھورتا ہوا اوپری منزل کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

''اوہ.... یہ باہر سے آ رہا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں.... میں نے ان پر سے پابندی ہٹالی۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''آؤ....!''

''آؤ اور جاؤ....!'' حمید نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اس کے علاوہ اور رہ کیا گیا ہے۔ لونڈیاں الگ الو بناتی ہیں۔''

''کیا بک رہے ہو.... اب اگر تم نے اس واقعے کا نام لیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔''

''چلئے یہی سہی.... یہیں نام لوں یا گھر چل کر۔''

وہ دونوں کمپاؤنڈ میں نکل آئے۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر کیڈلاک کی طرف بڑھا۔

وہ اگلی کھڑکی کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اُسے گھمانے ہی جا رہا تھا کہ حمید نے اُسے اچھل کر پیچھے ہٹتے دیکھا۔

''ٹارچ ہے۔'' اس نے مڑ کر حمید سے پوچھا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید آگے بڑھ کر بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے جیب سے سگار لائٹر نکال کر جلایا اور کار کے
دیکھنے لگا۔

''بہت اچھے۔'' حمید نے سگار لائٹر کی مدھم روشنی میں فریدی کے چہرے پر عجیب تم
روشنی دیکھی اور پھر جب اس کی نظر اگلی سیٹ پر پڑی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک ب
سانپ اگلی سیٹ پر رینگ رہا تھا۔ پھر اچانک پچھلی سیٹ پر بھی اُسے کوئی سیاہ سی چیز حرکت کر
ہوئے نظر آئی۔

''غل مچانے کی ضرورت نہیں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اب ہمارے پاس کل
سانپ ہوئے۔''

حمید کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہیں اس آدمی کا دماغ تو نہیں خ
ہو گیا۔ اگر ابھی بیٹھ گئے ہوتے تو کیا حشر ہوتا۔ فریدی سگار لائٹر جلائے ہوئے بڑی دلچسپ
سانپوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''مائی ڈیئر.... بلیک مومبا....!''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''اس قسم کا سانپ صرف افریقہ میں پایا جاتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''بلیک مومبا
ہے۔ سانپوں کی نسل میں اس سے شریر سانپ اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ جان بوجھ کر صرف آد
حملہ کرتا ہے۔''

''تو آپ اس کی نسل پر لیکچر دیں گے۔'' حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''فرزند ایک شاندار اضافہ.... میرے پاس اس نسل کا کوئی سانپ نہیں تھا۔''

''لیکن یہ ایک ہندوستانی کار میں کہاں سے آ ٹپکا۔'' حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر ک

''اوہو.... اس پر پھر غور کریں گے۔ فی الحال انہیں پکڑنے کا مسئلہ ہے۔''

''کیا....!'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

''ایک کو تم پکڑو اور دوسرے کو میں۔''

''سنئے جناب میرے باپ دادا سپیرے نہیں تھے....اور....!''

''چپ چپ....شور نہیں....تم سگار لائیٹر پکڑو۔''

حمید حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ وہی فریدی تھا۔ سنجیدہ اور باوقار فریدی....
نہیں....اس وقت تو وہ شوخ اور کھلنڈر بچہ معلوم ہو رہا تھا۔ ایک ایسا بچہ جو گھاس پر بیٹھی ہوئی
سی ٹڈی کو پکڑنے جا رہا ہو۔

حمید نے سگار لائٹر پکڑ لیا۔ سانپ اب سیٹ سے نیچے اتر گیا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھما
ر کھڑکی میں ذرا سی دراز کی.... سانپ باہر کا راستہ دیکھ کر اس کی طرف لپکا لیکن صرف اس کا
ہی باہر نکل سکا.... کیونکہ فریدی نے کھڑکی کا پاٹ تھوڑا سا دبا دیا تھا۔ اب اس نے چٹکی سے
کا نیچے کا حصہ پکڑ لیا۔ سانپ کا منہ پھیل گیا۔

''ارے کیا کر رہے ہیں آپ....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر سانپ کو آہستہ آہستہ باہر کی طرف کھینچ رہا تھا۔

''ہاتھ میں لپٹ جائے گا۔'' حمید بے چینی سے بولا۔

''بس دیکھتے رہو۔ اس میں اتنی سکت ہی نہ رہ جائے گی۔ یہ بھی ایک آرٹ ہے فرزند....
رگ دبائی ہے کہ کیچوے کی طرح جھولتا رہ جائے گا۔''

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ سانپ کا بقیہ حصہ باہر کھینچ لیا اور اُسے حمید کے چہرے
برابر اٹھاتا ہوا بولا۔ ''دیکھو.... ہے نا کیچوا.... یہ نہ سمجھنا کہ مر گیا ہے ابھی زمین پر چھوڑ دوں
مجھے تحت الثریٰ میں بھی نہ چھوڑے.... شاباش.... اب تم اسی طرح دوسرے کو پکڑ لو۔''

''کیا....؟ آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔''

''افسوس کہ میں سانپ دیکھ لینے کے بعد ہوش میں نہیں رہتا۔'' فریدی نے ہلکا سا قہقہہ
رکہا۔ ''اچھا اٹیچی کھولو۔''

حمید نے اٹیچی کھولی اور فریدی نے سانپ کو اس میں ڈال دیا۔ اٹیچی بند کر کے وہ پچھلی
ٹ کی طرف آئے۔

"اچھا اب میں اسے پکڑتا ہوں...." فریدی نے انگریزی میں کہا اور زمین پر بیٹھ
آہستہ سے بولا۔ "تم سگار لائٹر کو اسی طرح اٹھائے رہو۔ اب میں تمہیں ایک دوسرا کر
دکھاؤں گا.... میری واپسی تک اسی طرح لائٹر اٹھائے ہوئے کچھ اوٹ پٹانگ بڑبڑاتے رہ
اچھا.... شب بخیر فرزند۔"

وہ حمید کو متحیر چھوڑ کر ایک طرف تاریکی میں رینگ گیا۔

کمپاؤنڈ کا یہ حصہ ہوٹل کی عمارت سے کافی دور تھا اور یہاں قرب و جوار میں تاریکی تھی

دشمنوں میں

حمید کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ اول تو کسی سانپ کا اس طرح پکڑنا ہی پاگل پن
کچھ کم نہیں تھا۔ دوسرا یونہی بلاوجہ کچھ بے تکی باتیں کر کے سینے کے بل رینگتے ہوئے اندھ
میں غائب ہو جانا بھی صحیح الدماغی کی علامت نہیں تھی۔

لیکن یہ حرکتیں فریدی سے سرزد ہوئی تھیں۔ اس لئے حمید اُسے محض مذاق سمجھنے
بھی تیار نہیں تھا۔

حمید انتظار کرتا رہا۔ اور اس اثناء میں سگار لائٹر کی اسپرٹ بھی ختم ہو گئی۔ اندھیرا ہو
کے بعد حمید دیا سلائیاں جلاتا رہا۔ ایک سانپ ابھی تک آزاد تھا.... اور وہ اس نسل کے
کی خصوصیات تھوڑی دیر قبل ہی سن چکا تھا۔ پتہ نہیں فریدی کب تک واپس آئے اور و
کے پاس سے ہٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ سانپ جواب بھی پچھلی نشست کے نیچے ر
تھا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ اسے اسی طرح مار ہی ڈالے جس طرح فریدی نے اگلی
سانپ پکڑا تھا۔ مگر یہ کام اس اکیلے کے بس کا روگ نہیں تھا اور وہ ہوٹل سے بھی کسی
سکتا تھا کیونکہ اگر فریدی اسے پسند کرتا تو پہلے ہی اس نے کسی اور کو بھی مدد کے لئے بلا

پھر اس نے سوچا کہ کھڑکی کھول کر اُسے اندر ہی سے نکال دے لیکن اسے اس کی
صوصیات یاد آ گئیں۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر آدمیوں پر حملہ کرتا ہے۔
دفعتاً نہ جانے کدھر سے ایوننگ ان پیرس کی خوشبو کی ایک لپٹ آئی اور حمید نتھنے سکوڑ کر
دھیرے میں گھورنے لگا۔

"آرتھر ڈارلنگ....!" کسی عورت کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا۔ اس سے شاید
ین فٹ کے فاصلے پر کوئی عورت کھڑی تھی۔

حمید سب کچھ بھول گیا۔ آواز میں بڑی دل کش کھنک تھی بڑی سکس اپیل تھی۔

"ڈیئر سٹ.... میں تیار ہوں۔" عورت نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں تھوک نگل کر بولا۔

عورت اور قریب آ گئی۔ اتنی قریب کہ اس کے اور حمید کے چہرے میں شاید ایک بالشت
کا فاصلہ رہ گیا.... اور پھر حمید نے ایک بہت ہی تیز قسم کی بو محسوس کی جو ایوننگ ان پیرس کی
خوشبو پر بھی غالب آ گئی تھی۔ اس کے نتھنوں میں جلن ہونے لگی۔ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے
ہٹا.... اور پھر اُسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ عورت اسے اپنے بازوؤں میں لے کر آسمان کی
طرف پرواز کر رہی ہو۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔

اور جب تاریکی دور ہوئی تو حمید نے خود کو ایک کمرے میں پایا۔ شاید وہ دو گھنٹے تک
بیہوش رہا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کمرے کی روشنی اس کے سر کے اندر سنسنی پیدا
کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس کے
ذہن میں پھر ایوننگ ان پیرس کی خوشبو جاگ اٹھی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جسے اس نے لوزاٹا کے ساتھ دیکھا تھا۔ حمید اچھل کر
بیٹھ گیا۔ لڑکی بڑے دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"تم شاید مجھے پہچانتے ہو۔" لڑکی تھوڑی دیر بعد انگریزی میں بولی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنی آنکھیں کچھ نشیلی سی بنالیں۔ لڑکی اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"شاید...!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے تمہیں مصر میں دیکھا تھا... اب
ایک ہزار سال پہلے۔"

"اور تم تب بکروں کے بجائے گدھے پالتے تھے۔"

"میں اس مذاق کو نہیں سمجھا..." حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی آواز خوابناک اور بھر
ہوئی تھی۔ پھر دفعتاً وہ چونک کر ادھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ "میں کہاں ہوں۔"

اور وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے ڈری ڈری سی چیخ ماری اور لڑکی سے لپٹ گیا۔

"ارے... ارے...!" وہ اُسے دھکیل کر پیچھے ہٹ گئی۔

"بچاؤ...!" حمید پھر جھپٹا... لڑکی بوکھلا گئی تھی۔ اُس نے اسے روکنے کے لئے ا
دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیئے۔

"سانپ... سانپ...!" حمید کمرے میں چاروں طرف ناچنے لگا۔ وہ ڈری ڈری
آواز میں "سانپ سانپ" کہتا ہوا پھر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"خاموش رہو۔" دفعتاً لڑکی نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے ایک چھوٹا سا آٹو
پستول نکالتے ہوئے کہا۔ حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں مل مل
چاروں طرف دیکھنا شروع کردیا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر سو
سوتے جاگا ہو۔

"تم کون ہو...!" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"تم مکار ہو...!" لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"افسوس تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔ آج تک کسی نے میری روح میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی

"بکواس بند کرو۔" لڑکی جھنجھلا کر بولی۔ "تم یہاں فلرٹ کرنے کیلئے نہیں لائے گئے۔"

"پھر...!" حمید یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔

"نور جہاں کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔"

"میں ساری دنیا کے متعلق صرف ایک بات جانتا ہوں۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ لیکن اس کی نظریں سوالیہ انداز میں حمید کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور حمید
جیسے تہیہ کرلیا تھا کہ آگے کچھ نہ کہے گا۔ لڑکی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر تحکمانہ لہجے میں
"بیٹھ جاؤ۔"

"مگر میں ٹہلنا چاہتا ہوں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "پستول رکھ لو اس کی ضرورت نہیں۔
مجھے پسند آئی ہو۔ اس لئے میرے بھاگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

وہ چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ "میں اور میرا چیف مداری ہیں۔ تمہارے بلیک مومبا کا
حشر ہوا؟ شاید تم نے دیکھا ہو۔"

"لیکن وہ کہاں غائب ہوگیا...؟"

"ڈر کر بھاگ گیا ہوگا... وہ خوبصورت لڑکیوں سے بہت ڈرتا ہے۔"

"ڈیگال نے تمہیں عدنان کی موت کے متعلق کیا بتایا ہے۔"

"ہائیں تو کیا عدنان مرگیا... مجھے تو ڈیگال نے بتایا تھا کہ وہ احرامِ مصر کی زیارت کرنے
ہے۔"

لڑکی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے حمید کو گھور رہی تھی۔

"تم نہیں بتاؤ گے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"سنو... ہنی... کبھی تم نے کسی سے محبت بھی کی ہے۔"

وہ مکا تان کر حمید کی طرف جھپٹی۔

"ییلا...!" عقبی دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ حمید چونک پڑا۔ لڑکی بھی جہاں تھی
سا رک گئی۔ دروازے میں وہی طویل القامت اندھا کھڑا تھا' جسے حمید نے نائٹ کلب میں
عا تھا۔

"کیا بات ہے؟" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"ییلا...!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کتنا پیارا نام ہے۔"

”آں....!“ اندھا چونک پڑا۔ ”یہاں اور کون ہے؟“

”جاسوس....!“ بیلا نے کہا۔ ”ان میں سے ایک ہمارے ہاتھ آ گیا ہے۔“

”خوب....لیکن کیوں....؟“

”یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہیں۔“

”کیا تمہیں ڈیگال کی بات پر یقین آ گیا تھا۔“ اندھے نے مسکرا کر پوچھا۔

”مجھے یقین ہے کہ یہ ضرور کچھ جانتے ہیں۔“

”دوسرا کہاں ہے۔“

”وہ نکل گیا۔“

”ہوں....!“ اندھا جھنجھلا گیا۔ ”لیکن میرے کہنے پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔“

”عظیم لوزاٹا“ بیلا لرزتی ہوئی بولی۔ ”تیرے حکم سے سرتابی ناممکن ہے۔ ہم نے
کہنے پر عمل کیا تھا لیکن انہوں نے ان کو بچوں کا کھیل بنا ڈالا۔“

”اوہو....!“

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اندھے نے کہا۔ ”کیا یہ فریدی ہے؟“

”نہیں....وہ نکل گیا۔“ بیلا نے کہا۔

”اوہ....!“ اندھے کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ ”کیا سب لوگ یہاں موجود ہیں

”املیگاس کے علاوہ اور سب ہیں۔“ بیلا نے کہا۔

”وہ کہاں ہے!“

”دوسرے کو تلاش کر رہا ہوگا۔“

”ہوں....!“ لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم نے اس سے کیا معلوم کیا۔“

”کچھ نہیں....! یہ تو باتوں میں ٹال رہا ہے۔“

”تمہیں بولنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔“ لوزاٹا نے حمید سے کہا۔

”میں بڑی دیر سے بول رہا ہوں۔“ حمید نے کہا اور بیلا کو آنکھ مار کر مسکرانے

بوکھلا کر لوزاٹا کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہو؟“

”اگر تم ایک بار مجھے اس کی شکل دکھا دو تو اس کے باپ دادا کا نام بتا دوں گا۔“

”بیلا مجھے یقین ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتا“ لوزاٹا نے کہا۔ ”تو نے اسے یہاں لا کر غلطی
یہاں لاشوں کو ٹھکانے لگانے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔“

حمید سناٹے میں آ گیا....اور سناٹے میں آنے کے بعد وہ ہمیشہ ہنگامہ پسند کرتا تھا۔ وہ
کر بیٹھنے کے امکانات پر غور کر ہی رہا تھا کہ ایک آدمی بوکھلایا ہوا کمرے میں گھسا۔ اس کے
پر پٹی بندھی ہوئی تھی، چہرے پر کئی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

بیلا حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

”کون ہے....؟“ لوزاٹا یک بیک چونک کر بولا۔

”املیگاس....!“ بیلا آہستہ سے بڑبڑائی۔

”املیگاس....!“ لوزاٹا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر اس نے اس طرح نتھنے
وڑے جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے کسی غیر ملکی زبان میں بیلا سے کچھ کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

”املیگاس....!“ اس نے نوارد سے انگریزی میں کہا۔ ”کیا خبر ہے۔“

”بہت سخت لڑائی ہوئی۔“ املیگاس کراہ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”وہ اس سے
اقف تھا کہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔“

”پھر کیا ہوا....املیگاس....!“

”پھر اس خیال سے مجھے جان بچا کر بھاگنا پڑا کہ کہیں گرفتار نہ ہو جاؤں۔“

”تم نے اچھا کیا املیگاس....!“

بیلا پھر واپس آ گئی۔

”بیلا....!“ لوزاٹا نے اُسے مخاطب کیا۔ ”کیا املیگاس بہت زیادہ زخمی ہے۔“

''شاید....!'' بیلا املیگاس کو گھورتی ہوئی بولی۔

''لیکن املیگاس ایک بات نہیں جانتا۔'' لوزاٹا نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ ''وہ نہ
کہ لوزاٹا سر سے پیر تک آنکھ ہی آنکھ ہے' اور اس کی ناک کتے کی ناک سے بہت ز
ہے۔ آملیگاس کی شکل آنکھ والوں کو دھوکا دے سکتی ہے اندھیرے کے شہنشاہ کو نہیں۔''
اُس نے چیخ کر کہا۔ ''اس جاسوس کر پکڑلو۔''

املیگاس اچھل کر دروازے کے قریب چلا گیا۔ لیکن پھر اُسے ایک قدم آگے
بڑا۔ کیونکہ ایک ریوالور کی نال اس کی پیٹھ میں چبھ رہی تھی۔

''اسے میرے قریب لاؤ۔''

ریوالور کی نال اور شدت سے املیگاس کی پیٹھ میں چبھنے لگی۔ وہ ایک قدم اور آ
اور پھر رک گیا۔ حمید اور وہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ آخر املیگاس نے مسکرا کر ار
کہا۔ ''بُرے پھنسے فرزند....!''

''ہائیں....!'' حمید اچھل پڑا۔ آواز فریدی کی تھی۔

لوزاٹا نے قہقہہ لگایا۔ حمید گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرے میں تین درواز
اور ہر دروازے میں ایک آدمی ریوالور لئے کھڑا تھا۔

''لاڈن....!'' لوزاٹا چیخا۔ ''اُسے میرے قریب لاؤ۔''

''ٹھہرو....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''کیا تم مجھے عدنان سمجھتے ہو۔''

''اس سے بھی کمتر....!'' لوزاٹا نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا تو چلو کوشش کرو۔'' فریدی لاپروائی سے بولا۔ ''شاید ایسی گردن تمہیں پہلے خ
میں بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔''

فریدی خود ہی اس کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید نے سوچا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر ہی ر
اس نے جھپٹ کر بیلا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں اپنی گردن کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

''چلو تم میرا گلا گھونٹ دو.... میں تو اس بدصورت اندھے کے ہاتھوں مرنا پسند نہیں کروں گا

بیلا ہاتھ چھڑانے لگی اور پھر اچانک حمید نے اس کی گردن دبوچ لی اور چیخ کر بولا۔
''لوزاٹا.... میں اس لڑکی کا گلا گھونٹنے جا رہا ہوں۔''

''چھوڑ دو.... چھوڑ دو....!'' تینوں مسلح آدمی بیک وقت چیخے۔

فریدی کی طرف بڑھتے ہوئے لوزاٹا کے ہاتھ نیچے جھول گئے۔ بیلا بُری طرح مچل رہی
تھی اور اس کے منہ سے گالیوں کا فوارہ جاری تھا۔

''میں بھی مرجاؤں گا۔ تم بھی مرجاؤ گی۔'' حمید ناک کے بل گنگنایا۔ ''پھر میں عالم
رواح میں تم سے کہوں گا آمری جان مرے پاس دریچے کی قریب۔''

دفعتاً فریدی نے اچھل کر لوزاٹا کے پیٹ میں لات ماری اور وہ چیخ کر ڈھیر ہو گیا۔ بیک
قت تین فائر ہوئے لیکن شاید فریدی اس سے قبل ہی لوزاٹا کے برابر لیٹ گیا تھا۔

حمید سمجھا شاید فریدی رخصت ہو گیا۔ اس لئے اس نے مچلتی ہوئی لڑکی کا الوداعی بوسہ
لے کر اُسے ایک ریوالور والے کی طرف اچھال دیا۔ وہ دونوں فرش پر آ رہے۔ بیلا بڑے زور
سے چیخی پھر دو فائر ہوئے۔

فرش پر فریدی اور لوزاٹا گتھے ہوئے تھے۔ حمید گرنے والے کے ریوالور پر قبضہ کر چکا تھا۔
یکن جب اس نے ایک آدمی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبایا تو ریوالور پھٹ کر کے رہ گیا۔ وہ خالی
ا۔ گرا ہوا آدمی حمید پر ٹوٹ پڑا۔

بیلا بیہوش پڑی تھی.... اور اب حمید مطمئن تھا۔ اس نے فریدی کو لوزاٹا سے لپٹے ہوئے
کھ لیا تھا۔ بقیہ دو آدمی بے بسی سے انہیں گھور رہے تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا
ریں۔ اگر وہ فریدی اور حمید پر گولی چلاتے تو لوزاٹا اور ان کے ایک ساتھی کے زخمی ہوجانے کا
ی احتمال تھا۔

اچانک ان میں سے ایک نے پیتل کا ایک وزنی گلدان اٹھا کر فریدی کے سر پر ضربیں
انی شروع کردیں۔ حمید اس آدمی کو چھوڑ کر فریدی کی مدد کو لپکا۔ پھر ایک فائر ہوا۔ اگر حمید
رسی سے بیٹھ نہ گیا ہوتا تو گولی اس کے سر سے گذر گئی ہوتی۔

فریدی تو گلدان کی ضربوں سے بیہوش ہو ہی چکا تھا.... اس کے بعد حمید کی خاص
ہوگئی۔

"اتنا ہی کافی ہے۔" لوزاٹا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "جان سے مت مارو۔ ابھی ہم
ہے کہیں عمارت کے گرد پولیس کا گھیراؤ نہ ہو۔ انہیں کہیں بند کردو۔ ان کے ساتھ تین لا
ہوں گی۔"

فریدی کو ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے ہ
تاریک نہیں تھا۔ اسے اپنے قریب ہی ڈیگال، لیوکاس اور فوزیہ بھی نظر آئے۔ ان کے
بھی اسی طرح بندھے ہوئے تھے۔ حمید ذرا فاصلے پر تھا اور اُسے بھی ہوش آ چکا تھا۔

"ڈیگال....! یہ سب محض تمہاری وجہ سے ہوا۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"املیگاس.... تم اس حال میں کیوں نظر آ رہے ہو۔" ڈیگال نے حیرت سے پو

"میں فریدی ہوں۔"

ڈیگال اور اس کے ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھورنے لگے۔

"میں کہہ رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "کہ یہ سب کچھ محض تمہاری وجہ سے ہوا۔ ا
پہلے ہی لوزاٹا کی قیام گاہ کا پتہ بتا دیتے تو یہ کبھی نہ ہوتا۔"

"میں نہیں جانتا تھا۔"

"تم بکتے ہو.... تم نورجہاں کے لئے لوزاٹا سے سودا کر رہے تھے تم نے لوزاٹا کو
تھی کہ اگر اس نے تمہیں ایک بھاری رقم نہ دی تو تم پولیس کو نورجہاں کے متعلق بتا دو
اپنی حفاظت کے لئے تم نے یہ شوشہ بھی چھوڑا تھا کہ دوسراغ رساں بھی نورجہاں کے
ہی سے کچھ جانتے ہیں کیوں..... کیا خیال ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" ڈیگال بڑبڑایا۔

"اگر یہ جھوٹ ہے تو پھر تم تینوں آج ہی یہاں کیوں نظر آ رہے ہو۔ پہلے ہی اس حال کو
یوں نہیں پہنچے۔ لوزاٹا کی دانست میں صرف ہم پانچ ہی نورجہاں کے راز سے واقف ہیں۔
لئے شاید تھوڑی دیر بعد موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔"

"ڈیگال.... تم....!" فوزیہ بڑبڑائی۔

"بے بی.... یہ جھوٹ ہے۔"

"فریدی کبھی لایعنی گفتگو نہیں کرتا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ یہاں پہنچے کس طرح تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"لمبی کہانی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ ہم چ
چوہوں کی سی موت کا انتظار کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ کمرے
ے بجائے اُسے کوٹھڑی ہی کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں صرف ایک دروازہ تھا اور کھڑکیاں نہیں
یں۔ چھت سے ایک چالیس پاور کا بلب لٹکا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ لوزاٹا کو املیگاس کی بھی فکر ہوگی۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "شاید
مجھ سے پوچھے.... بس یہی ایک موقعہ میرے ہاتھ آ سکتا ہے.... ورنہ۔"

"املیگاس کہاں ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"میری قید میں۔"

فوزیہ ڈیگال کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور ڈیگال خاموش تھا۔

"آخر وہ اندھا آپ کو پہچان کیسے گیا۔ مجھے سخت حیرت ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں اس کی غیر معمولی قوتوں کا معترف ہوں۔ وہ کسی شکاری کتے ہی کی طرح اپنے
دمیوں کی بو پہچانتا ہے۔ آنکھوں سے محروم ہو جانے پر بعض لوگوں میں بے پناہ قوتیں عود
ر آتی ہیں۔"

"کسی کو آپ کے یہاں آنے کا علم ہے کہ نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"کسی کو بھی نہیں.... اس آدمی املیگاس سے مجھے یہاں کا پتہ معلوم ہوا تھا۔ مجھے
یقین نہیں تھا اس لئے میں نے پہلے تنہا ہی اطمینان کر لینا مناسب سمجھا۔"

"اب زندگی بھر اطمینان کرتے رہئے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "آئی۔ جی۔
بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ کریک ہیں.... یہ ضروری نہیں کہ ہر بار ہم بال بال بچ جائیں"

"نہ بھی بچیں تو کیا فرق پڑے گا۔"

"آپ کے کتے یتیم ہو جائیں گے۔"

اچانک دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ چند لمحے اپنے قیدیوں کو
رہے پھر وہ فریدی کے قریب آئے اور اُسے اٹھانا چاہا۔

"دو آدمی اور لاؤ۔" فریدی ہنس کر بولا۔

دونوں نے اپنا انتہائی زور صرف کر دیا لیکن فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی
جھلا کر ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ فریدی نے جھلاہٹ میں کہنیاں ٹیک کر ا
کوشش کی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی کا
ڈھیلا ہو گیا ہو۔ وہ اٹھنے کی کوشش ترک کرکے چت لیٹ گیا۔ پاس کھڑے ہوئے آ
اسے ٹھوکر ماری جسے اس نے اپنے جوتوں کے تلوؤں پر روک لیا۔ وہ ٹھوکریں مارتا رہا ا
کا شغل بھی جاری رہا۔ اس کی ایک ٹھوکر بھی اس کے جسم پر نہیں پڑی اس دوران میں ا
دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ پھر جیسے ہی وہ ٹھوکر مارنے کے لئے آگے بڑھا فریدی
کی ٹانگ پکڑ لی۔ جھٹکا لگتے ہی وہ اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر گرا.... اور وہ دونوں
وقت زمین پر آ رہے۔

دوسرے لمحے میں فریدی ان کے اوپر تھا۔ اس کے پیر اب بھی بندھے ہوئے تھے
وہ تو زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اگر اس کے ہاتھ بھی بندھے ہوتے تب بھی آخری
خاتمہ کشت و خون ہی پر ہوتا۔ فریدی کے گھٹنے ایک کی گردن پر تھے اور دوسرے کی گردن
کے ہاتھ تھے اور وہ اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دوسرے قیدیوں نے فریدی کو الگ ہٹتے دیکھا۔ وہ بڑی تیزی
سے اپنے پیروں کی رسی کھول رہا تھا۔ دونوں آدمی بے حس و حرکت فرش پر چت پڑے تھے۔
کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلی خود حمید بھی فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی
آنکھوں پر یقین نہ ہو۔

فریدی نے حمید کی رسیاں بھی کھول دیں۔ اب وہ دونوں کی جانب متوجہ ہوا۔ ان کے
پاس سے ریوالور برآمد ہوئے۔ ایک اس نے حمید کی طرف اچھال دیا۔

"کیا.... یہ...." حمید فرش پر پڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

"ہاں.... یہ گازالی کے پاس پہنچ گئے۔"

"کیا ہمیں نہیں کھولو گے۔" ڈیگال مردہ سی آواز میں بولا۔

"تم مجرم ہو.... تم سے مراد تم اور لیوکاس۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر حمید سے
بولا۔ "لڑکی کو کھول دو۔"

حمید اس کی طرف چلا ہی تھا کہ بیلا کمرے میں داخل ہوئی۔ فریدی نے ریوالور کا رخ
اس کی طرف کرکے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے بیلا کی روح قبض
کر لی ہو۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

"اسے باندھ لو....!" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ارے ہائے.... ہائے.... اسے تو میں اپنی البم میں چپکاؤں گا۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"بدتمیزی نہیں جلدی کرو....!"

حمید نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بھی ڈیگال کے پاس ہی ڈال دیا۔

پھر وہ فوزیہ کی رسیاں کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "ابھی رہنے دو.... آؤ میرے ساتھ۔"

انہوں نے کوٹھڑی سے نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔

"اب وہ بالکل تنہا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟"

"جب میں یہاں آیا تھا لوزاٹا کے علاوہ صرف تین ہی مرد تھے دو کا خاتمہ ہو چکا ہے
تیسرا غالباً باہر کمپاؤنڈ میں رکھوالی کر رہا ہوگا۔"

"ہوسکتا ہے کہ اس وقت کچھ باہر رہے ہوں۔"

"املیگاس کی دی ہوئی اطلاعات ابھی تک تو ٹھیک ثابت ہوئی ہیں۔" فریدی نے
کہا۔"آؤ"

وہ ایک ایک کمرہ دیکھتے پھر رہے تھے۔آخر ایک کمرے میں لوزاٹا تنہا مل گیا۔
حالانکہ یہ دونوں دبے پاؤں وہاں تک پہنچے تھے لیکن لوزاٹا ٹہلتے ٹہلتے اچانک اس طرح
رک گیا جیسے اُسے ان کی آہٹ مل گئی ہو۔وہ دونوں دروازے سے ہٹ کر کھڑکی کے سامنے
آ گئے۔اب انہوں نے لوزاٹا کو بھی ادھر مڑتے دیکھا۔

"کمال ہے....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تم دروازے پر ہی ٹھہرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔"تیسرے آدمی کا خیال رکھنا۔"
جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا اس نے لوزاٹا کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

"املیگاس کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"فضول ہے....تھوڑی دیر بعد تم بھی اسی کے پاس ہوگے۔" فریدی نے کہا۔

"میں....!" لوزاٹا نے قہقہہ لگایا۔"تم مجھے اتنا مجبور سمجھتے ہو۔"

"میں تمہیں عدنان اور ایک مقامی آدمی کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔" فریدی
آگے بڑھتا ہوا بولا۔لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی پیشانی پر ایک ایسا زوردار گھونسا پڑا
چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔لوزاٹا نے ریوالور
لئے جست لگائی اور فریدی اس خطرناک موقعے پر بھی اس کے بچے تلے انداز پر عش عش
بغیر نہ رہ سکا۔وہ سچ مچ اندھیرے کا شہنشاہ تھا۔لوزاٹا کے ساتھ ہی فریدی بھی ریوالور کے
جھپٹا تھا لیکن ریوالور اس کے ہاتھ نہ آسکا۔ان دونوں میں پھر زور آزمائی ہونے لگی۔ریوا

لوزاٹا کو بھی نہ مل سکا۔فریدی نے ٹھوکر مار کر اسے دور پھینک دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ لوزاٹا کو اس طرح بھی زیر کرنا
آسان کام نہیں تھا۔لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ لوزاٹا گتھے رہنے یا اُسے زیر
کر لینے سے زیادہ بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔حمید بڑی دلچسپی سے انکی کشتی کا منظر دیکھ رہا تھا۔

اچانک لوزاٹا نے فریدی کے سر پر ایک زوردار ٹکر ماری اور فریدی کی گرفت ڈھیلی
پڑگئی۔لوزاٹا اچھل کر دروازے کی طرف بھاگا۔فریدی کا سر چکرا گیا۔لیکن اب اسے بھی سچ مچ
غصہ آ گیا تھا۔اس نے جھپٹ کر لوزاٹا کی ٹانگ پکڑلی اور وہ منہ کے بل اتنے زور سے فرش پر
گرا کہ سارا کمرہ جھنجھنا اٹھا اُس نے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کی ٹانگ مروڑنے لگا۔اس کی
جگہ کوئی اور ہوتا تو چیخ چیخ پڑتا....کبھی وہ زمین پر ہاتھ ٹیک دیتا اور کبھی اس کے سر کا پچھلا حصہ
بھڑ سے زمین پر گرتا۔

"اندھیرے کے شہنشاہ......تمہیں تارے نظر آئے یا ابھی نہیں۔" فریدی نے قہقہہ لگا کر
پوچھا۔

لوزاٹا کچھ نہ بولا۔اس کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

"کیا تمہیں عدنان کی موت نہیں یاد آرہی ہے۔" فریدی نے کہا۔"مگر عدنان ہی کیوں
تم نے اب تک سینکڑوں قتل کئے ہیں بتاؤ نور جہاں کہاں ہے....بتاؤ ورنہ میں تمہارے پیٹ پر
پوری قوت سے کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"میرے پاس....میرے سینے پر" لوزاٹا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا اور اس کے بعد اس
کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی ایسا معلوم ہوا کہ مرتا ہوا بھینسا ڈکرا رہا ہو۔ساتھ ہی اُسے
ایک بڑی سی خون کی قے ہوئی اور اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔فریدی نے ٹانگ چھوڑ دی۔لوزاٹا
بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

فریدی اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔آخر سینے پر اُسے کوئی سخت سی چیز محسوس ہوئی۔اس نے
اس کا گریبان پھاڑ ڈالا۔سینے پر چمڑے کی چوڑی سی پٹی کسی ہوئی تھی۔جس میں کئی جیب تھے۔

پھر حمید نے فریدی کی ہتھیلی پر ایک بڑا سا جگمگاتا ہوا ہیرا دیکھا۔

"یہ کیا....؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"نور جہاں....!"

"کیا....؟ ارے.... یہ....!"

"ہاں فرزند! میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی کی تو
رکھو۔"

دوسری شام.... فریدی، حمید اور فوزیہ ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔

"آپ کو نور جہاں کے متعلق کیسے معلوم ہوا کہ۔" فوزیہ نے فریدی سے پوچھا۔

"محض اپنی یاد داشت کی بناء پر۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ڈیگال نے لوزاٹا کا
کرتے وقت جب لندن میں کار ڈرائیو کرنے والا واقعہ بیان کیا تو میں نے فوراً ہی اندازہ
کہ نور جہاں کوئی عورت نہیں ہو سکتی کیوں کہ اسی نام کا ایک ہیرا بھی تھا اور وہ لندن می
رات کو چرایا گیا تھا جس کی صبح لوزاٹا نے موٹر ڈرائیوری کی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس
میں اس چوری کی بھی خبر تھی اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ لوزاٹا اسی خاندان کا مہا
جس کی ملکیت میں وہ ہیرا تھا۔ چسٹر فیلڈ خاندان، لہٰذا مجھے نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہ لگی۔ ا
بتاؤ کہ عدنان کا اس سے کیا تعلق تھا۔"

"میں پہلے ہی بتا دیتی۔" فوزیہ طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن ڈیگال نے مجھے
دیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس سے والد مرحوم کی نیک نامی پر دھبہ لگے گا۔ اسی لئے اس
لیوکاس نے مجھے بیہوش کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ کم بختوں کا اصل مقصد کیا ہے۔ خیر
یہ ایک شرمناک بات ہے۔ لیکن مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ وہ ہیرا والد مرحوم کے کہنے پر چ
گیا تھا۔ لوزاٹا کا کام ہی یہی تھا۔ معاملہ اسی ہزار پونڈ پر طے ہو گیا۔ والد مرحوم اس ہیر

ئے اتنے بے تاب تھے کہ انہوں نے رقم پیشگی ہی دے دی۔ بعد کو کمبخت معاہدے سے پھر
یا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے ہیرا خود رکھ لیا بلکہ اسی ہزار پونڈ بھی واپس نہیں کئے۔ آپ جانتے
کہ یہ رقم تھوڑی نہیں تھی۔ خیر والد نے تو صبر کر ہی لیا تھا لیکن اس حرام زادے ڈیگال نے
ں بہکایا.... کسی طرح اسے معلوم ہو گیا تھا کہ لوزاٹا انڈیا میں ہے.... وہ انہیں یہاں لایا۔"

"لیکن آخر لوزاٹا یہاں کیوں جھک مارنے آیا تھا....؟" حمید نے کہا۔

"اوہ.... تم نہیں سمجھے۔" فریدی بولا۔ "ہیروں کی چوری اس کا خاص پیشہ تھا اور تم یہ بھی
نتے ہو کہ یہاں عنقریب جواہرات کی بین الاقوامی نمائش ہونے والی ہے۔"

"وہ پورے افریقہ کے لئے مصیبت تھا۔" فوزیہ نے کہا۔ "ایک طاقتور قبیلے کا مذہبی پیشوا
نے کی بناء پر کوئی اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ حالانکہ اس کے سیاہ کارناموں سے
ی واقف تھے۔ کیا وہ ابھی زندہ ہے۔"

"نہیں آج صبح ہسپتال میں مر گیا۔ اس کے پھیپھڑے پھٹ گئے تھے۔"

"آپ ہی کا کام ہے۔" فوزیہ اُسے عجیب نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ جیسا بے
ر آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"اللہ آپکو یہ ہجڑی مبارک کرے۔" حمید نے اردو میں کہا اور اپنا داہنا گال سہلانے

ہوٹل سے واپسی پر حمید نے فریدی سے پوچھا۔ "آپ نے املیگاس والا واقعہ نہیں
"

"اوہ.... وہ بھی دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب ہم سانپوں کو پکڑنے کی تدبیر
رہے تھے تو میں نے مالتی کی جھاڑیوں میں ایک سیاہ سا متحرک سایہ دیکھا اور یہ میں پہلے ہی
نتا تھا کہ ہمارا انجام دیکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہوگا۔ میں تمہیں وہیں چھوڑ کر مالتی
جھاڑیوں کی طرف رینگ گیا۔ وہاں املیگاس موجود تھا۔ میں نے اس پر جلد ہی قابو پالیا
ے لے کر میں کار کی طرف آیا تو تم غائب تھے۔ مجبوراً مجھے دوسرے سانپ کو مارنا ہی پڑا۔

املیگاس کو گھر لا کر میں نے اس کی خاصی مرمت کی تب کہیں اس نے لوزاٹا کی قیام گاہ بتایا۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید تم مجھے تنگ کرنے کے لئے کھسک گئے ہو۔ سمجھ میں نہیں آ بیلا تمہیں وہاں سے کیونکر لے گئی۔"

"کلوروفارم....!" حمید بڑبڑایا۔ "مگر ہائے.... میں اس لڑکی کے لئے رنجیدہ ہوں میں نزاکت بھی ہے اور درندگی بھی....کاش....!"

"اوہو....اگر شادی کا ارادہ ہو تو اسے سرکاری گواہ بنا کر بچالیا جائے گا۔"

"شادی....!" حمید سر کھجاتا ہوا بولا۔ "جہاں تک شادی کا سوال ہے مجھے اپنے ا شادی میں بھی شبہ ہے۔"

اس پر فریدی نے وہ شاندار جھاپڑ رسید کیا کہ نتیجے کے طور پر اُسے خود اپنے ہی مالش کرنی پڑی کیونکہ وہ جھاپڑ حمید کی گال کی بجائے دیوار پر پڑا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 40

پُراسرار وصیت

(مکمل ناول)

جونکوں کا سرپرست

''شام خوشگوار ہے اور پورچ کی محرابوں میں جھولتی ہوئی بیلیں......!''

سرجنٹ حمید اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ وہ پورچ کی محرابوں میں جھولتی ہوئی بیلوں
سلسلے میں کسی نادر تشبیہ کے لئے دیر سے سرمار رہا تھا۔ جب کوئی کام نہ ہو تو مینڈک کا ذہ
شاعری کرنے لگتا ہے۔ پھر حمید تو کافی ذہین تھا اور عرصے سے اُسے کوئی خوبصورت لڑکی نظ
آئی تھی۔ حسن پرستوں کی عام نفسیات یہ ہے کہ وہ کالی کلوٹی لڑکیوں سے شروعات کرتے
اور پھر آہستہ آہستہ مشکل پسند ہوتے جاتے ہیں۔ یعنی پھر مشکل ہی سے کوئی چہرہ ان کے
پر پورا اترتا ہے...... اور پھر ایک خطرناک دور کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ دریچوں میں جھولتی
بیلوں میں حسن تلاش کرنے لگتے ہیں پھر کتوں کی طرح بھونکنے میں ایک ہی آدھ ڈگری کا
رہ جاتا ہے۔

سرجنٹ حمید نے بڑی اداسی سے جھولتی ہوئی بیلوں پر الوداعی نظر ڈالی اور ایک
انگڑائی لے کر کھڑا ہو گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت اسے کہاں جانا چاہئے۔ فریدی بھی گھر پر موجود نہیں
چند لمحے خاموش کھڑا رہا تھا پھر گیراج کی طرف بڑھا۔

دفعتاً ایک چھوٹی سی ٹو سیٹر کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور اسٹیئرنگ کے پیچھے بیٹھی ہوئی
ی پر نظر پڑتے ہی حمید کی عاقبت روشن ہوگئی۔ لڑکی بڑی خوبصورت اور اسمارٹ معلوم ہوتی
ی۔ کار روک کر وہ نیچے اتری۔ وہ سفید سلک کی قمیض اور ہلکے سبز رنگ کی پتلون میں ملبوس
ی۔ سنہرے رنگ اور گھونگھریالے بال پشت پر لہریں لے رہے تھے۔ کانوں میں پڑے ہوئے
نے کے رنگ گالوں کے سلگتے ہوئے ابھاروں کو ہولے ہولے چھو رہے تھے۔ حمید جہاں تھا
ہیں رک گیا۔ لڑکی تیزی سے اس کی طرف آئی۔

''انسپکٹر فریدی......!'' وہ حمید کو نیچے سے اوپر تک گھورتی ہوئی بولی۔

حمید نے بوکھلاہٹ میں سر ہلا دیا۔

''میں آپ سے صاف صاف گفتگو کرنے آئی ہوں...... سمجھے۔'' اُس نے سخت لہجے میں کہا۔

''کہئے......!'' حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

''میں...... لیکن نہیں۔'' وہ اس طرح بولی جیسے بلند آواز میں سوچ رہی ہو۔ پھر اس نے
ڑی بڑی پلکیں اوپر اٹھائیں اب اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ اس نے پھر سر
جھکا لیا اور سینڈل کی نوک سے زمین کریدنے لگی۔

''نہیں...... میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔'' وہ یک بیک اپنی کار کی طرف مڑی۔

حمید متحیرانہ انداز میں گردن جھٹک کر اسے گھورنے لگا۔ وہ کار کے قریب پہنچ کر پھر پلٹی۔
ل گھما کر دروازہ کھولا۔ ایک پیر اندر تھا اور دوسرا باہر......

''یہ سازش ہے۔ کھلی ہوئی سازش......!'' وہ حمید کو گھونسہ دکھا کر بولی اور سیٹ پر دھم سے
کر دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ ساری کمپاؤنڈ میں اس کی آواز پھیل گئی۔ پھر وہ کار
ارٹ کرنے ہی جارہی تھی کہ حمید اس کی طرف لپکا۔

''سنئے تو سہی...... بات کیا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ چیخ کر بولی۔ ''مجھے ذرہ برابر پرواہ نہ کرنی چاہئے لیکن تمہیں
ندگی بھر سکون نہیں نصیب ہوگا۔''

اس نے کار اسٹارٹ کی...... اور حمید کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ جب کار پھاٹک سے گ
وہ چونکا۔ دوسرے لمحے میں وہ تیزی سے گیراج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس نے کار نکالی...... لیکن وہ سرخ رنگ کی ٹوسیٹر سڑک پر نظر نہیں آئی۔ مختلف ر
بڑی دیر تک اسے تلاش کرتا رہا۔ وہ چاہتا تو چوراہوں کے ٹریفک کانسٹیبلوں سے اس ک
پوچھ سکتا تھا مگر چونکہ اسے ایک لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی اس لئے حمید نے مناسب نہ سمجھا۔

وہ عجیب قسم کی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ آخر وہ کون تھی؟ اُس نے گفتگو اس انداز
تھی جیسے فریدی سے اس کا براہِ راست کوئی تعلق ہو لیکن وہ فریدی کو پہچانتی بھی نہ تھی۔

وہ کافی دیر تک خیالات میں الجھا ہوا ایک سڑک سے دوسری سڑک پر کار دوڑاتا ر
بڑی خوبصورت تھی اور اس میں وہ بات ضرور تھی جس سے حمید کے ذہن کے کسی گوشے
عجیب سا احساس کلبلانے لگتا تھا۔ وہ خود بھی آج تک اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکا
تھی کوئی چیز جس کا تجزیہ عام نہیں تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی لڑکی ذہن کے اس ڈھکے چھ
میں ہلچل مچانے میں کامیاب ہوتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے ذہن پر ایک عجیب سی ادا
ہوگئی۔ اداسی جس میں اکتاہٹ کی بجائے ایک ہلکی سی لذت تھی۔

وہ گھر واپس آ گیا۔

اندھیرا پھیل گیا تھا۔ کار گیراج میں کھڑی کر کے حمید بڑی دیر تک لان پر کھڑا ر
کی رانی کی مہک ملگجے اندھیرے سے ہم آہنگ ہو کر اسے اپنی روح کی گہرائیوں م
محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ برآمدے سے ک
بڑھا۔

فریدی کی آواز ڈرائنگ روم میں سنائی دی۔ وہ تنہا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے ڈرائینگ روم کا رخ کیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی دوسرا آدمی خاموش ہ

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''یہ میرے ساتھی ہیں۔''

اور پھر اس نے سر کی جنبش سے حمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کچھ لمحے خاموشی سے گذرے۔ اس کے بعد فریدی نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بھاری
کم آدمی سے کہا۔

''اگر یہ مذاق نہیں تو مجھے ان کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہے۔''

''پہلے مجھے بھی شبہ ہوا تھا۔'' اجنبی نے کہا۔ ''لیکن...... میں ان کے صحیح الدماغ ہونے کی
د بھی پیش کر سکتا ہوں...... اور یہ عجیب بات ہے۔ خود انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس
لیے میں اپنا اطمینان کر لوں۔''

اس نے چمڑے کے بیگ سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے لفافے سے ایک کاغذ نکالا اور تھوڑی دیر تک اس پر نظریں جمائے رہنے کے
ر بولا۔

''اسے میں غلط نہیں کہہ سکتا۔'' اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

''لیکن...... ٹھہریئے۔''

''میں خود بھی الجھن میں ہوں۔'' اجنبی نے کہا۔ ''ان کے اعزہ......!''

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں وہی پرانی پراسرار چمک تھی جو اکثر
نت و خون کی پیش خیمہ بن جایا کرتی تھی۔

''کیس دلچسپ ہے۔'' فریدی نے اجنبی کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی کہا۔

''اچھا میں دیکھوں گا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' اجنبی بولا۔

''آپ میرے پیشے سے واقف نہیں۔'' فریدی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''کیا
پ کو یہ سب کچھ حیرت انگیز نہیں معلوم ہوتا۔ میڈیکل بورڈ کی رپورٹ میرے سامنے ہے اور
ہا ایسے لوگوں کے نام دیکھ رہا ہوں جو غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔''

''بہرحال......!'' اجنبی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا
روں...... یہ سب کتنا مضحکہ خیز ہے۔ میں نے ان کی موجودگی ہی میں ہر پہلو پر غور کرنے کی

کوشش کی تھی اور میں نے کئی بار چاہا تھا کہ آپ سے اس سلسلے میں ملوں...... لیکن
پابندی...... جو مجھ پر عائد کی گئی ہے مجھے روکتی رہی۔''
فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔''اچھا جناب...... میں تیار ہوں لیکن آپ
متعلق کسی سے گفتگو نہیں کریں گے۔ خصوصاً اخباری رپورٹروں سے۔''
''میں خیال رکھوں گا۔'' اجنبی نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔''اچھا اب اجازت د
وہ فریدی اور حمید سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔
حمید فریدی کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس کے ہونٹوں پر شرار
مسکراہٹ تھی۔
''کوئی نئی مصیبت......!'' حمید نے پوچھا۔
''ایک دلچسپ کیس حمید صاحب۔'' فریدی سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے بولا
حمید کی سانس رک گئی۔ موسم بہار میں کسی کیس کی اطلاع اس کے لئے ایسی ہ
کسی شاعر کے ہاتھ میں ارتھمیٹک کا پرچہ پکڑا دیا جائے۔
''مرنے سے پہلے تم کس قسم کی وصیت کرنا پسند کرو گے۔'' فریدی نے حمید ک
میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔
''کیا یہ کوئی ایسا ہی کیس ہے۔'' حمید نے بھی سنجیدگی ہی اختیار کر لی۔
''کیا تم یہ وصیت کرو گے کہ تمہاری دولت چند جونکوں پر صرف کر دی جائے۔''
''مذاق کچھ اچھا نہیں۔'' حمید برا سا منہ بنا کر بولا۔''بلکہ یہ مذاق ہی نہیں۔''
''مذاق نہیں! میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔'' فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔
ایک متمول آدمی نے یہ وصیت کی ہے کہ اس کی دولت چند جونکوں پر صرف کی جائے۔
''اوہ......!'' حمید فریدی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔''تو یہ ابھی اسی وصیت کے متع
ہو رہی تھی۔''
''ہاں...... کیا تم اسے نہیں جانتے۔''

''نہیں...... لیکن کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ اُسے کہیں دیکھا ضرور ہے۔''
''اوہو...... تم اسے نہیں جانتے۔ یہاں کا مشہور وکیل جعفری ہے اور وصیت کرنے والے
قانونی مشیر بھی۔''
''لیکن وصیت کس نے کی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کس احمق نے۔''
''سر مخدوم سے واقف ہو۔'' فریدی نے پوچھا۔
''سر مخدوم...... اوہ...... وہی تو نہیں جو چند روز پہلے جل کر مرا تھا۔''
''ٹھیک سمجھے...... وہی......!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔
''تب تو معاملہ صاف ہے۔ اس نے خود ہی اپنے مکان میں آگ لگائی ہوگی۔''
''کیوں......؟''
''کیوں کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔'' حمید نے کہا۔''اس قسم کی وصیت کی موجودگی میں یہ
سئلہ بالکل ہی صاف ہو جاتا ہے۔ ایک بچہ بھی یہی کہے گا کہ اس کا دماغ خراب تھا۔''
''بچہ سو فیصدی یہی کہہ رہا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔''لیکن فرزند ابھی میں شہر کے
ربرآوردہ ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ دیکھ رہا تھا جس میں سب نے بیک قلم یہ رائے ظاہر کی ہے کہ
رمخدوم قطعی صحیح الدماغ ہیں۔''
''ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''
''اوہ تم تو اب واقعی بچوں ہی کی سی باتیں کرنے لگے ہو۔'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔
اگر تمہارے پاس کوئی آدمی اس قسم کی وصیت محفوظ کرانے کے لئے آئے تو کیا تم اسے صحیح
دماغ سمجھو گے۔''
حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''ٹھیک یہی واقعہ جعفری کے ساتھ پیش آیا۔ جب سر مخدوم نے اس سے اس قسم کی
ئیت کا تذکرہ کیا تو اسے اس کی ذہنی حالت مشتبہ معلوم ہوئی لیکن خود سر مخدوم ہی نے یہ
شواری بھی رفع کر دی۔ قبل اسکے کہ جعفری کچھ کہتا سر مخدوم نے اپنے ڈاکٹری معائنے کی تجویز

پیش کردی۔ تا کہ بعد کو اسکی ذہنی حالت پر شبہ کر کے وصیت غیر قانونی نہ قرار دے دی جا

"تب تو میں اسے پاگل نہیں کہتا...... کیا اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔"

"کیوں نہیں...... پورا خاندان تھا...... جو اسی کے ٹکڑوں پر اب بھی پل رہا ہے۔ البتہ اولاد نہیں تھی...... بھائی بھتیجے کئی عدد ہیں۔"

"واقعی کیس دلچسپ ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"پورے واقعات سننے کے بعد تمہاری دلچسپی اور زیادہ بڑھ جائے گی۔" فریدی کر کہا۔

"غالباً پورے واقعات آپ اسی ہفتے کے اندر ہی سنا دیں گے۔"

"ابھی......!" فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ "اور اسی سر مخدوم وصیت نامہ مرتب کرنے کے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد جل کر مر گئے۔ اُن کی ہدایہ کہ اس وصیت کے متعلق ان کی موت کے بعد ہی کچھ بتایا جائے۔"

"ہمپ......!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "معاملہ پیچیدہ ہے۔"

"اب اس لطیفے کا دوسرا ٹکڑا سنو...... وصیت کے مطابق جونکوں کی خبر گیری کے لئے ایک آدمی ہونا چاہئے۔ یعنی ان جونکوں کا سرپرست۔ یا دوسرے لفظوں میں ایک ایسا آد حقیقتاً سر مخدوم کی دولت کا مالک ہو۔"

"قطعی......!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "آپ بیان جاری رکھئے۔ مجھے کافی مزہ آ رہا ہے۔"

"ابھی اور آئے گا۔" فریدی ہنس پڑا۔

"مگر یہ تو کوئی لطیفہ نہ ہوا۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اور ان جونکوں کا سرپرست کسے بنایا گیا؟" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا "کیا تم سُننا پسند کرو گے۔"

"سنائیے صاحب۔" حمید نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"تو سنو! اُن جونکوں کا سرپرست...... یہ ناچیز...... یعنی احمد کمال فریدی ہے۔"

"کیا......؟" حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں...... یہ وصیت نامہ کے الفاظ ہیں۔ پندرہ جونکیں پالی جائیں اور دولت کا حبہ حبہ اُن رف کر دیا جائے۔ جائیداد کا منتظم احمد کمال فریدی...... انسپکٹر آف سنٹرل سی آئی ڈی ہوگا اور انتظامی اُمور کے سلسلے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوگا۔ یعنی مختار کل سیاہ کرے یا سفید۔"

"کیا سر مخدوم آپ کے کوئی عزیز تھے۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"قطعی نہیں...... شاید ایک یا دو بار ملاقات ہوئی تھی۔ وہ محض رسمی طور پر۔"

"ابھی آپ نے سر مخدوم کے دوسرے اعزہ کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں وہ کئی ہیں اور ان کے متعلق بھی وصیت میں کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن وہ صرف میری ی پر منحصر ہے اگر میں چاہوں گا تو انہیں وہ رقم جو سر مخدوم کی زندگی میں ملتی تھی ملتی رہے گی نہیں۔"

"ذرا ٹھہریئے......!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان لوگوں میں کوئی لڑکی بھی ہے۔"

"ہاں شاید تین لڑکیاں۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تب وہ انہیں میں سے ایک رہی ہوگی۔" حمید بڑبڑایا۔

"کون......!"

حمید نے فریدی کو اس لڑکی کے متعلق بتایا جو سرخ رنگ کی ٹوسیٹر پر آئی تھی۔

"ہوں......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ انہیں میں سے ہو۔ ظاہر ہے وہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔"

"لیکن آخر یہ ہوا کس طرح۔ اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔"

"مطلب...... صاف ظاہر ہے کہ کوئی غیر معمولی حادثہ...... سر مخدوم کی موت اتفاقیہ نہیں ہوسکتی۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید نے کہا۔ "شاید ہمارا محکمہ بھی اس بات پر متفق ہے وہ اتفاقیہ ہی حادثہ تھا۔"

"اس وصیت سے دو چار ہونے سے قبل میرا بھی یہی خیال تھا مگر اب تم خود سوچو۔"

"میں سوچ رہا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر اس میں ایک دشواری ہے۔ اس
وصیت مرتب کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ سرمخدوم کو خدشہ تھا کہ اس طرح کا کوئی حاد
پیش آئے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو"

"لیکن پھر......! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرمخدوم نے پولیس کی مدد حاصل کر
بجائے وصیت کیوں مرتب کی۔"

"کیا میرا تعلق پولیس سے نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب! اب وہ مرجانے کے بعد آپ سے مدد لے رہا ہے۔ مگر نہیں....
ہے کہ مرنے کے بعد اس کا دماغ بالکل ہی خراب ہوگیا ہو۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "وصیت کی رو سے مجھے اب سرمخدوم
میں ہی قیام کرنا پڑے گا۔ جائیداد کے منتظم کے لئے ضروری ہے۔"

وہ لوگ

سرمخدوم کی کوٹھی شہر کے ایک ایسے حصے میں واقع تھی جہاں گھنی آبادی نہیں تھی۔
قریب و جوار میں صرف چند کوٹھیاں اور تھیں اس کے باوجود بھی اس حصے کا شمار شہ
آبادی میں ہوتا تھا اور مونسپل کارپوریشن کے اجلاسوں میں خاص طور سے اس کا نام لیا جا
صرف پانچ یا چھ کوٹھیوں کے لئے میونسپل کارپوریشن کے کلرکوں کو کافی مغز ماری کرنی پڑتی
سرمخدوم کی کوٹھی ان میں سب سے زیادہ شاندار تھی اور اس کے گرد تقریباً چار فرلانگ
چوڑی چہار دیواری تھی جس میں پائیں باغ اور عقبی پارک سبھی کچھ تھے۔ شمالی مغربی گو
گیراج تھا جس میں کئی کاریں کھڑی رہتی تھیں۔ ایک اصطبل بھی تھا جس میں ریس کے گھ

رکھے جاتے تھے۔ اصطبل سے ہی متصل نوکروں کی رہائش کے کوارٹر تھے۔ جنوبی مشرقی کونے پر
وہ چھوٹی سی عمارت تھی جو کبھی آؤٹ ہاؤز کے نام سے یاد کی جاتی رہی ہوگی۔ مگر اب تو وہ جلی
ہوئی سیاہ اینٹوں اور آدھ جلے دروازوں کا ڈھیر تھا۔ سرمخدوم اسی عمارت میں جل کر مرے تھے۔
وہ وہاں تنہا ہی تھے۔ آگ لگی۔ لیکن انہیں باہر نکلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس سلسلے میں کئی طرح کی
روایتیں مشہور تھیں۔ لیکن اخبارات میں صرف اتنا ہی آیا تھا۔

سرمخدوم عادات و اطوار سے عجیب تھے۔ اس لئے ان کے اس طرح جل مرنے پر کم از
کم ان کے حلقے کے لوگوں کی طرف سے اظہار حیرت نہیں کیا گیا۔ وہ بہت زیادہ موڈی آدمی
تھے..... اور اسی حد تک جذباتی بھی۔ ان کے شناساؤں کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ شاید انہوں
نے آؤٹ ہاؤز میں آتش بازی سے شوق کیا ہو اور اس طرح آگ لگ گئی ہو۔ سرمخدوم کو آتش
بازی سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ شب برات کے زمانے میں وہ اپنے ہاتھوں سے مختلف قسم کی
آتش بازیاں بناتے تھے۔ بات یہ تھی کہ سرمخدوم خاندانی رئیس نہ تھے۔ انہوں نے خود اپنے
قوت بازو سے یہ پوزیشن حاصل کی تھی۔ کسی زمانے میں وہ عام آدمیوں کی طرح سڑک کے
کنارے کھڑے ہوکر مسالے کی چاٹ بھی کھایا کرتے تھے لہٰذا دولت مند اور خطاب یافتہ
ہوجانے کے بعد بھی ان میں یہ عام آدمی..... تھوڑا بہت باقی رہ گیا تھا اور اسی بناء پر وہ اپنے
طبقے میں عادات و اطوار کے لحاظ سے عجیب سمجھے جانے لگے تھے۔ بہرحال وہ خطاب یافتہ
ہوجانے کے بعد سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر بارہ مسالہ کی چاٹ تو نہیں کھاتے تھے مگر شب
برات کا چاند دیکھ کر شاید شہر میں سب سے پہلے ہوائی وہی داغتے تھے۔ اس کے بعد شب برات
تک کے لئے آؤٹ ہاؤز اچھا خاصا بارود خانہ بن کر رہ جاتا تھا۔ وہ شب و روز وہیں رہ کر مختلف
قسم کی آتش بازیاں بنایا کرتے تھے۔ غالباً اسی لئے ان کے بعض حاسدوں نے یہ افواہ اڑادی
تھی کہ ان کے باپ دادا آتش باز تھے۔

جب ایک رات آؤٹ ہاؤز میں آگ لگی تو لوگ اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکے کہ
آتش بازی کا شوق رنگ لایا۔

سرمخدوم کا کنبہ کافی تھا۔ خود انہوں نے تو سرے سے شادی ہی نہیں کی تھی لیکن بھائی
کئی عدد تھے اور پورا کنبہ کم وبیش بارہ نفوس پر مشتمل تھا۔ ان میں چھوٹے بچے بھی شامل تھے
جس وقت فریدی کی کیڈیلاک کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی کنبے کے بیشتر افراد
ناشتے سے فارغ ہوکر برآمدے میں آبیٹھے تھے۔

فریدی کے ساتھ سولیسٹر جعفری بھی تھا اور سرجنٹ حمید اپنے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا
مرتبان اٹھائے ہوئے تھا جس میں پندرہ عدد جونکیں تھیں اور اس کا دل خوشی سے ناچ رہا
کیونکہ برآمدے میں اسے وہ لڑکی بھی نظر آئی تھی جس کے متعلق اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا
مخدوم کے خاندان والوں نے انہیں تنفر آمیز نظروں سے دیکھا۔ معاملات کو سمجھنے کے لئے
دو اجنبیوں کے ساتھ جعفری کی موجودگی ہی کافی تھی۔ اگر وہ بھی نہ ہوتا تو وہ جونکوں والا م
ہی انہیں سب کچھ سمجھا دیتا۔

وہ برآمدے کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن سرمخدوم کے خاندان والوں میں سے کسی نے
جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ فریدی پورچ میں رک کر بڑے بے تعلقانہ انداز میں ادھر اُدھر
رہا پھر بولا۔ ''یہ عمارت تبدیلی کے لئے خاصی خوشگوار ثابت ہوگی مجھے پسند آئی۔''

فریدی نے یہ جملہ اتنی اونچی آواز میں کہا تھا کہ برآمدے میں بیٹھے ہوئے لوگ بہ آ
سن سکیں۔ حمید نے دیکھا کہ وہی لڑکی جھپٹ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور برآمدہ طے کر کے
فریدی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹ پھڑک رہے تھے سانس پھول رہی تھی او
کی لویں سرخ ہوگئی تھیں۔

''چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ پھاٹک کی طرف ہاتھ تان کر حلق کے بل چیخی۔

فریدی بڑی سنجیدہ اور ترحم آمیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بھی تیز قدموں سے چلتا ہوا پورچ میں آ گیا اور اس
لڑکی کا بازو پکڑ کر کہا۔ ''صوفیہ...... بدتمیزی ہے...... بداخلاقی ہے......'' پھر وہ فریدی
بولا۔ ''معاف کیجئے گا...... یہ ابھی ناسمجھ ہے۔''

''اوہ...... کوئی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''مجھے محض مرحوم کی وصیت کا پاس ہے
رنہ میں بہت مشغول آدمی ہوں اور مجھے سب سے زیادہ آرام اپنے گھر ہی پر ملتا ہے۔''

''تو پھر یہاں تمہیں تکلیف ہی تکلیف ہوگی۔'' صوفیہ جلدی سے بولی۔ ''ایک رات بھی
ین سے نہ سوسکو گے۔''

''میں مرحوم کے لئے سب کچھ برداشت کرلوں گا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''صوفیہ اندر جاؤ۔'' معمر آدمی نے لڑکی کو ڈانٹا اور وہ جھلاہٹ میں پیر پٹختی ہوئی اندر چلی
ئی۔ حمید کو بڑا افسوس ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ جونکوں والا مرتبان اس آدمی کے سر پر پٹخ
ے۔ برآمدے میں دو لڑکیاں اور تھیں لیکن وہ صورت ہی سے احمق معلوم ہوتی تھیں۔ حمید کا
یال تھا کہ غیر ذہین لڑکیاں Reshonsive نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ ان کی طرف دھیان بھی
ہیں دیتا تھا، خواہ وہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہوں۔ اس کے برخلاف بعض کلوٹیاں محض اپنی
ہانت کی بناء پر اسے اپنی طرف متوجہ کرلیتی تھیں چاہے ان کے پیرٹ[1] کتنے ہی بھدے کیوں نہ
وں۔ وہ ذہانت کا پجاری تھا۔ ذہانت جو چہرے ہی سے ظاہر ہوجائے۔

''کیا آپ مجھے تھوڑا وقت دیں گے۔'' معمر آدمی نے فریدی سے کہا۔

''ضرور...... بڑی خوشی سے۔'' فریدی بولا۔

وہ انہیں ایک کمرے میں لایا۔ حمید نے جونکوں کا مرتبان میز پر رکھ دیا اور خود فریدی کے
رابر بیٹھ گیا۔ جعفری کی نظریں معمر آدمی کے چہرے پر تھیں۔

''کیا آپ کو یہ سب کچھ مضحکہ خیز نہیں معلوم ہوتا۔'' معمر آدمی نے فریدی سے کہا۔

''معلوم تو ہوتا ہے...... مگر مجبور ہوں۔ مرحوم کی وصیت...... میں انکی بہت عزت کرتا تھا۔''

''اور آپ کو یقین ہے کہ وہ کسی صحیح الدماغ آدمی کی وصیت ہے۔''

''ایک موڈی آدمی کی وصیت۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''جو مرنے کے بعد بھی لوگوں کو
حیرت میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔ کیا سرمخدوم اپنی زندگی میں تحیر پسند نہیں تھے۔''

''تھے...... مجھے اس سے انکار نہیں۔ لیکن آپ جیسا آدمی اس قسم کے چکر میں پڑ جائے۔

[1] پیرولی کا دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول ''سیاہ پوش لٹیرا'' جلد نمبر 10 ملاحظہ کیجئے۔

یہ البتہ میرے لئے تحیر انگیز ہے۔"

"ہے نا تحیر انگیز......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں یہی کہہ رہا تھا کہ سر مخدوم نے ہ
کو تحیر میں چھوڑا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر معمر آدمی نے آہستہ سے کہا۔

"اگر اس وصیت نامے کی قانونی حیثیت کو عدالت میں چیلنج کیا گیا تو آپ کی کیا پوز
ہوگی۔"

"مجھے بڑی خوشی ہوگی اور آپ اس کے مصارف مجھ سے لے سکتے ہیں۔" فریدی
کہا۔ "مجھ پر تو ایک قسم کا فرض عائد ہو کر رہ گیا ہے جس کی تکمیل ضروری ہے۔"

"تو کیا آپ یہاں قیام کریں گے؟"

"یقیناً......!" فریدی بولا۔ "وصیت کے مطابق یہ ضروری ہے۔"

"جہنم میں گئی وصیت......" معمر آدمی نے کرسی کے ہتھے پر گھونسہ مار کر کہا۔ "میں
بکواس سمجھتا ہوں...... بھائی صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔"

"خوب......!" فریدی چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اور اس کے باوجود بھی آپ لو
نے انہیں مہمان خانہ میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ نہ صرف تنہا بلکہ آتشبازی کے ذخیرے کے ساتھ......

معمر آدمی خاموشی سے فریدی کو گھورنے لگا۔ پھر اس کی نظریں جونکوں کے مرتبا
طرف اٹھ گئیں جسے وہ کراہیت سے ہونٹ سکوڑے ہوئے دیکھتا رہا۔ اچانک وہ جعفر
طرف دیکھ کر بولا۔

"میں ساری چالیں سمجھتا ہوں...... اپنے بال دھوپ میں نہیں سفید کئے۔"

"چالیں......!" جعفری حیرت سے بولا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں...... میں نے سینکڑوں داستانیں پڑھی ہیں۔ وکیلوں
ہتھکنڈے۔ وہ کس طرح اپنے موکلوں کی طرف سے جعلی وصیتیں بناتے ہیں۔"

"غالباً آپ جاسوسی ناولوں کی باتیں کر رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن

وصیت جعلی نہیں۔ اس پر گواہوں کی حیثیت سے چند معززین نے اپنے دستخط کئے ہیں۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے...... کیا نہیں ہو سکتا۔" معمر آدمی سر ہلا کر بولا۔

"دیکھئے مسٹر ناصر......" جعفری نے جھلا کر کہا۔ "آپ مجھ پر نہ صرف اتہام لگا رہے
ہیں بلکہ میری توہین بھی کر رہے ہیں۔"

"یہ معاملہ عدالت میں ضرور جائے گا۔" معمر آدمی نے کہا، پھر فریدی سے بولا۔

"میں اس وصیت کے سلسلے میں عذر داری کروں گا...... اس لئے آپ اس عمارت میں
قیام نہیں کر سکتے۔"

"قیام تو میں یہیں کروں گا۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "آپ نے پہلے ہی وصیت کے
خلاف درخواست دے کر امتناعی حکم کیوں نہیں لے لیا۔ اب تو جب تک سرکاری طور پر مجھے
یہاں سے ہٹنے پر مجبور نہ کیا جائے میں نہیں ہٹ سکتا۔ اس لئے میری ایک بات اور سن
لیجئے...... اگر آپ نے عدالتی کاروائی کر کے مجھے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کی تو آپ سب
ایک بہت بڑی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔"

"کیا مطلب......!" معمر آدمی اُسے گھورنے لگا۔

"مطلب صاف ظاہر ہے...... ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ میں پھاڑ دوں گا...... اس کے بعد
اس وصیت کو ایک پاگل آدمی کی وصیت ثابت کر دینے میں دیر نہیں لگے گی۔"

"یہ تو آپ اپنے ہی خلاف کریں گے۔" جعفری بوکھلا کر بولا۔

"سنتے جائیے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس کے بعد پولیس اس عمارت کے گرد شکاری
کتوں کی طرح منڈلانے لگے گی۔ آخر ایک پاگل آدمی کو آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ
مہمان خانے میں تنہا کیوں چھوڑا گیا۔ یقیناً ان کے اعزہ اس کی موت کے خواہاں تھے۔ کیوں؟
دولت کے لئے؟"

معمر آدمی کے چہرے کی سرخی غائب ہوگئی...... تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"اس وقت تک قیام کرنا جب تک کہ یہ ساری جونکیں مر نہ جائیں۔" فریدی نے انہ
سنجیدگی سے کہا۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" معمر آدمی بگڑ گیا۔

"سنئے تو سہی...... آپ سمجھے نہیں۔ وصیت میں یہی ہے نا کہ دولت کا حبہ حبہ ان
جونکوں پر صرف کردیا جائے لیکن ان کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں و
کچھ نہیں کہتی۔ غالباً جونکوں کے بعد آپ ہی لوگ جائیداد کے وارث ہوں گے اور جونکو
سرپرست یعنی یہ خاکسار اپنے اعزازی عہدے سے سبکدوش ہوجائے گا۔"

"شاید آپ کے دماغ میں بھی خلل ہے۔" معمر آدمی نے کہا۔

"چلئے یہی سہی......!" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں سرمخدوم کی وصیت کا احترام
کروں گا...... خواہ وہ پاگل پن ہو یا اس سے بھی بُری کوئی چیز......!"

"لیکن آپ ان گندے کیڑوں کو یہاں نہیں رکھ سکیں گے۔" وہ جونکوں کے مرتبا
طرف اشارہ کرکے جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

"دیکھئے جناب!" حمید نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ "آپ ان معزز جونکو
توہین نہیں کرسکتے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً لیڈی کہلانے کی مستحق ہوگی۔ ایک نائٹ کی د
ہونے کی بناء پر۔"

معمر آدمی دانت پیس کر رہ گیا۔

"آپ کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" فریدی نے بڑے نرم لہجے میں کہ

"میں سب سمجھتا ہوں......!" معمر آدمی سر ہلا کر بولا۔ "آپ کو شبہ ہے آپ سمجھ
کہ ہم میں سے ہی کسی نے مہمان خانے میں آگ لگائی تھی۔"

"اگر آپ سرمخدوم کو پاگل تصور کرتے ہیں تو یقیناً مجھے یہی سوچنا چاہئے۔"

"نہیں وہ پاگل نہیں تھے۔" معمر آدمی نے جھلا کر کہا۔

"تب پھر یہ وصیت سوفیصدی جائز ہے۔"

"قانون اسے ناجائز قرار دے گا۔" وہ کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اوہو! مجھے اس کی فکر نہیں جب تک قانون فیصلہ کرے گا مجھے یہیں رہنا ہوگا۔ ہوسکتا
، کہ اس سے پہلے ہی جونکیں مرجائیں۔ پھر سب کچھ آپ ہی کا ہے۔"

"یہ ابھی مرجائیں گی۔" دروازے کے قریب سے ایک غصیلی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑے۔
صوفیہ اپنے ہاتھ میں ایک وزنی سا ہتھوڑا لئے کھڑی تھی۔

"ناممکن...... ناممکن......" حمید نے جھپٹ کر مرتبان میز سے اٹھالیا۔ "انہیں زندہ رہنا
...... یہ غیر فانی معزز جونکیں...... ان میں یقیناً ایک لیڈی ہے۔"

"صوفیہ......!" معمر آدمی کی تیز آواز کمرے میں گونجی۔

"آپ نہیں سمجھتے۔" صوفیہ نے کہا۔ "یہ لوگ ہمیں پریشان کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں...... تم اندر جاؤ۔"

"خیر پھر سہی" صوفیہ حمید کو گھورتی ہوئی چلی گئی...... اس بار پھر حمید کو اس آدمی پر تاؤ آیا۔

"یہ سب بچے بہت شیطان ہیں۔" معمر آدمی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مجھے شریر بچے پسند ہیں۔" فریدی کی جوابی مسکراہٹ اس سے بھی زیادہ معنی خیز تھی۔

فریدی اور حمید سچ مچ یہاں قیام کرنے کے لئے آئے تھے لہٰذا انہیں دنیا کی کوئی طاقت
ا سے نہیں روک سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے قیام کے لئے وہی کمرے منتخب کئے جن کا تعلق
ف سرمخدوم سے تھا۔ گھر والوں نے نہ انہیں دوپہر کے کھانے کے لئے پوچھا اور نہ شام کی
ئے کے لئے۔ نوکر بھی کافی چھٹے چھٹے نظر آرہے تھے۔ حکم ماننا تو الگ رہا وہ ان کا نوٹس ہی
ں لیتے تھے۔ مجبوراً فریدی کو اپنے دو نوکر بلوانے پڑے۔ یہ رنگ دیکھ کر حمید بور ہونے لگا
لے وہ سمجھا تھا کہ شاید سرمخدوم کے خاندان والے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

"اے جونکوں کے مربی۔" اس نے فریدی سے کہا۔ "میں خود کو اچھوت محسوس کرنے لگا
ل اگر اجازت ہو تو میں دل بہلانے کے لئے برخوردار بغرا خاں کو یہاں لاؤں۔"

"نہیں بہت زیادہ مضحکہ خیز بننے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں تمہیں گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"میں انتہائی درجہ شکر گذار ہوں گا۔"

"تم غلط سمجھے! تمہیں چھٹی نہیں دے رہا ہوں۔ تجربہ گاہ سے ایم سی فورٹین کی بوتل اور گوشت کے دو تین ٹکڑے بھی۔ ورنہ ہم رات کو باہر نہیں نکل سکیں گے۔"

"کیوں.....؟"

"ان کے رکھوالی کرنے والے کتے کٹکھنے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ رات کو کمپاؤنڈ چھوڑے گئے تو باہر نکلنا دشوار ہوگا۔"

"باہر نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"بکومت..... کیا تم سمجھتے ہو کہ میں سچ مچ یہاں جونکوں کی پرورش کرنے آیا ہوں۔"

"مگر..... وہ لڑکی..... صوفیہ۔" حمید گردن کھجاتا ہوا بڑبڑایا۔

"وہ ہمیں پریشان کرسکتی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر میں تمہاری صلاحیتوں طرف سے کبھی مایوس نہیں ہوسکتا۔"

"کلیجہ گز بھر کا ہوگیا۔" حمید نے خود ہی اپنی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"اچھا بس..... اب جلدی سے جاؤ۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی ہمیں تیاریاں مکمل کرلینی ہیں۔"

حمید چند لمحے فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر باہر چلا گیا۔

اندھیرے میں کون؟

کمپاؤنڈ میں گہری تاریکی مسلط تھی۔ فریدی اور حمید دروازہ کھول کر دبے پاؤں باہر چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ کتوں کا انتظام وہ پہلے ہی کر چکے تھے اور شاید وہ کمپاؤنڈ کہیں بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ فریدی کا خیال تھا کہ صبح سے قبل اگر وہ ہوش میں آ بھی

اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں گے۔ ان میں بھونکنے کی بھی سکت نہ ہوگی۔ شاید صرف اونگھ اونگھ کر اتے رہیں گے۔ گھر والوں کو ان رکھوالی کرنے والے السیشن کتوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ انہوں نے چوکیدار بھی نہیں رکھے تھے۔ چہار دیواری کے پھاٹک پر صرف ایک آدمی رہتا تھا لیکن ارت سے پھاٹک کا فاصلہ دو فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا اس لئے انہیں اس کی چنداں رنہیں تھی۔

وہ دبے پاؤں مگر تیزی سے چلتے ہوئے مہمان خانے کے ملبے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس نے مڑ کر عمارت پر نظر ڈالی۔ جو بدستور تاریکی میں نہائی ہوئی ڑی تھی۔ پھر اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور ملبے کے ایک ڈھیر پر جھک پڑا۔ ٹارچ کی نی کی ایک باریک سی لکیر آہستہ آہستہ ادھر اُدھر رینگ رہی تھی۔

حمید چپ چاپ فریدی کے ساتھ ادھر سے ادھر حرکت کر رہا تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ یدی نے یہ سب کیوں کیا ہے اور نہ ہی اس نے پوچھنے کی زحمت گوارا کی تھی۔

قریب قریب آدھے گھنٹے تک فریدی ان ڈھیروں کو کریدتا رہا۔ پھر اس نے حمید کی مدد ے ایک دبے ہوئے ادھ جلے دروازے کو ڈھیر سے نکالا۔ چند لمحے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر رچ کی روشنی بند کر کے سیدھا کھڑا ہوگیا۔

"یہ کون ہے۔" اچانک اس نے آہستہ سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

"کدھر.....؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔

فریدی نے ایک طرف اندھیرے میں اشارہ کیا اور پھر حمید وہاں تنہا رہ گیا..... فریدی کی طرف اندھیرے میں رینگ گیا تھا۔

دفعتاً حمید کے داہنے شانے سے کوئی چیز زور سے ٹکرائی۔ ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ داہنے انے پر آنچ سی محسوس ہوئی اور حمید لڑکھڑا گیا۔ پھر اس کی پیٹھ پر بھی ویسا ہی ایک دھماکہ ہوا اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔

"گولی لگی.....!" اس کے ذہن نے تیزی سے دہرایا اور پھر اس کا سر گھومنے لگا۔

پسلی میں گولی...... پھیپھڑے میں گھس گئی ہوگی...... پھر موت...... اس کا دم گ

لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ تکلیف کا احساس نہ تو شانے میں ہے اور نہ پسلی ہی میں۔

اس نے زمین پر پڑے پڑے اپنے شانے پر ہاتھ پھیرا...... پسلی ٹٹولی...... کہیں کچھ بھی نہ تو گرم گرم خون کی نمی اور نہ کوئی سوراخ...... وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا اور پھر ایک تیسرا دھا اُسے اپنے پیروں کے پاس چمک دکھائی دی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"لاحول ولاقوۃ...... پٹاخے......!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

پھر قریب ہی اسے اس قسم کی آوازیں سنائی دیں جیسے دو آدمی ایک دوسرے پڑے ہوں۔

"حمید تم زندہ ہو یا مر گئے۔" اس نے فریدی کا ہلکا سا قہقہہ سنا۔ حمید آواز کی طرف فریدی کسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھا۔

"یہ شریر لڑکی......!" فریدی ہنستا ہوا بولا۔

"چھوڑو مجھے۔" حمید نے ایک نسوانی آواز سنی جو صوفیہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہوسک پھر وہ بے بسی سے ہنسنے لگی۔

"تمہیں شاید سر مخدوم کے قاتل سے ہمدردی ہے۔" فریدی بولا۔

"میں نہیں جانتی! تم لوگ یہی سمجھتے ہو کہ چچا جان کو ہم لوگوں نے مار ڈالا ہے اس لئے یہاں آئے ہو...... مگر یہ بکواس ہے...... ہم سب انہیں بے حد چاہتے تھے۔"

"تم صرف اپنے متعلق اتنے وثوق سے کہہ سکتی ہو۔" فریدی بولا۔

"میں سب کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ ان میں پلی بڑھی ہوں۔ کوئی اتنا کمینہ نہیں"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ خاندان ہی کا کوئی فرد ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر اس طرح چوری چھپے تحقیقات کا کیا مطلب......!" صوفیہ بال کی کھال نکا تل گئی تھی۔

"محض اس لئے کہ میں سرکاری طور پر کام نہیں کر رہا۔" فریدی نے کہا۔ "پولیس

ر کرا دیا گیا ہے کہ یہ ایک اتفاقیہ حادثہ ہے۔ ممکن ہے سر مخدوم نے کسی نئی قسم کی آتشبازی کا یہ کیا ہو اور بارود کے ذخیرے تک اس کی چنگاریاں پہنچ گئی ہوں۔"

"اور یہ قطعی درست نظریہ ہے۔" صوفیہ اپنی پتلون کی جیبیں ٹٹولتی ہوئی بولی۔ "اس کے وہ اور کچھ نہیں ہوا......!"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔"

"اس طرح......!" صوفیہ نے جیب سے کوئی چیز نکال کر حمید کے پیر کے پاس پٹخ دی۔ کہ ہوا اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ صوفیہ ہنسنے لگی۔

"شرارت بند کرو...... جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے کیا پوچھا تھا۔"

"تمہارا شبہ کسی پر ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کسی پر بھی نہیں۔"

"میں گھر والوں کے متعلق نہیں پوچھ رہا ہوں۔"

"تو کوئی باہری بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ ہمارے کتے بہت رناک ہیں۔"

"اس وقت وہ کہاں ہیں۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اوہ......!" صوفیہ چونک پڑی۔ "کہاں ہیں...... واقعی وہ کہاں ہیں؟" اس نے خود ے سوال کیا۔ پھر جلدی سے بولی۔ "کیا تم نے انہیں مار ڈالا۔"

"قطعی نہیں...... لیکن وہ صبح تک گہری نیند سوتے رہیں گے۔"

"بیہوش کر دیا......!" صوفیہ اچھل کر بولی۔

"ہاں...... اور اسی طرح کوئی دوسرا بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہو سکتا ہے۔"

صوفیہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔ "تم صاف صاف کیوں نہیں تے کہ تمہیں خاندان ہی کے کسی آدمی پر شبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی باہری یہ حرکت کیوں کرنے لگا۔"

"تم کافی سمجھ دار ہو...... ہاں میں یہی سمجھتا ہوں۔"

"تو پھر...... وہ تو میں بھی ہوسکتی ہوں۔ کیونکہ چچا جان مجھے سب سے زیادہ
تھے......اور اکثر کہا کرتے تھے کہ جائیداد کا سب سے بڑا حصہ مجھے ہی دیں گے۔"

"تم......!" فریدی انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ "ہرگز نہیں......تم سرمخدوم کی قاتل
ہوسکتیں۔ اگر تم کسی کو قتل کرسکتی تو پھر فرشتوں پر بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔"

"کیوں......کوئی پیشانی پر تو کچھ لکھا نہیں ہے۔"

"تمہاری پیشانی پر لکھا ہے......صرف ایک لفظ......وفادار......تم سرمخدوم کیلئے اپ
بھی دے سکتی تھیں اور میں نے یہ لفظ پورے خاندان میں صرف تمہاری ہی پیشانی پر دیکھا۔"

فریدی کا تیر پیشانی پر بیٹھا تھا۔ صوفیہ کے ہونٹوں کے گوشے کانپ رہے تھے اور وہ آ
پھاڑ پھاڑ کر ان آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کررہی تھی جو پھوٹ بہنے کیلئے اکٹھا ہورہے ت

"تم سرمخدوم سے بے انتہا محبت کرتی تھیں۔" فریدی نے تپتے ہوئے لوہے پ
ضرب لگائی اور صوفیہ سچ مچ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ بہت زیادہ جذباتی معلوم ہو
لیکن ساتھ ہی ساتھ خود آگاہ بھی۔ کیونکہ اس نے فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پالیا اور ا
معلوم ہورہا تھا جیسے وہ اپنی اس حرکت پر بہت زیادہ شرمندہ ہو۔

"پہلے مجھے صرف شبہ تھا......لیکن اب۔" فریدی قدرے توقف کے ساتھ بولا۔
ب یقین ہوگیا ہے کہ سرمخدوم کا جل کرمرنا اتفاقیہ نہیں تھا۔ اگر وہ آگ کے نرغے سے ن
چاہتے تو نہیں نکل سکتے تھے۔"

"کیوں......؟" صوفیہ چونک پڑی۔

"سارے دروازے باہر کی طرف سے بولٹ کردیئے گئے تھے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

فریدی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد پو

"باہر کے سارے دروازے سرخ رنگ کے تھے نا......!"

"ہاں......آں......!"

"تو آؤ......میں تمہیں دکھاؤں۔"

وہ پھر ملبے کے ڈھیروں کے قریب آگئے۔ فریدی نے اُسے سرخ رنگ کے تین
روازے دکھائے، جو دونوں طرف سے بولٹ تھے۔ حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے
ا۔ اس نے بھی اُسے ان دروازوں کو الٹتے پلٹتے دیکھا تھا لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی
ی کہ اس کا مقصد کیا تھا۔

"کسی نے بھی اسکی طرف دھیان نہیں دیا۔" صوفیہ فریدی کی طرف مڑکر آہستہ سے بولی۔

"بہر حال تم اُسے کیا کہو گی۔"

"ہوسکتا ہے کہ بعد کو کسی نے بولٹ کردیا ہو۔"

"ناممکن......میں نے انہیں ملبے کے نیچے سے نکالا ہے۔"

صوفیہ کسی سوچ میں پڑگئی۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کچھ بھی ہو......میں یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ گھر والوں میں سے کسی نے یہ حرکت کی ہے۔"

"میں تمہیں منوانا بھی نہیں چاہتا اور نہ فی الحال خود ہی اس پر یقین کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی
میں صرف اتفاقیہ حادثہ یا سازش پر غور کررہا ہوں۔"

"اور اس کے لئے آپ نے چوروں کا سا طریقہ اختیار کیا ہے۔" صوفیہ نے طنزاً کہا۔

"مجبوری ہے......میں اس سلسلے میں شور وشر نہیں چاہتا۔"

"کیوں......!"

"تم لوگوں کی پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ سرمخدوم کی وصیت پبلک میں آجائے گی۔
خبارات نت نئی حاشیہ آرائیاں کریں گے۔"

"وہ تو ہوکر رہے گا۔ ناصر چچا عدالت کا دروازہ ضرور کھٹکھٹائیں گے۔"

"ناممکن......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکتے۔ اس طرح وہ سرمخدوم کو
پاگل ثابت کریں گے، جو پورے خاندان کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔"

"تو آپ نے چاروں طرف سے پھانس لیا ہے۔"

"میں نے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "نہیں تو..... یہ کام تو سرمخدوم ہی نے کیا۔"

اچانک فریدی خاموش ہوگیا اور اس کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی۔

"کون ہے؟" اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

پھر ملبے کے ڈھیروں کی دوسری طرف سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی پھسل ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک تاریک سایہ تیزی سے دوڑتا ہوا مہندی کی باڑھ پھلانگ گیا

"ٹھہرو..... ورنہ گولی ماردوں گا۔" فریدی نے گرج کر کہا۔

بھاگنے والا رکا نہیں۔ وہ عقبی پارک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ فریدی بھی مہندی کی با پھلانگ چکا تھا۔ اس کی پیچھے حمید بھی لپکا اور شاید صوفیہ بھی اس کے ساتھ ہی دوڑ رہی تھی۔

اصطبل کے قریب اُگی ہوئی مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں نے کئی بار فریدی کی راہ اور اس دوران میں بھاگنے والا احاطے کی دیوار تک پہنچ گیا جس کی اونچائی پانچ یا چھ فٹ زیادہ نہیں تھی۔ فریدی اب بھی شائد آدھے فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھا والا دیوار پر چڑھنے لگا۔

فریدی نے گولی مارنے کی دھمکی دی تھی۔ حقیقتاً اس کی جیب میں ریوالور موجود نہیں تھا بھاگنے والا دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔

فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب تعاقب فضول ہے۔ کیونکہ احاطے دیوار کے نیچے چھیول کا گھنا جنگل شروع ہوگیا تھا..... جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔

حمید اور صوفیہ اس کے قریب کھڑے ہانپ رہے تھے۔

"ک..... کو..... ن..... تھا.....!" صوفیہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"پتہ نہیں۔" فریدی تیزی سے اس کی طرف مڑا۔ "میں گھر والوں کو چیک کروں گا۔ تم یہیں ٹھہرو..... ادھر کا خیال رکھنا۔"

"سب..... سو رہے..... ہوں گے....." صوفیہ نے کہا۔

"فکر نہ کرو..... میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ حمید تنہا رہ گیا۔ اس نے نوکروں کے کوارٹر میں روشنی دیکھی۔ کچھ دروازے چرچرا کر کھلے اور تین لالٹینیں اندھیرے میں جھولنے لگیں۔

"کون ہے!" کسی نے چیخ کر کہا۔

حمید کچھ نہ بولا!..... اور نہ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی..... تین آدمی ہاتھوں میں لالٹینیں لئے دور کھڑے بھنبھنا رہے تھے۔

"کون ہے؟" کسی نے پھر ہانک لگائی اور پھر وہ تینوں حمید کی طرف بڑھے۔ حمید پھر بھی کچھ نہ بولا۔ وہ تینوں قریب پہنچ گئے۔ ایک نے لالٹین حمید کے چہرے کے برابر اٹھائی اور پھر راہی اس کا ہاتھ جھک گیا۔

"اندر جاؤ.....!" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "میں تفریح کر رہا ہوں۔"

وہ لالٹین جھلاتے ہوئے چپ چاپ واپس چلے گئے۔

حمید احاطے کی دیوار کی نگرانی کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بھاگنے والا گھر ہی والوں ں سے کوئی رہا ہوگا۔ سرمخدوم کے خاندان میں اس وقت بھی چار مرد تھے ایک تو ناصر..... سر خدوم کا بھائی جس نے آج صبح فریدی سے وصیت کے متعلق گفتگو کی تھی..... دوسرا شمشاد..... رمخدوم کی بہن کا لڑکا..... فضائیہ میں پائیلٹ تھا..... تیسرا فرحان..... ناصر کا لڑکا..... تھا..... ارشاد..... یہ شمشاد کا چھوٹا بھائی اور ایم ایس سی کا طالب علم تھا۔

حمید کے ذہن میں ان چاروں کی شکلیں تھیں..... اور وہ سوچ رہا تھا کہ ان میں سے کون تا پھرتیلا ہوسکتا ہے۔ وہ کئی منٹ تک انہیں اپنے ذہن میں رکھتا اور تولتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر گھر والوں میں سے کوئی غائب ہوا تو وہ شمشاد ہی ہوگا۔

کچھ دیر بعد اس نے قدموں کی آہٹ سنی جو عمارت کی طرف سے اسی کی جانب بڑھتی آ رہی تھی۔ یہ فریدی تھا۔ حمید کے قریب پہنچ کر اس نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"خاندان کے سارے لوگ موجود ہیں..... وہ سب سو رہے تھے۔ آؤ واپس چلیں۔"

برآمدے میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس
کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نہ رہے ہوں۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر ان میں سے
مٹھیاں کس گئیں اور ناصر کے چہرے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچا کھا جائے گا۔

''آخر یہ سب کیا لغویت ہے۔'' شمشاد نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''میں پوچھتا ہوں آپ چوروں کی طرح......!'' ناصر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ٹھہریئے......!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے پورا یقین ہے کہ سرمخدوم کو جان
کر ہلاک کیا گیا تھا۔''

''آپ اس طرح دھمکا کر......نہ جانے کیا کرنا چاہتے ہیں۔'' ناصر کی آواز تیز ہوگ

''سرمخدوم کو مہمان خانے میں قید کیا گیا تھا۔'' فریدی ان کے چہروں کو گھورتا ہوا آ
سے بولا۔

''کیا بکواس ہے۔'' شمشاد بڑبڑایا۔

''بکواس نہیں حقیقت...... باہر سے سارے دروازے بولٹ کر دیئے گئے تا کہ وہ نکل
بھاگ نہ سکیں۔''

''کیا......؟'' ناصر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اور پھر چند لمحوں کے لئے اس قسم کا سناٹا طاری ہو گیا جیسے وہ سب اس کی لاش کے قر
کھڑے ہوں۔

فریدی اور حمید انہیں اسی حال میں چھوڑ کر اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

ایک مشتبہ آدمی

دوسری صبح نہ جانے کیوں حمید بڑی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجیب سی الجھن تھی۔ جسے تنہائی کے احساس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ فریدی صبح ہی سے غائب تھا۔ لیکن حمید کے لئے یہ تاکید تھی کہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی سرمخدوم کی کوٹھی نہ چھوڑے۔

حمید تنگ آ گیا تھا وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلد یہاں سے گلوخلاصی ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ تین خوبصورت اور جوان لڑکیوں کی موجودگی میں بھی وہ اس کوٹھی کے ماحول سے اکتا گیا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ ہر کس و ناکس کی تنفر آمیز نظروں سے تنگ آ گیا تھا۔

حتیٰ کہ نوکر چاکر بھی انہیں گویا اچھوت سمجھتے تھے۔

حمید نے مسہری سے اٹھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ سرمخدوم کے خاندان والوں نے اس کا نوٹس بھی نہ لیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی نے اپنے نوکر نہ بلوائے ہوتے تو یہاں بھوکے بھی مرنا پڑتا۔

منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے وقت اُسے صوفیہ کا خیال آیا۔ اس کا قرب حقیقتاً ٹھنڈے پانی کی طرح تازگی بخشتا تھا اور وہ خود اوس میں بھیگی ہوئی ٹھنڈی ہوا معلوم ہوتی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ صوفیہ کو یقین آ گیا ہے شاید اب وہ ان سے بیگانگی کا برتاؤ نہ کرے۔ خوبصورت لڑکیوں کی سردمہری اُسے بہت گراں گزرتی تھی اور کچھ غیر فطری سی بھی معلوم ہوتی تھی۔ کچھ ایسی ہی غیر فطری جیسے گلاب کا پھول بھنڈیوں کی سی شکل اختیار کرے۔

ناشتے کے بعد وہ برآمدے میں نکل آیا۔ صبح بڑی خوشگوار تھی۔ دھوپ میں ابھی گرمی نہیں آئی تھی۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا۔ برآمدے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک

آرام کرسی پر بیٹھ کر اس کی پشت سے ٹک گیا۔

نہ جانے کیوں اس کی الجھن اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ایسا عجیب وغریب اور بے سروپا کیر اسے آج تک نہ ملا تھا۔ کبھی کبھی تو اسے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے وہ کسی ڈرامے کے ریہرسل میں حصہ لے رہا ہو۔ فریدی کا خیال تھا کہ سرمخدوم نے اپنے لئے پہلے ہی خطرے کی بو سونگھ لی تھی اسی لئے اس نے ایک ایسی بے تکی وصیت مرتب کی جس کی بناء پر اس کی موت کو اتفاقیہ نہ سمجھا جاسکے۔ حمید کو فریدی کی اس رائے سے اتفاق تھا مگر کیا سرمخدوم کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے خاندان ہی کا کوئی آدمی ان کی موت کا خواہاں ہے...... کیا یہ ممکن ہے۔

حمید اس کے آگے نہ سوچ سکا کیونکہ اس کی توجہ کا مرکز ایک بھاری بھرکم آدمی بن گیا تھا جو طویل روش سے گزرتا ہوا برآمدے ہی کی طرف آرہا تھا۔ اس کے سر پر فلٹ ہیٹ تھی اور جسم پر ایک بہترین طور پر پریس کیا ہوا سوٹ۔ قمیض کے کالر کی بے داغ سفیدی دور ہی سے چمک رہی تھی۔ پورچ میں پہنچ کر وہ اچانک رک گیا۔ وہ حمید کو تحیر آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ حمید اسے ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔

''ہیلو آفیسر......!'' آنے والے نے کسی قسم کے جذبے کا اظہار کئے بغیر کہا۔

برآمدے میں پہنچ کر ایک بار پھر اس نے حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

''ادھر کیسے......!'' حمید نے پوچھا۔

اجنبی جواب دینے کی بجائے اُسے تفکر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

''کیا تم مجھے یہاں دیکھ کر متحیر ہو۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔

اجنبی نے لاپروائی کے اظہار کے لئے اپنے شانوں کو جنبش دی اور آہستہ سے بولا۔

''میں سمجھا...... لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔''

''تم کیا سمجھے اور تمہیں کس کی پرواہ نہیں۔''

''دیکھئے یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ آپ ٹانگ اڑائیں۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا۔'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کیا میں یہاں آپ کی موجودگی کا مقصد پوچھ سکتا ہوں۔'' اجنبی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''مہمان ہوں۔''

''بہت خوب......!'' اجنبی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''لیکن میں نے پہلے ہی اچھی طرح مضبوطی کرلی تھی۔''

حمید کو ایک جھرجھری سی آئی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

پھر نہ جانے کدھر سے سرمخدوم کا بھائی ناصر آنکلا...... اور حمید نے محسوس کیا جیسے اس کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہو۔

''اوہ...... ہو...... آپ......!'' ناصر آہستہ سے بولا۔

''جی ہاں...... میں......!'' اجنبی نے گرج کر کہا اور کھڑا ہو گیا۔

''اندر چلئے...... میرے ساتھ آیئے۔'' ناصر مضطربانہ انداز میں دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

اجنبی حمید پر قہر آلود نظر ڈالتا ہوا ناصر کے پیچھے چلا گیا۔

حمید کی حیرت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ اجنبی کوئی معزز آدمی نہیں تھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ شہر کا مشہور بدمعاش صفدر خاں جس کے کئی جوئے خانے چلتے تھے اور وہ پولیس والوں کو کافی رقم کھلاتا تھا۔

ایسی صورت میں حمید کا برآمدے میں رکے رہنا ناممکنات میں سے تھا۔ وہ بھی اندر چلا گیا لیکن ناصر تک پہنچنا مشکل تھا...... فریدی کی بھی ہدایت تھی کہ ان کے نجی معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے...... مگر...... صفدر سے جس قسم کی گفتگو ہوئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ ایسے موقع پر چوکنا رہنا چاہئے۔ پھر صفدر کو دیکھ کر ناصر کی گھبراہٹ آخر اس کا کیا مطلب تھا۔ وہ تیزی سے کاریڈر طے کرنے لگا۔ لیکن جیسے ہی وہ سرے پر مڑا اُسے اس طرح رک جانا پڑا جیسے پوری بریکیں لگ گئی ہوں۔

صوفیہ اس کے کمرے کے دروازے پر جھکی ہوئی تھی اور اس کا انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ

اسے حمید کے آنے تک کی خبر نہ ہوئی۔ وہ ایک مڑے ہوئے تار کی مدد سے دروازے کا قفل کھولنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کی پتلون کی جیب میں پڑے ہوئے ہتھوڑے کا دستہ صاف نظر آرہا تھا۔

''لاؤ...... مجھے دو...... میں کھول دوں۔'' حمید آگے کی طرف جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔

صوفیہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ پہلے تو اس کی آنکھیں خوفزدہ سی ہوگئیں پھر اس نے ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا۔

لیکن حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔ اس نے اس طرح اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی جیسے خود بھی اس چوری میں شریک ہو۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر تار صوفیہ سے لیا اور قفل پر جھک پڑا۔ تھوڑی ہی جدوجہد کے بعد قفل کھل گیا۔ اب حمید نے دروازے کو دھکا دے کر کھولتے ہوئے اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

نہ جانے کیوں صوفیہ بھی سنجیدہ نظر آنے لگی، لیکن اسکی سنجیدگی میں حیرت بھی شامل تھی۔

''ایڈونچر......!'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

صوفیہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اس کی نظریں جونکوں والے مرتبان کی طرف رینگ گئیں جو میز پر رکھا ہوا تھا۔

''پارٹنر......!'' حمید ایک گہری سانس لے کر شانے جھٹکتا ہوا بولا۔ ''ہم دونوں مل کر ایک رات میں سارے شہر کو لوٹ سکتے ہیں۔''

صوفیہ پھر ہنسنے لگی اور پھر اُس نے حمید کو باتوں میں الجھا کر جیب سے ہتھوڑا نکال لیا اور اسے اپنی پشت پر چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ میز کی طرف کھسکنے لگی۔

''اوں ہوں ......دوست......'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ٹھہرو......!''

اس نے نہایت آہستگی سے ہتھوڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور توقع کے خلاف صوفیہ نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

''یہ جونکیں......! حمید نے خوابناک انداز میں کہا۔ ''میرے لئے معزز ترین ہیں......

ادھر آؤ...... میں تمہیں ان سے ملاؤں۔''

حمید نے جیب سے ایک چھوٹی سی چمکدار چمٹی نکالی اور اس کی مدد سے ایک جونک نکال کر بولا۔ ''لیڈی چیٹرلی......!''

پھر وہ ایک ایک جونک نکال کر میز پر ڈالتا اور کہتا گیا۔ ''مادام بواری، سی لوزٹیا، کلوپٹرا...... مادموزئیل دیراں......!''

''ہٹو...... تم کتنے گندے آدمی ہو۔'' صوفیہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

''میں گندے کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہوں۔'' حمید کراہ کر بولا۔ ''اور اس کی آواز بڑی دردناک ہوگئی۔ وہ اسے چند لمحے مغموم نظروں سے دیکھتا رہا پھر ایک سرد آہ کھینچ کر بولا۔ ''ان لوگوں نے مجھے پاگل بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ تم سارجنٹ حمید ہو آہ...... کیسا بدنصیب ہوں میں...... حالانکہ میری رعایا مجھے شہزادہ کم بخت عرف جادو کی بنسری کے نام سے پکارتی تھی۔ بُرا ہوا اس دن کا کہ براؤن پری مجھ پر عاشق ہو کر کوہ کاف اٹھا لے گئی۔''

''کیا واقعی دماغ چل گیا ہے۔'' صوفیہ حمید کو گھور کر بولی۔

لیکن حمید اس کی پرواہ کئے بغیر بکتا رہا۔ ''کوہ کاف پہنچ کر اصل حقیقت کھلی۔ معلوم ہوا کہ براؤن پری عاشق واشق کچھ بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے مجھے جھانسہ دیا تھا۔ واقعہ یوں تھا کہ جب بھی براؤن پری انڈے دیتی تو بچے نکلنے سے پہلے ہی بلیو بلیک دیو ان کا آملیٹ یا مالیٹ بنا کر چٹ کر جاتا۔''

''براؤن پری...... انڈے...... بلیو بلیک دیو۔'' صوفیہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''براؤن پری۔'' حمید نے بکواس جاری رکھی۔ ''براؤن پری اس قدر تنگ آگئی تھی کہ اس کی ساری فراکیں ڈھیلی ہو کر رہ گئی تھیں۔ آخر اس کی ملاقات ایک تھیٹریکل کمپنی کے منیجر سے ہوگئی۔ اس نامراد نے براؤن پری کو میرا پتہ بتا دیا اور کہا کہ میرے علاوہ اور کوئی بلیو بلیک دیو کو نہ مار سکے گا...... پس وہ Murderess of the World یعنی قتالہ عالم مجھے کوہ کاف اٹھا لے گئی۔ قصہ کوتاہ مجھے بلیو بلیک دیو سے ایک خونریز جنگ کرنی پڑی اور میں نے اس کے

پیٹ میں اپنا فاؤنٹین پین گھونپ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ جب براؤن پری کے انڈے
ہو گئے تو اس حیلہ جو بہانہ ساز نے مجھے اپنے اوپر عاشق کرانے سے صاف انکار کر دیا۔ کہنے
کہ تجھے مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی تھی۔ میں تو تمہارے والد پر عاشق ہوئی تھی۔ دھوکے
تمہیں اٹھالائی، سن کر بڑا تاؤ آیا...... میں نے کہا تو اچھا اپنی صاحبزادی بلیک اینڈ وائٹ
عاشق ہونے کا موقع دو۔ وہ اس پر بھی رضا مند نہ ہوئی اور میرا تعارف ایک تحصیلدار کی
سے کرا دیا۔''

صوفیہ ہنستی ہوئی ایک آرام کرسی میں ڈھیر ہو گئی۔

''ہیہات ہیہات......!'' حمید نے اپنا سر پیٹتے ہوئے اپنا بیان جاری رکھا۔ ''تحصیلدار
کی لڑکی پہلے ہی سے براؤن پری کے بھتیجے سفید پرے پر عاشق تھی۔ سفید پرا جو دور سے
امریکن اور قریب سے قلعی کیا ہوا مراد آبادی اگالدان معلوم ہوتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر
تحصیلدار کی لڑکی پر عاشق ہوا تو وہائٹ پرا مجھے اس قدر بور کرے گا کہ میں مر جاؤں گا......
کم بخت جس کا بھی دشمن ہوتا اسے اپنے فرضی معاشقوں کی اتنی داستانیں سناتا کہ وہ بیچارہ
ہو کر یا تو خودکشی کر لیتا یا پھر شادیاں کرنا شروع کر دیتا۔ بہرحال تحصیلدار کی لڑکی نے
تعارف اپنے سیاں سے کرا دیا۔''

''اب تم مجھے بور کر رہے ہو۔'' صوفیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''یہ ابھی چچا ناصر کے ساتھ کون تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''کیوں...... تم سے مطلب۔ خیر چھوڑو اسے...... میں تم سے ایک سوال کرنا چاہوں گی۔''

''مگر وہ ارتھمیٹک کا نہ ہو۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''پچھلی رات بھاگنے والا کون تھا......؟''

''پتہ نہیں۔''

''گھر کے سب لوگ موجود تھے۔'' صوفیہ آہستہ سے بولی۔ ''کیا تم اب بھی گھر والوں
میں سے کسی پر شبہ کرو گے۔''

''ہرگز نہیں...... لیکن یہ صفدر یہاں کیوں آیا ہے۔''

''کون صفدر......!''

''وہی جو اس وقت ناصر صاحب کے ساتھ ہے۔''

''میں نہیں جانتی...... انہیں سے پوچھو۔''

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''ناصر صاحب تمہارے والد ہیں۔''

''کیوں؟...... نہیں تو...... میرے چچا ہیں۔ میرے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔
مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''ان کا برتاؤ تمہارے ساتھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔''

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ اُس نے خاموشی سے ہتھوڑا اٹھایا اور باہر چلی گئی۔

حمید بڑی دیر تک اس لڑکی کے متعلق سوچتا رہا۔

غالباً صفدر جا چکا تھا...... حمید کمرہ مقفل کر کے پھر برآمدے میں آ گیا۔ فریدی ابھی تک
واپس نہیں آیا تھا...... حمید کی گھٹن بڑھتی گئی۔ وہ پچھلی شام کو بھی کہیں باہر نہیں جا سکا تھا اور آج
بھی نکل بھاگنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔

وہ بڑی بے دلی سے پائپ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ کچھ دیر بعد ناصر شائد اسے
تلاش ہی کرتا ہوا برآمدے کی طرف آ نکلا۔

''سنئے جناب۔'' وہ چند لمحے حمید کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ''آپ کو کوئی حق حاصل
نہیں ہے کہ آپ میرے ملاقاتیوں کو روک کر ان سے گفتگو کریں۔''

''اتفاق سے وہ معزز آدمی میرا بھی ملاقاتی تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ کس چکر میں ہیں۔''

''یہ اور زیادہ خوشی کی بات ہے۔''

''ہماری سخت بے عزتی ہو رہی ہے۔'' ناصر جھنجھلا کر بولا۔

''یہ آپ اپنے بھائی صاحب سے کہئے جنہوں نے خواہ مخواہ اپنی دولت نہ صرف ہمارے

گلے لگادی بلکہ ہم پر چند جونکوں کی پرورش کا بھی بار ڈال دیا۔ ویسے ناصر صاحب کیا آپ
سکتے ہیں کہ مرحوم نے وصیت نامے میں جونکوں کو کیوں شامل کیا۔''

''میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ میں ان لغویات میں سر کھپاؤں۔''
ناصر نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

''کہیں یہ جونکیں ایک قسم کا استعارہ تو نہیں۔''

''کیا مطلب......!'' ناصر اُسے گھورنے لگا۔

''کچھ نہیں...... ذرا اس وقت خیالات کچھ شاعرانہ ہو رہے ہیں۔''

ناصر اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر گرج کر بولا۔ ''میں اب معاملے کو آ
بڑھاؤں گا۔''

''ضرور بڑھائیے...... مجھے وہ گندے کیڑے ذرہ برابر بھی پسند نہیں۔''

ناصر کچھ کہے بغیر پھر واپس چلا گیا۔ حمید نے بجھا ہوا پائپ سلگایا اور پھر ذہنی طور پر ٹک
مارنے لگا۔ ایسے اکتا دینے والے کیس سے پہلے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ کچھ دیر بع
اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پورچ میں ایک کار آ کر رکی اور اس پر سے ادھیڑ عمر کا ایک عجا
قسم کا کھدر پوش اترا اور حمید کو یہ سوچ کر تعظیماً کھڑا ہو جانا پڑا کہ ممکن ہے کہ وہ کوئی بڑا لیڈ
پارلیمنٹ کا ممبر ہو۔

''دانش صاحب ہیں۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''دانش صاحب۔'' حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی د
صاحب نہیں رہتے۔''

''کیا......!'' نو وارد گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''کیا کہا آپ نے کوئی دانش نہیں

''جی نہیں...... یہاں اس نام کا کوئی نہیں۔''

''دانش...... ناصر صاحب کے لڑکے...... سر مکھدوم کے بھتیجے۔''

''جی نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ناصر صاحب کے لڑکے کا نام دانش نہیں فرحان

''ارے...... ہی ہی...... وہ تو چھوٹا لڑکا ہے...... آپ ناصر صاحب سے کہلوا دیں کہ
ہڈامل آیا ہے۔''

''تشریف رکھئے...... میں اطلاع کئے دیتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور راہداری میں ہولیا۔

اُس کا ذہن ''دانش دانش'' کی گردان کر رہا تھا۔ آخر یہ کون تھا اور کہاں تھا۔ ابھی تک
کیوں نہ معلوم ہو سکا تھا کہ ناصر کا ایک لڑکا اور بھی ہے۔

وہ کہاں ہے؟

''دانش......!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور سگار سلگا کر جلتے ہوئے سرے پر نظریں
یں۔

''آخر اس کا نام ابھی تک ہمیں کیوں نہیں معلوم تھا۔'' حمید بولا۔ وہ فریدی سے صفدر والا
بھی بیان کر چکا تھا فریدی چند لمحے سگار کے جلتے ہوئے سرے کو گھورتا رہا پھر بولا۔

''میں صبح سے اب تک دانش ہی کے متعلق چھان بین کر رہا تھا۔''

''اور آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔''

''پہلے مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔'' فریدی بولا۔ ''یہ تو تحقیقات کے دوران میں معلوم ہوا
ناصر کے کوئی لڑکا اور بھی ہے، جو واردات کی شام تک گھر میں دیکھا گیا تھا۔''

''اوہ...... اور اس کے بعد سے......'' حمید آنکھیں نکال کر رہ گیا۔

''اتنی جلدی نتائج اخذ کرنے کی کوشش نہ کرو۔''

''کیوں نہ ناصر کو ٹٹولا جائے۔''

''نہیں...... فی الحال اس کی ضرورت نہیں...... دانش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک
ُ قسم کا آدمی ہے۔''

‘‘لیکن آپ نے یہ ساری معلومات کہاں سے بہم پہنچائیں۔’’

‘‘پڑوسیوں سے۔’’

‘‘اور کچھ......!’’

‘‘اور ابھی کچھ بھی نہیں۔’’ فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف اچھالتا ہوا بولا۔ ‘‘اٹھو صفدر کو دیکھیں گے۔’’

‘‘کیا میں بھی چلوں......!’’ حمید نے پوچھا۔

‘‘ہاں......اب تم چل سکتے ہو۔’’

‘‘کیوں اب کیا خاص بات ہوگئی۔’’

‘‘فکر نہ کرو......جو کہوں وہ کرتے چلو۔’’

‘‘صوفیہ ان جونکوں کو ختم کردے گی۔’’

‘‘کیا تم انہیں بہت زیادہ اہمیت دیتے ہو۔’’ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا

‘‘کیوں......کیا وصیت نامہ۔’’

‘‘چھوڑو......’’ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ‘‘جونکیں اس کیس میں کسی اہم طرف اشارہ نہیں کرتیں۔’’

‘‘پھر آخر ان کا مصرف کیا ہے۔’’

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ باہر آئے......فریدی نے گیراج سے کیڈی نکالی وہ سڑک پر آگئے۔ کیڈی کا رخ شہر کی طرف تھا۔

‘‘میں ان جونکوں کے متعلق پوچھ رہا تھا۔’’ حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

‘‘محض مذاق...... یا پھر مخدوم کے اعزہ کے لئے ایک استعارہ۔ ہوسکتا ہے کہ قاتل حقیقتاً اس کا کوئی عزیز ہی ہو۔’’

‘‘آپ نے کہا تھا کہ جونکوں کے مرجانے کے بعد وصیت نامہ ساقط ہوجائے گا۔’’

‘‘مجھے اب وصیت نامے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی کیونکہ اب اس کا مطلب

ہوچکا ہے۔ اس وصیت نامے کی عدم موجودگی میں سرمخدوم کی موت اتفاقیہ سمجھی جاتی مگر اب میں ایک قاتل کی تلاش ہے۔’’

‘‘اس کیس کا پیچیدہ ترین مسئلہ۔’’ حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

‘‘سرمخدوم کا رویہ......خطرہ پہلے سے لاحق ہونے کے باوجود بھی اس شخص نے چوہوں کی طرح جان دے دی۔’’

‘‘اوہ......تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ مرا ہی نہیں۔’’

‘‘لاش......ایک جلی ہوئی لاش......آؤٹ ہاؤز میں سرمخدوم کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا۔’’

‘‘بہرحال یہ کیس مجھے ضرور پاگل بنادے گا۔’’ حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

‘‘کیوں......؟’’

‘‘میں ان لوگوں کی تنفر آمیز نظریں نہیں برداشت کرسکتا۔’’

فریدی کچھ نہ بولا......اور پھر راستے بھر اس کیس کے متعلق کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

شہر پہنچ کر فریدی نے کیڈی صفدر کے ہوٹل کے سامنے روک دی۔ یہ ہوٹل کچھ اس قسم کا تھا کہ اگر اس کے ساتھ بار بھی نہ ہوتی تو لوگ اسے قابل اعتنا بھی نہ سمجھتے اور ویسے تو اس کی گہرائیوں کے واقف کار شہر کے بہت بڑے بڑے لوگ تھے، درپردہ یہاں ایک بہت بڑا قمار خانہ تھا......اور شہر کے بہتیرے دولت مند یہاں جوا کھیلتے تھے۔

صفدر انہیں کاؤنٹر ہی پر مل گیا......اور اس نے انہیں دیکھ کر بہت بُرا منہ بنایا۔ صفدر پولیس یا محکمہ سراغ رسانی کے آفیسروں سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کے روابط کی پہنچ دور دور تک تھی۔ حمید کو صفدر کے اس رویے پر بڑا تاؤ آیا لیکن فریدی نے اپنی ظاہری حالت میں بالکل فرق نہ آنے دیا۔

‘‘کیا تم دانش سے واقف ہو۔’’ فریدی نے صفدر سے پوچھا۔

‘‘میں کسی دانش وانش کو نہیں جانتا اور نہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ آپ جیسے بزرگ لوگ یہاں آنے کی تکلیف اٹھائیں۔’’

"آج غلطی ہوئی آئندہ بلوائیں گے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیا آپ نے مجھے بھی کسی بنئے ونئے کا لونڈا سمجھا ہے۔"

"کیا تم سرمخدوم کے بھتیجے دانش کو نہیں جانتے۔" فریدی نے پھر پوچھا۔

"نہیں......!"

"اور نہ اس سے کبھی تمہارا لین دین رہا ہے۔"

"کیوں......نہیں......میں اسے جانتا ہی نہیں۔"

"کیا تم دو گواہوں کے سامنے یہی جملہ دہرا سکو گے یا اسے بھی چھوڑو! مجھے لکھ کر د
کہ دانش سے تمہارا کبھی کوئی لین دین نہیں رہا۔"

"میں کیوں لکھ کر دے دوں۔"

"حرج ہی کیا ہے......جب تم اسے نہیں جانتے۔"

"دیکھئے جناب میرے پاس بیکار وقت نہیں ہے۔"

"خیر......!" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "لیکن تمہیں دانش سے حبہ بھی وصول ہو جا
توقع نہ رکھنی چاہئے۔"

"نہ جانے آپ کیا......!"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر واپس جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریئے......!" صفدر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"فریدی رک گیا......لیکن اس کی طرف مڑا نہیں۔"

"آپ لین دین کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"یونہی تفریحاً......!" فریدی اس طرف مڑ کر مسکرایا۔

"میں سمجھ گیا......!" صفدر آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر یک بیک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا!
اس نے دانت پیس کر کہا۔ "ناصر دورخی چال چل رہا ہے۔"

"نہیں اتفاق سے اس بیچارے کا کوئی رخ ہی نہیں رہ گیا۔" فریدی نے سرد لہجے

کہا۔ "سارجنٹ حمید سے ٹکرانے کے بعد اُس نے یقیناً تمہیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی
ہوگی۔ لیکن اصل حقیقت سے دور ہی رکھا ہوا۔ تم سمجھتے ہوگے شائد ناصر نے ہم لوگوں کو محض
تمہاری وجہ سے مدعو کیا ہے۔"

صفدر اُسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"پھر کیا بات تھی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے سرجنٹ حمید سے کہا تھا کہ تم نے اپنی مضبوطی پہلے ہی کر لی تھی۔ یعنی غالباً تم نے
دانش سے پرونوٹ لکھوالیا تھا......مگر اب پرونوٹ بھی تمہیں تمہاری رقم واپس نہ دلا سکے گا۔"

"کیوں......؟" صفدر غرا کر بولا۔

"کیونکہ سرمخدوم کی جائیداد کا مالک میں ہوں......اس کے اعزہ نہیں......وہ بھی اب
میرے ہی رحم وکرم پر ہیں۔"

"نہ جانے آپ کہاں کی ہانک رہے ہیں۔" صفدر بیساختہ ہنس پڑا۔

"ناصر سے پوچھ لو۔" فریدی نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ گیا جہنم میں......میں اُسے دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھ لینا......لیکن رقم وصول نہ ہو سکے گی......کتنے روپے تھے۔"

"پندرہ ہزار......میں نے پرونوٹ لکھوالیا تھا۔ ایک ناہ گذرا اس کی مدت پوری ہو چکی
ہے اور اب میں دعویٰ دائر کرسکتا ہوں۔"

"کیا فائدہ......دانش کی طرف سے مفلسی کی عذرداری ہو جائے اور پھر اگر وہ جیل بھی
گیا تو اس کے اخراجات تمہارے ذمہ......!"

"آخر کیوں......کیا اب سرمخدوم کی جائیداد کا مالک ناصر نہیں۔"

"ہرگز نہیں......کہہ تو دیا کہ میں جب چاہوں اسے کوٹھی سے بھی نکال سکتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"سرمخدوم کی وصیت......جس کی رو سے میں ان کی جائیداد کا مالک ہوں۔"

"سرمخدوم آپ کے کون تھے۔"

"کوئی بھی نہیں۔"

صفدر نے جھلا کر فون کا ریسیور اٹھایا اور شاید ناصر کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ پھر اُ
ماؤتھ پیس میں ناصر ہی کو مخاطب کیا۔ وہ اُس سے فریدی کی کہی ہوئی بات کے متعلق پو
تھا...... پھر وہ ماؤتھ پیس کو ہتھیلی سے بند کر کے فریدی کی طرف مڑا۔

"ناصر تو اس سے انکار کرتا ہے۔" اس نے کہا۔

"اوہ...... اب اس سے کہو کہ تمہیں یہ اطلاع بیرسٹر جعفری سے ملی ہے۔" فریدی نے

صفدر نے ماؤتھ پیس میں فریدی کا جملہ دہرایا...... اور پھر وہ اس کے بعد "ہیلو ہیلو"
کرتا رہ گیا۔ آخر اس نے جھلا کر ریسیور کو اسٹینڈ پر پٹخ دیا......

"کیوں کیا ہوا......؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"سالے نے ایک گندی سی گالی دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔" صفدر ہانپتا ہوا بولا۔

"مجھے یا تمہیں......!" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" صفدر بیزاری سے بولا۔ "خیر میں سالے سے سمجھ لوں گا۔"

"سالے سے سمجھنا بہت مشکل ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تو آپ بتائیے نا کہ آپ کس طرح سرمخدوم کی جائیداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔" ص
جھنجھلا کر بولا۔

"سرمخدوم کی وصیت کے مطابق۔"

"اوہ...... جب آپ سرمخدوم کے کوئی نہیں تو سرمخدوم کو پاگل بھی ثابت کیا جا سکتا ہے؟"

"کون کرے گا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ناصر......!"

"ہرگز نہیں کر سکتا...... اگر اس نے ایسا کیا تو اس کے ہتھکڑیاں لگ جائیں گی۔"

"کیوں......؟"

"جب سرمخدوم پاگل تھے تو انہیں آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ مہمان خانے میں
کیوں چھوڑا گیا۔"

صفدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تو پھر میرا روپیہ ڈوب گیا۔" صفدر آہستہ سے بولا۔

"نہیں یہ بھی ضروری نہیں...... بعض حالات میں تمہارا روپیہ واپس بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ حالات کیا ہوں گے۔"

"دانش کے متعلق میرے لئے صحیح معلومات بہم پہنچاؤ"

"کس قسم کی معلومات......!"

"یہی کہ دانش اس وقت کہاں ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں...... وہ تو مجھے اسی شام کو دکھائی دیا جس رات کوٹھی کے
ٹ ہاؤز میں آگ لگی تھی۔"

"اوہ...... تو وہ اس شام کو دکھائی دیا تھا۔"

"جی ہاں...... اور اس کے بعد سے آج تک میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ ٹھیک یاد
...... اب تو میں ان سالوں کو پھانسی کے تختے پر ہی دیکھنا پسند کروں گا۔ ناصر سے آج میں
دانش کے متعلق پوچھا تھا جس پر اس نے بتایا کہ وہ ایک ماہ قبل کہیں باہر گیا تھا اور اب تک
پس نہیں آیا حالانکہ یہ بکواس ہے۔ میں نے حادثے کی شام کو اُسے دیکھا تھا۔ اس نے یہیں
ب پی تھی۔"

"تو تم نے ناصر سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"کیا تھا...... لیکن اس نے جواب دیا کہ دانش ایک ماہ سے گھر نہیں آیا۔"

"ہوں......!" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "صفدر نے اب سچ بولنا شروع کیا ہے۔"

"پندرہ ہزار کم نہیں ہوتے۔" صفدر فریدی کو گھور کر بولا۔ "میرے پاس پرونوٹ......!"

"ٹھیک ہے! اور وقت آنے پر تمہاری پائی پائی ادا ہو جائے گی۔ ویسے کیا تم مجھے وہ

جگہیں بتا سکتے ہو جہاں دانش کے ملنے کے امکانات ہوں۔''

''کیوں......!'' صفدر چونک کر بولا۔''آخر آپ کو دانش کی تلاش کیوں ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ سرمخدوم کی موت اتفاقیہ نہیں تھی۔''

''ہام......!'' صفدر اپنی بائیں آنکھ بند کر کے داہنا گال کھجانے لگا۔

''تب تو پھر یہ حرکت دانش ہی نے کی ہوگی۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔

''کیوں......؟''

''ٹھہریئے بتاتا ہوں......'' صفدر نے کہا اور گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بھاگتا ہوا کاؤنٹر کی طرف آیا۔

''جگلدل کو بھیجو......!'' صفدر نے اس سے کہا اور وہ آدمی الٹے پاؤں واپس چلا گیا

تین منٹ بعد ایک نوجوان اور گرانڈیل آدمی کاؤنٹر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

ظاہری حالت ہی سے خاصا بدمعاش معلوم ہوتا تھا۔

''پچھلی بار تم سے اور دانش سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔'' صفدر نے اس سے پوچھا۔

آنے والے نے متجسس نظروں سے فریدی اور حمید کی طرف دیکھا اور اپنی داہنی کھجانے لگا۔

''بتاؤ......کیا باتیں ہوئی تھیں۔'' صفدر نے دوبارہ پوچھا۔

''ارے ژناب دانس صاحب مسکھری کرتا تھا۔''

''بتاؤ نا......!'' صفدر نے تیز لہجے میں کہا۔

وہ کچھ دیر چپ رہا پھر بولا۔''دانس صاحب بولا تھا...... ہمارے چاچا کو ٹخ کرو تو ہجار روپیہ دوں گا۔''

''ٹخ......!'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''ہاں ہاں......ٹخ......!'' اس نے اپنی گردن پر انگلی پھیر کر کہا۔

''مراد قتل ہے۔'' صفدر مسکرا کر بولا۔

''پھر تم نے کیا کیا......!'' فریدی نے پوچھا۔

''ہم کیا بولتا صاحب......دانس صاحب نسے میں تھا......!''

''تم نے کچھ کہا ہی نہیں۔''

''صاحب ہم بھی مسکھری کیا۔ ہم بولا پہلے دس ہزار دلواؤ...... پھر دانس صاحب ہم کو یک چھرا دکھایا۔ بولا وہ کھد اپنے چاچا کو ٹخ کرے گا۔ ہم بولا...... چھرا مارنے کو جور اہئے......تاکت چاہئے......دانس صاحب بولا وہ اپنے چاچا کے گھر آگ لگا دے گا۔''

''تم جانتے ہو آج کل دانش کہاں ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں ژناب......!''

کھڑکی سے زمین تک

صفدر کے ہوٹل سے نکل کر وہ سیٹھ ٹڈامل کے یہاں پہنچے۔ لیکن دانش کا سراغ وہاں بھی ل سکا۔ البتہ اتنا ضرور ہو گیا کہ دانش نے پرونوٹ پر آٹھ ہزار روپے اس سے بھی لئے تھے۔

واپسی پر حمید نے کہا۔''آخر یہ لوگ کتنے گدھے ہیں کہ انہوں نے کسی ضمانت کے بغیر سے روپے دے دیئے تھے۔''

''ضمانت کے لئے محض اتنا ہی کافی تھا کہ وہ سرمخدوم کا بھتیجا ہے اور سرمخدوم کے کوئی لاد نہیں۔'' فریدی بولا۔

''تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ سرمخدوم نے پہلے بھی کبھی ان لوگوں کے قرض ادا کئے ہوں گے۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''لیکن دانش غائب ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ پولیس اسے اتفاقیہ حادثہ قرار دے چکی تھی۔''

''جگلدل کا بیان یاد کرو......'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔''اس نے اس سے اپنے چچا کی

متعلق جو خیال ظاہر کیا تھا کیا وہ اس کے پھنسا دینے کے لئے کافی نہیں۔''

''تو پھر......پچھلی رات والا پراسرار آدمی دانش ہی تھا۔''

''ممکن ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ جنگل ہی میں چھپا ہو۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر سر مخدوم کی کوٹھی واپس آ گئے۔ لیکن فریدی کیڈی اندر نہیں لے گیا۔

''پھاٹک کے چوکیدار کو یہاں بلاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

اس نے کیڈی باہر ہی چہار دیواری کے نیچے روک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حمید چوکیدار ساتھ لئے ہوئے واپس آ گیا۔

فریدی چند لمحے چوکیدار کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تم جانتے ہو کہ ہم لوگ پولیس کے آدمی ہیں۔''

''جی......ہجور......!''

''جس رات آگ لگی تھی تم کہاں تھے؟''

''یہیں پھاٹک پر......!''

''تم نے آگ لگتے تو دیکھا ہی ہوگا۔''

''نہیں سرکار......میں سو رہا تھا۔''

''تو تمہیں پھاٹک پر سونے کی تنخواہ ملتی ہے۔''

''رات کو جاگ کر میں نے کبھی پہرا نہیں دیا۔ بڑے صاحب کہتے تھے اس کے لئے ہی کافی ہیں۔''

''تم کس وقت سوئے تھے۔''

''سائت ایک بجے۔''

''اس سے پہلے کوئی باہر سے آیا تھا۔''

''جج......جی......نہیں۔''

''گھر کا کوئی آدمی۔''

''نہیں سرکار۔''

''جھوٹ بولتے ہو۔''

''مم......نہیں ہجور......!''

''اسے لے جا کر بند کر دو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

دربان گڑگڑانے لگا۔

''اگر تم میری باتوں کا صحیح جواب دو گے تو کئی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے۔ پولیس والے بہت مارتے ہیں۔'' فریدی بولا۔

دربان تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''دانس میاں آئے تھے۔''

''لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے تم چھپاؤ......!'' فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے منع کر دیا گیا تھا۔''

''کس نے منع کیا تھا۔''

''ناصر میاں نے۔''

''کیا کہا تھا......!''

''یہی کہ میں دانس میاں کے رات گئے آنے کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔''

''یہ انہوں نے تم سے کب کہا تھا۔''

''آگ لگنے کے دوسرے دن۔''

''دانش موجود تھا۔''

''نہیں وہ نہیں تھا۔''

''جب آگ بجھانے کی کوشش کی جا رہی تھی اس وقت دانش موجود تھا۔''

''پتہ نہیں! میں نے نہیں دیکھا۔''

''اس کے بعد سے کبھی دانش دکھائی دیا تھا۔''

"نہیں ہجور......!"

"دانش اس رات نشے میں تھا۔"

"جی ہاں...... بری تراں......!" دربان بولا۔ "میں نے ان سے کہا پہنچادوں...... انہوں نے مجھے گالیاں دیں اور چھرا دکھایا۔"

"چھرا دکھایا......؟" فریدی نے دہرایا۔

"جی ہاں سرکار...... میں چپ چاپ لیٹ گیا۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی چھرا دکھایا تھا۔"

"کبھی نہیں۔"

"اچھا جاؤ......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اس کا تذکرہ ناصر یا کسی اور سے ہرگز نہ کرنا۔"

"اچھا صاحب۔" دربان سلام کرکے چلا گیا۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ فریدی کیڈی کو اسٹارٹ کرکے کمپاؤنڈ میں لایا۔

"سنو حمید......!" اس نے کہا۔ "اب صرف اسی لڑکی سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔"

"صوفیہ سے۔"

"ہاں...... کیا تم ایسا کرسکو گے۔"

"بہت چالاک ہے۔"

"تم تو عورتوں کی نبض شناسی کے ماہر ہو۔"

"لیکن وہ خود کو عورت سمجھتی ہی نہیں۔ میں نے اب تک اسے غرارے یا ساڑی میں نہیں دیکھا۔ ہر بات میں مردوں کی نقل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔"

"آج شام کو اُسے کہیں باہر لے جاؤ۔"

"یہ آپ کیا فرمارہے ہیں...... یور ہارڈنس......!"

"میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ آپ اس سے عشق لڑائیں۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ میرے ساتھ چلی ہی جائے۔"

"کوشش کرو...... یہاں تو میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ناصر ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتا ہے۔"

"میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ ناصر کا برتاؤ اس کے ساتھ اچھا نہیں۔"

پھر وہ دونوں اپنے کمروں میں چلے گئے۔ لیکن حمید زیادہ دیر تک کمرے میں نہ رہ سکا۔ اس نے صوفیہ کی تلاش شروع کردی۔ بڑی دیر تک کئی راہداریوں کی خاک چھانتا رہا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ ایک جگہ ناصر کی دونوں لڑکیوں سعیدہ اور نکہت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ دونوں نے عجیب انداز میں اس کی مزاج پرسی کی۔ اس سے پہلے حمید نے ان کی آنکھوں میں صرف نفرت ہی دیکھی تھی۔ مگر اس وقت وہ دونوں ہی اس سے گفتگو کرنے پر آمادہ نظر آرہی تھیں۔

"کیا پہلے آپ فلموں میں کام کرتے تھے۔" سعیدہ نے پوچھا۔

"فلموں میں......!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "نہیں تو۔"

"واہ...... ہم نے تو آپ کو بیجو باورا میں دیکھا تھا۔" نکہت لچک کر بولی۔

"بیجو باورا......!" حمید نے احمقوں کی طرح پلکیں جھپکائیں۔

"آپ اپنا تانپورہ کیوں نہیں لائے۔" سعیدہ نے کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے......!" حمید بوکھلا کر بولا۔

"ہم سمجھتے ہیں......!" دونوں بیک وقت ہنسنے لگیں۔

حمید اور زیادہ بوکھلا گیا۔ وہ دراصل اب تک دونوں کو احمق سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا۔ مگر وہ دونوں اچانک اُسے گھسنے پر آمادہ ہوگئی تھیں اور حملہ کچھ اس بے ساختگی کے ساتھ ہوا تھا کہ حمید کو پگڑی سنبھالنی دشوار ہوگئی۔ حالانکہ اگر اس کے سر پر سچ مچ پگڑی ہوتی تو وہ اُسے قابل اعتنا نہ سمجھتیں۔

"گانا تو آپ کو سنانا ہی پڑے گا۔" نکہت بولی۔

اور پھر حمید کو سچ مچ ایسا ہی محسوس ہونے لگا جیسے اس کی شکل پکا گانا گاتے وقت بگڑ گئی

ہو۔قریب تھا کہ وہ بوکھلا کر ہکلانا شروع کر دے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''کیا سنئے گا......!'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جئے جئے ونتی۔'' نکہت بولی۔

''نہیں......گوجری ٹوری۔'' سعیدہ نے کہا۔

''فی الحال جھاپ کا خیال سنئے۔'' حمید داہنے کان پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''صوفیہ صا
بھی بلا لیجئے۔''

''صوفی صاحب کہئے۔'' سعیدہ نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔ ''وہ کسی درخت پر
گلہریاں پکڑ رہی ہوگی۔''

''تو چلئے اسی درخت کے نیچے سہی۔''

''یہیں سنیں گے۔'' نکہت نے کہا۔

''پاگل ہوئی ہے۔'' سعیدہ بولی۔ ''ڈیڈی دھر پت الاپنا شروع کر دیں گے۔''

وہ عقبی پارک کے ایک درخت کے سائے میں آبیٹھے۔ دن ڈھل رہا تھا اور دھوپ
اب زیادہ تمازت نہیں رہ گئی تھی۔

حمید نے چاروں طرف متجسس نظروں سے دیکھا مگر صوفیہ یہاں بھی کہیں نہ دکھائی د

''چلئے دیپک سنائیے۔'' نکہت نے کہا۔

''دیپک......!'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''آپ میں سے کسی کو میگھ ملہار آتی ہے۔''

''کیا واقعی دیپک راگ سے چراغ جل اٹھتے تھے۔'' سعیدہ نے پوچھا۔

''بالکل......'' حمید سنجیدگی سے سرہلا کر بولا۔ ''محض اسی لئے ایک بار تان سین کو
ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کرنی پڑی تھی۔''

''کیوں......دہلی ریڈیو......!'' سعیدہ ہنسنے لگی۔

''جی ہاں......ہوا یہ کہ ایک بار بیربل کی حماقت سے دیا سلائیوں کی امپورٹ بند ہو
سارے ملک میں اندھیرا چھا گیا۔ تب اکبر بادشاہ نے تان سین کو ریڈیو اسٹیشن میں ملاز

دلوادی۔ سانجھ بھئے وہ دیپک براڈ کاسٹ کرتا تھا اور ملک کے چراغ روشن ہو جاتے تھے۔''

''تو وہ غریب بھی روز ہی جل بھن جاتا رہا ہوگا۔''

''قطعی نہیں! وہ ایک ریفریجریٹر میں بیٹھ کر گایا کرتا تھا۔''

دونوں نے قہقہہ لگایا۔ پھر نکہت بولی۔ ''آج کل کسی کو دیپک اور ملہار کیوں نہیں آتے۔''

''بجلی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی بناء پر۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''تان سین زندہ ہوتا تو اسے کسی پاور ہاؤز میں قلی گیری کرنی پڑتی۔ رہا ملہار کا قصہ تو وہ صرف مینڈکوں کو پسند آیا تھا۔ مینڈک ہی آج بھی ملہار گاتے ہیں اور جب گاتے ہیں تو پانی ضرور برستا ہے۔ اس زمانے میں تان سین کو محکمہ موسمیات میں ضرور نوکری مل جاتی۔''

''آپ باتوں میں ٹالیں گے سنائیں گے نہیں۔'' سعیدہ نے کہا۔

''آؤٹ ہاؤز میں آگ لگی ہوگی تو بڑا زوردار دھماکہ ہوا ہوگا۔'' حمید بولا۔

''پتہ نہیں......!'' سعیدہ دفعتاً مغموم ہو کر بولی۔ ''ہم سو رہے تھے۔''

نکہت بھی اداس نظر آنے لگی۔

''بڑا عبرت ناک منظر ہوگا۔''

وہ دونوں خاموش رہیں۔ پھر نکہت اٹھتی ہوئی بولی۔

''ہم نے ابھی چائے نہیں پی۔''

اس کے اٹھتے ہی سعیدہ بھی کھڑی ہوگئی۔

''ہائیں......تو کیا اب میں ان درختوں کو سناؤں گا۔ بھائی دانش میرے بڑے قدر داں
ں۔ مگر افسوس کہ وہ موجود نہیں۔''

''کک......کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔'' سعیدہ حمید کو گھور کر بولی۔

''جاننے کی ایک ہی کہی......ارے ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔''

''تب تو آپ بھی انہیں کی طرح آوارہ ہوں گے۔'' نکہت ناک پر شکنیں ڈال کر بولی۔

''آوارہ......!'' حمید حیرت سے بولا۔

"جی نہیں بہت شریف۔" نکہت نے طنزاً کہا۔ "اتنے شریف کہ ایک ماہ سے گھر والوں]کو[
ان کی شکل نہیں دکھائی دی۔"

"حیرت ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ شہر ہی میں ہیں۔ شائد چودہ پندر]ہ[
دن قبل ملاقات بھی ہوئی تھی۔"

"شہر ہی میں ہیں۔" سعیدہ نے حیرت سے کہا۔

"میں پندرہ دن قبل کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ ایک ماہ سے گھر نہیں آئے۔" نکہت بولی۔ "سنا ہے اب شراب بھی پینے لگے ہیں۔"

"اب کیا...... وہ پہلے بھی پیتے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہم لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔"

"لیکن میں انہیں راہ راست پر لاسکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"وہ کس طرح۔"

"آپ مجھے بتایئے کہ وہ کہاں مل سکیں گے۔ میں آج ہی انہیں پکڑ لاؤں۔"

"یہی معلوم ہوتا تو ڈیڈی ہی نہ پکڑ لاتے۔" نکہت بولی۔ "آپ تو ان کے دوست ہ]یں[
ہیں۔ آپ سے کیا پردہ۔ وہ بیس بائیس ہزار روپے کے مقروض ہوگئے ہیں اور قرض بھی بڑ]ے[
آدمیوں کا ہے۔ آج ہی شہر کا ایک مشہور بدمعاش صفدر تقاضے کے لئے آیا تھا...... میرا خیا]ل[
ہے کہ وہ قرض خواہوں کی وجہ سے کہیں چھپ گئے ہیں۔"

"اوہ...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ قرض دار بھی ہیں۔" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ حقیقت ہے یا یہ دونوں لڑکیاں جان بوجھ کر اُسے گمراہ کرنے کی
کوشش کر رہی ہیں۔ حمید سوچتا رہا اور وہ دونوں چلی گئیں۔

دھوپ عمارت کی دیواروں پر چڑھنے لگی تھی۔

حمید اٹھ کر آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا عمارت کے داہنے بازو کی طرف آیا۔ وہ یونہی بغیر مقصد
ادھر نکل آیا تھا اور بالکل دیوار کے نیچے چل رہا تھا۔ دفعتاً کوئی چیز اس کے سر پر گری اور پھسل]کر[

ہوئی نیچے چلی آئی۔ حمید کا سر بیساختہ اوپر کی طرف اٹھ گیا۔ رسی اوپری منزل کی ایک کھڑکی
سے پھینکی گئی تھی۔ کھڑکی میں ایک چہرہ دکھائی دیا۔ وہ صوفیہ تھی جیسے ہی اس کی نظر حمید پر پڑی
اس نے رسی کو اوپر کھینچ کر کھڑکی بند کر لی۔

حمید پہلے تو یہ سمجھا کہ شائد صوفیہ بھی اسے چھیڑ رہی ہے لیکن پھر اسے اپنا خیال تبدیل
کر دینا پڑا۔ کیونکہ اوپر سے پھینکی گئی رسی حقیقتاً رسی نہیں تھی بلکہ نواڑ کو بٹ کر اسے رسی کی شکل دی
گئی تھی اور پھر ایک دوسرے ہی خیال نے اس کے ذہن میں سر ابھارا...... وہ تیزی سے چلتا ہوا
عمارت کے سرے تک آیا اور پھر وہیں سے مہندی کی باڑھ کی اوٹ پکڑ کر دوبارہ اسی کھڑکی کی
طرف چلنے لگا۔ اس طرف مہندی کی باڑھ شائد عرصہ سے بے مرمت پڑی ہوئی تھی اس لئے
حمید کو دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کھڑکی پھر کھلی۔ صوفیہ نے آدھے دھڑ
سے باہر لٹک کر چاروں طرف دیکھا اور پھر اس نے رسی نیچے پھینک دی۔

پھر حمید نے جو دیکھا وہ اس کے لئے حیرت انگیز بھی تھا اور وحشت ناک بھی۔ کھڑکی
زمین سے پچیس یا تیس فٹ بلند تھی اور صوفیہ اس رسی کے سہارے در دیوار سے دونوں پیر
لگائے اتنی بے خوفی سے نیچے اتر رہی تھی جیسے وہ اس کے لئے محض ایک معمولی سی تفریح ہو۔
اُسے زمین تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

فرار

حمید نے ایک بار پھر کھڑکی کی بلندی کا جائزہ لیا اور سناٹے میں آگیا۔ صوفیہ نے اپنے
سینڈل پتلون کی جیب میں ٹھونس رکھے تھے اور انہیں جلدی سے پیروں میں ڈالا اور قریب
قریب دوڑتی ہوئی گیراج کی طرف چلی گئی۔ حمید چپ چاپ مہندی کی باڑھ کی اوٹ سے نکلا۔
چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر وہ بھی گیراج ہی کی طرف چلنے لگا۔

صوفیہ گیراج سے سرخ رنگ کی ٹوسیٹر نکال چکی تھی وہ اسے کافی تیز رفتاری سے ہوئی پھاٹک سے گذر گئی۔

فریدی کی کیڈی دوپہر سے اب تک پورچ ہی میں کھڑی رہی تھی۔ حمید کو اُس تک کے لئے کافی تیز دوڑنا پڑا...... اتفاق سے وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا...... ورنہ وہ اس حرکت کو پاگل پن پر محمول کرتا۔

سڑک پر آ کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ لیکن سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کا ن ملا۔ جس رفتار سے صوفیہ اسے باہر لائی تھی اگر وہی رفتار سڑک پر بھی برقرار رکھی ہوگی تب نہ جانے کہاں پہنچی ہوگی۔

حمید نے گیئر بدلے اور کیڈی فراٹے بھرنے لگی۔ دھندلکا پھیلنے لگا تھا لیکن ابھی اتن باقی تھی کہ وہ سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کو دور ہی سے دیکھ سکتا تھا۔ وہ برابر رفتار تیز کرتا رہا۔

آخر شہر پہنچتے پہنچتے اس نے سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کو جا ہی لیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔

ایک جگہ صوفیہ کی گاڑی رک گئی۔ حمید نے صوفیہ کو اتر کر ملبوسات کی ایک بڑی دکا گھستے دیکھا۔ وہ اپنی کیڈی کو بیک کر کے ایک گلی میں لایا اور انجن بند کر کے اس نے ا چھوڑ دیا۔

ٹوسیٹر اب بھی وہیں کھڑی تھی جہاں چھوڑی گئی تھی۔ حمید سڑک کے دوسرے ک سے ملبوسات کی دوکان کی نگرانی کرتا رہا۔ شائد بیس منٹ بعد صوفیہ برآمد ہوئی اور آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ اس کے جسم پر اب قمیض اور پتلون کی بجائے ایک نفیس قسم کی ساری تھی اور اس نے اپنی داہنی بغل میں ایک چھوٹا سا بنڈل دبا رکھا تھا۔ وہ سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ حمید کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ کچھ دور صوفیہ پھر ایک دوکان میں گھس گئی جہاں چمڑے کا سامان فروخت ہوتا تھا۔ حمید کو بھی رک پڑا لیکن اس بار بھی وہ دوکان کے اندر نہیں گیا۔

صوفیہ تھوڑی دیر بعد ہاتھ میں چمڑے کا ایک سوٹ کیس لٹکائے ہوئے باہر نکلی۔

ت اتنی حیرت انگیز نہیں تھی جتنی کہ اس کی دوسری حرکت ہوسکتی تھی۔ اس نے ایک گذرتی ہوئی یکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

پھر حمید نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور اس گلی میں پہنچا جہاں اس نے کیڈی کھڑی کی تھی۔ دوسرے لمحے کیڈی بھی سڑک پر تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس نے اپنی کار کی موجودگی میں ٹیکسی کیوں کی؟ کیا وہ سچ مچ ار ہو رہی ہے۔ آخر کیوں؟ کیا اس کا بھی اس کیس سے تعلق ہے...... کوئی ایسا تعلق جس کی پر اُسے فرار ہونا پڑے۔ پھر اس کے خیالات کی رو فرار کے طریقے کی طرف بہک گئی۔ آخر طرح فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک پچیس فٹ بلند کھڑکی سے بٹی ہوئی نواڑ کے یعہ چوروں کی طرح اترنا...... اور پھر گیراج میں داخل ہو کر علی الاعلان کار نکالنا جیسے اس کے ی کے دیکھ لئے جانے کی پرواہ نہیں تھی...... اور اب وہ اس کار کو بھی سڑک کے کنارے اس رح چھوڑ کر فرار ہو رہی تھی جیسے وہ کار چوری کی رہی ہو۔

صوفیہ کی ٹیکسی شیبان کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ متوسط درجے کا ایک اقامتی ل تھا۔ پورچ میں کھڑے ہوئے ایک پورٹر نے صوفیہ کا سوٹ کیس اٹھایا اور اندر جانے کے ے اس کی رہنمائی کرنے لگا۔

حمید نے بھی کمپاؤنڈ ہی میں کیڈی روک دی تھی۔ لیکن اندر ہی بیٹھا اسے پورٹر کے ساتھ تے دیکھتا رہا۔

یقیناً وہ یہاں قیام ہی کرنے کے لئے آئی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید ہوٹل کے منیجر کے کمرے میں تھا۔ اس نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر منیجر سامنے رکھ دیا۔

''اوہ...... فرمائیے۔'' منیجر کچھ مضطرب سا نظر آنے لگا۔

''تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔'' حمید بولا۔ ''پرسوں سے کل تک کے قیام کرنے والوں ستخط دیکھنا چاہتا ہوں۔''

"کوئی خاص بات۔"

"جی ہاں...... ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی تلاش ہے جو شہر کے کسی ہوٹل میں مقیم ہے"

منیجر نے رجسٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔ رجسٹر کھلا ہوا تھا۔ شاید وہ صوفیہ کے دستخ
کے بعد سے اب تک بند نہیں کیا گیا تھا۔ حمید کی نظر سب سے پہلے آج کے آخری نام
جو صوفیہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس کی بعد سے اب تک اور کوئی نیا
والا آیا ہی نہیں تھا۔

صوفیہ نے اپنا نام مسز آشا ورما لکھا تھا اور دستخط بھی اس نام کے کئے تھے۔
جلدی سے وہ صفحہ الٹ کر دو دن قبل کی آمد و رفت کا صفحہ کھولا۔ اس کا مقصد تو حل ہو
اب اُسے صرف منیجر کو دکھانے کے لئے پچھلے ناموں پر نظر ڈالنی پڑی تھی۔

"شکریہ......!" حمید نے تھوڑی دیر بعد رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مل گیا......!" منیجر نے پوچھا۔

"نہیں...... یہاں نہیں ہے۔"

پھر منیجر کے چہرے سے فکر کے بادل چھٹ گئے اور اس نے بڑی خوش دلی
اسے رخصت کیا۔

حمید نے باہر آکر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کا رخ کیا۔ اسے توقع تھی کہ فریدی
کی کوٹھی ہی میں ہوگا۔ کیونکہ کیڈی لے کر تو وہ چلا آیا تھا اور اس طرف ٹیکسیاں بھی شاذ
جاتی تھیں۔ اس نے نمبر ڈائیل کئے...... کسی نے دوسری طرف سے کال ریسیور کی۔
فریدی کا نام لیا...... پھر اسے کچھ دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

"ہیلو...... کون ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں حمید بول رہا ہوں۔ لیکن میں فریدی صاحب سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ معاف کیجئے گا......" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "نوکر کو غلط فہمی ہوئی تھ
ٹھہریئے۔"

حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اگر وہ جلدی میں ہوتا اور اس نے
واز کے فرق کو نہ محسوس کیا ہوتا تو اس کی گفتگو فریدی کے بجائے کسی اور نے سنی ہوتی۔

جلد ہی اسے دوسری طرف سے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"کہاں ہو تم......!" فریدی نے پوچھا۔

"پبلک ٹیلی فون بوتھ نمبر ستائیس میں...... آپ کے لئے ایک دلچسپ اطلاع ہے۔"

"میں فون پر کوئی اطلاع سننا پسند نہیں کروں گا...... سمجھے...... تم کب واپس آؤ گے۔"

"خیر نہ سنئے......!" حمید نے کہا۔ "لیکن میں اپنے محکمے کے کسی آدمی سے کوئی مدد لے سکتا
ں یا نہیں۔"

"کیا موجودہ معاملات کے متعلق۔"

"جی ہاں۔"

"کس سلسلے میں۔"

"محض نگرانی کے لئے۔"

"اجازت ہے...... جلد واپس آنے کی کوشش کرنا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوجانے کے بعد حمید نے بھی ریسیور ہک سے لگا دیا لیکن
بوتھ سے باہر نہیں نکلا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دوبارہ کسی نمبر کے ڈائیل کئے
اب وہ شاید اپنے محکمے کے کسی آدمی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے اُسے شیبان ہوٹل میں
ری ہوئی ایک عورت مسز آشا ورما کی نگرانی کرنے کو کہا تھا۔

بوتھ سے نکل کر وہ کیڈی میں آ بیٹھا۔ اب وہ صوفیہ کی طرف سے مطمئن ہو چکا تھا۔ اس
اپسی بڑی پرسکون تھی اور وہ راستے میں سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے فون پر گفتگو کیوں
ں کی۔ اچانک اُسے یاد آیا کہ سرمخدوم کی کوٹھی میں دو فون تھے ایک سرمخدوم کے آفس میں
اور دوسرا لائبریری میں۔ ان میں سے کسی ایک پر دونوں کی گفتگو صاف سنی جا سکتی تھی۔ ہوسکتا
ہے فریدی نے اسی خیال کے تحت فون پر بات کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

کوٹھی میں فریدی اس کا منتظر تھا۔ حمید نے جاتے ہی اپنا کارنامہ شروع کر دیا۔ فر
لاپروائی سے سن رہا تھا جیسے حمید یونہی تضیع اوقات کرتا رہا ہو۔ گفتگو کے اختتام پر اس
کر کہا۔ ''میں سمجھا تھا شائد تم نے اس سے کوئی کام کی بات معلوم کی ہے۔''

''کیا یہ واقعہ ہی بجائے خود ایک کام کی بات نہیں۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''خدا جانے۔'' فریدی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ کچھ دیر خاموش
بولا۔ ''یہاں اس سلسلے میں کافی شور وغل ہو چکا ہے۔ ناصر اس لڑکی کی حرکت پر بُر
چراغ پا ہو رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ آئے دن اسی طرح کی حرکتیں کیا کرتی ہے۔''

''تو پھر شاید اس کا بھی دماغ خراب ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''ارے اس نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے چھوڑ دی ہے۔ شاید اُسے اب
پولیس کے کسی آدمی نے کوتوالی بھی پہنچا دیا ہو۔ لیکن کیا ہم اسے بھی پاگل پن سمجھیں کہ و
ہوٹل میں مسز آشا ورما کے نام سے مقیم ہے...... آخر کیوں؟''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''بعض لوگ خود نمائی کے لئے اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ دوسروں کو حیر
ڈالنے کے لئے اگر صوفیہ کا بھی یہی مقصد ہوتا تو پہلی بار مجھے دیکھ کر کھڑکی کیوں بند کر لی
جب اس نے اطمینان کر لیا کہ میں جا چکا ہوں تو وہ چوروں کی طرح نیچے اتری...... کیا
جواب ہے آپ کے پاس۔''

''جواب.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''
جواب یہ ہے کہ وہ کمرہ باہر سے مقفل تھا۔''

''کون سا کمرہ.....!''

''وہی، جس کی کھڑکی سے وہ زمین تک پہنچی تھی۔''

''آپ کو کیسے علم ہوا۔''

''جب وہ لوگ کھڑکی کے نیچے کھڑے شور کر رہے تھے میں اوپری منزل پر چلا گیا۔ ناصر
چاہئے تھا کہ غل مچانے سے پہلے کمرے کا تالا کھول لیتا۔''

''تو کیا اُس نے اُسے قید کر رکھا تھا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' فریدی سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ صوفیہ کوئی اہم بات جانتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''آخر آپ خلاف معمول اتنے غیر یقینی انداز میں کیوں گفتگو کر رہے ہیں۔'' حمید جھنجھلا
بولا۔

''بہتیرے معاملات خود میرے ذہن میں ابھی تک صاف نہیں ہیں......اور پھر میں غیب
تو ہوں نہیں کہ پیشین گوئیاں شروع کر دوں۔''

''کون سے معاملات آپ کے ذہن میں صاف نہیں۔''

''جتنے بھی ہیں۔''

''شاید پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کی گفتگو سن رہا ہوں۔''

''کیا پہلے کبھی اس قسم کے کیس سے سابقہ پڑا تھا۔'' فریدی نے اسے تیکھی نظروں
دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اُس نے کہا۔

''رات والے آدمی کے لئے آپ نے کیا کیا۔''

''وہی تو مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔''

''الجھن میں کیوں؟''

''شاید اس وقت تمہارا ذہن سوچنے کیلئے موزوں نہیں ہے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''وہ کبھی نہیں ہوتا......علاوہ اُن مواقع کے جب معدہ ٹھیک نہ ہو۔''

''تم اس لڑکی سے ملے کیوں نہیں۔'' فریدی نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

"میں فون پر آپ سے اسی کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا۔"

"کب تک انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے۔"

"جب تک جوان نہ ہو جاؤں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"جس دن میرا ہاتھ اٹھ گیا...... جوان بھی ہو جاؤ گے۔"

"اور یہ شعر پڑھتا ہوا جوان ہوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

انگڑائی لینے بھی نہ پائے تھے وہ اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ

"مت بکواس کرو۔" فریدی دانت پیس کر اُسے مکا دکھاتا ہوا بولا۔

حمید پائپ کو دانتوں میں دبا کر جیب میں دیا سلائی ٹٹولنے لگا۔

"تم ابھی جاؤ......!" فریدی نے کہا۔ "صوفیہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اُسے کس نے اور کیوں قید کیا تھا۔"

"لیکن واپسی کا ذمہ دار میں نہ ہوں گا۔"

"کیا مطلب......!"

"معاف کیجئے گا...... میں بار برداری کا خچر نہیں ہوں۔"

"پھر کیا ہو......؟"

"بار برداری کا خچر......!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"چلو وقت نہ ضائع کرو۔"

"لیکن میں اس وقت واپس نہ آسکوں گا۔"

"ضروری نہیں...... تم صبح آسکتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں دراصل فی الحال یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتا...... ورنہ خود ہی دیکھتا۔"

"اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"لڑکی کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسی کو مقرر کر کے گھر چلے جانا۔"

"آپ کو اطلاع کس طرح دی جائے۔"

"واپسی پر...... اس کی جلدی نہیں۔ فون پر کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں دو سیٹ ہیں۔ ایک پر دوسرے کی گفتگو بہ آسانی سنی جاسکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کسی نے اس کی کوشش کی تھی۔" حمید بولا۔ "میں آپ کی آواز فون پر بھی پہچان سکتا ہوں۔ ورنہ پوری رپورٹ کسی اور تک پہنچ چکی ہوتی۔"

"آواز کس کی تھی۔"

"اندازہ نہیں لگا سکا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے کیڈی نکالی اور شہر کے راستے پر ہولیا۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے تاریکی گہری ہو گئی تھی۔

حمید آئندہ کے لئے پروگرام سوچ رہا تھا۔ صوفیہ ایڈونچر کی شائق تھی اس لئے اس کے ساتھ بہترین وقت گذر سکتا تھا۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ ایک کار کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ تعاقب کا خیال اس وقت اور زیادہ پختہ ہو گیا جب حمید نے بھی کیڈی کی رفتار کم کر دی اور اس کے باوجود دونوں کاروں کے فاصلے میں کوئی فرق نہ آیا۔ دوسری طرف بھی شائد رفتار کم کر دی گئی تھی۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد بھی حمید کا تعاقب جاری رہا۔

اور پھر حمید نے ہوٹل شیبان کی بجائے کیڈی کا رخ فریدی کی کوٹھی کی طرف کر دیا۔

دوسری شہادت

صوفیہ ہوٹل شیبان کے ایک کمرے میں آرام کرسی پر پڑی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً کسی نے باہر سے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ صوفیہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور دستک دینے والے کو ہوٹل کا کوئی ملازم سمجھ کر بولی۔ "آجاؤ۔"

ہینڈل گھوما اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دستک دینے والا اندر آنے کی بجائے دروازے
پر کھڑا رہا۔ صوفیہ نے آرام کرسی کے ہتھے پر جھک کر دروازے کی طرف جھانکا اور پھر بوکھلا
کھڑی ہوگئی۔ آنے والا نہ تو ہوٹل کا کوئی ویٹر معلوم ہوتا تھا اور نہ اس کا شناسا۔ ہوٹل کا ویٹر ا
نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے ایک نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا اور شناسا اس لئے نہیں ہو
تھا کہ وہ ایک کافی عمر آدمی تھا اور اس کے چہرے پر جی۔ بی۔ ایس ٹائپ کی سفید ڈاڑھی تھی
"ایک مسز آشا ورما میری شناسا تھیں۔" بوڑھا آدمی بڑبڑایا۔ "میں سمجھا تھا شائد وہ
ہوں۔"

"شائد میں بھی آپ کو نہیں جانتی۔" صوفیہ نے کہا۔

"قطعی......!" بوڑھے نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر سر ہلا کر بولا۔ "لیکن میری موجودگی آ
کے لئے تکلیف دہ نہیں ہوسکتی۔ اگر اجازت ہو تو میں دو منٹ بیٹھ کر دم لے لوں۔ مجھ
لوگوں کے لئے تیسری منزل پر پہنچنا آسان کام نہیں۔"

"اوہو......!" صوفیہ جلدی سے بولی اور بڑے تکلف سے آرام کرسی کے سرے پر
گئی۔ بوڑھا بیٹھ کر تھوڑی دیر ہانپتا رہا پھر صوفیہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"اگر آپ میری شناسا ہوتیں تو میری تھکن کے باوجود مجھے پریشان کر ڈالتیں۔"

"اوہ......" صوفیہ بھی جواباً مسکرائی پھر سنبھل کر بولی۔ "میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"

"میں پامسٹ ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔

"لیکن مجھے پامسٹری سے کوئی دلچسپی نہیں۔" صوفیہ نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔
وہ سوچنے لگی تو یہ حضرت اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اس طرح تعارف حاصل کر
ہیں۔ اس نے اکثر سنا تھا کہ شہر کے بعض ہوٹلوں میں اس قسم کے لوگ قیام کرنے والا
مستقبل کے حالات بتانے کے بہانے ٹھگ لیا کرتے ہیں۔

"راجہ صاحب...... چندر نگر کا بھی یہی خیال تھا۔" بوڑھے نے سنجیدگی سے سر ہلا کر کہا
"لیکن پھر انہیں ماننا ہی پڑا۔ بہت دلچسپ قصہ ہے...... یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی

اجہ صاحب ریس کے بڑے شوقین ہیں اور ان کے کئی گھوڑے ریس میں حصہ لیتے ہیں۔ ان
یں مچ لیس بڑا مشہور تھا۔ پچھلے دنوں میں نے انہیں بتایا کہ اگلی ریس میں مچ لیس کو گولی ماردی
ائے گی۔ انہوں نے میرا مضحکہ اڑادیا۔ میں خاموش رہا۔ لیکن کیا ہوا...... مچ لیس دوڑا...... سو
صدی توقع تھی کہ اول آئے گا اور وہ تھا بھی سب سے آگے لیکن اچانک ٹھوکر کھائی اور جا کی
یت منہ کے بل زمین پر آرہا...... اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ظاہر ہے اس کے بعد اسے گولی
ردی گئی۔ اگر راجہ صاحب میرے کہنے پر عمل کرتے اور اسے اس دن ریس میں شامل نہ کرتے
مچ لیس محفوظ ہوتا......"

"لیکن میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں ہے۔" صوفیہ ہنس پڑی۔

"لڑکی تم اس طرح میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتیں۔" بوڑھا بگڑ گیا۔ "میں اپنے وقت کی عظیم
رین ہستی ہوں۔ میں تمہاری پیشانی پر بربادیوں کے سائے دیکھ رہا ہوں۔ کیا آج تم ایک
صیبت میں نہیں پھنسی تھیں۔ کیا اپنی جان پر کھیل کر تم اس سے نہیں نکلیں۔"

صوفیہ چونک کر بوڑھے کو گھورنے لگی۔

"اچھا اب میں چلا۔" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے......!" صوفیہ نے کہا۔ "تشریف رکھئے۔"

بوڑھا بیٹھ گیا۔

"لیکن......!" صوفیہ بولی۔ "آپ نے جو کچھ کہا ہے اس کا پامسٹری سے کیا تعلق ہوسکتا
ہے۔ پامسٹری تو ہاتھ کی لکیروں پر منحصر ہے۔"

"میں صرف پامسٹ ہی نہیں ہوں۔" بوڑھے نے فخریہ انداز میں گردن اونچی کر کے کہا۔
"مجھ میں روحانی قوتیں بھی ہیں۔ میں ایک بے سہارا لڑکی کو مصائب میں گھرا ہوا دیکھ رہا
ہوں۔ ایک لڑکی جو صرف مس ہے۔ مسز کسی طرح نہیں ہوسکتی۔"

"آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔" صوفیہ نے پرسکون انداز میں کہا۔

"لوگ مجھے شاہ بلوط کہتے ہیں۔" بوڑھے نے فخریہ کہا۔

"شاہ بلوط۔" صوفیہ ہنسنے لگی۔ "یہ تو ایک درخت کا نام ہے۔"

"اونچا اور تناور درخت......!" بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے خیال سے اب آپ کی سانس درست ہوگئی ہوگی۔" صوفیہ سرد لہجے میں بول

"آں...... ہاں......" بوڑھا ہچکچا کر بولا۔ "کیا آپ اپنے مستقبل کے بارے میں نہیں جاننا چاہتیں۔"

"مجھے افسوس ہے مستقبل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے آپ کی فیس کیا ہے۔"

"فیس......!" بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "کچھ بھی نہیں۔ فیس میں اس وقت لیتا ہوں ج کوئی خود سے خواہش کرتا ہے اور جن کے ہاتھ میں اپنی مرضی سے دیکھتا ہوں ان سے کوئی فی نہیں لیتا۔"

"تو آپ یونہی تفریحاً ہاتھ دیکھا کرتے ہیں۔"

"محض تجربات میں اضافہ کرنے کے لئے۔"

صوفیہ نے تمسخر آمیز انداز میں مسکرا کر اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کردی۔

"ہاتھ تو بڑا اچھا ہے۔" بوڑھے نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "ا میں ماضی سے شروع کرتا ہوں، تمہارے والدین بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے...... کیوں؟"

"ٹھیک ہے......!" صوفیہ سر ہلا کر بولی۔

"لیکن پھر بھی تم نے اپنے دن اچھے گزارے۔ اب حال کی طرف آتا ہوں۔ تم آج کل کئی قسم کی الجھنوں کا شکار ہو۔ تمہارے دل پر کسی بات کا بوجھ ہے تم اُسے کہہ ڈالنا چاہتی ہو لیکن کوئی ایسا ہمدرد نہیں ملتا...... کیوں؟"

"ٹھیک ہے......! میں ایک بات اگل دینے کے لئے بُری طرح بے تاب ہوں۔"

"لیکن کس سے کہوں۔"

"مجھ سے کہو...... ممکن ہے میں تمہاری مدد کرسکوں۔" بوڑھے نے کہا۔

"کہہ دوں......!" صوفیہ بولی۔

"کہہ دو......!"

"تم مجھے اسٹیج کے مسخرے معلوم ہوتے ہو...... کیوں؟" صوفیہ نے بوڑھے کے لہجے کی نقل اتاری۔ "تم فی الحال ایک بہت بڑی مصیبت میں پڑ گئے ہو اور ایک لڑکی تمہاری ڈاڑھی نوچنے کے امکانات پر غور کر رہی ہے لیکن تم بُرا نہیں مانو گے۔ یہی تمہارا مستقبل ہے۔"

پھر صوفیہ نے جھپٹ کر بوڑھے کی ڈاڑھی پکڑلی جو روئی کے گالے کی طرح اکھڑتی چلی آئی۔

بوڑھا اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن اس کا گریبان صوفیہ کی گرفت میں آچکا تھا۔ صوفیہ نے اُسے آرام کرسی میں دھکیل دیا۔

"تم لوگ مجھے کہیں بھی چین سے نہیں رہنے دو گے۔" صوفیہ ہانپتی ہوئی بولی پھر ہنسنے لگی۔

حمید نے بچے کھچے بال بھی اپنے گالوں سے نوچ لئے اور شریر نظروں سے صوفیہ کی طرف یکھنے لگا۔

"تمہاری ہی وجہ سے وہاں سے بھاگی ہوں۔" صوفیہ نے کہا۔

"اب زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو...... بہت زیادہ چالاک نہیں ہو۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیا مطلب......!"

"مطلب صاف ہے۔ تم نے پلنگ کی نواڑ کھولی اسے رسی کی طرح بٹ کر کھڑکی سے نیچے اتریں۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ دروازے سے نہیں فرار ہوسکتی تھیں۔ اور پھر تم ہماری ہ سے بھاگی کیوں...... کیا آؤٹ ہاؤز میں تم نے ہی آگ لگائی تھی۔"

صوفیہ کے چہرے پر زردی چھا گئی اس نے جلدی سے کہا۔ "ہرگز نہیں! یہ تو میں نے تم وں کو پریشان کرنے کے لئے کیا تھا تاکہ تم لوگ کچھ دیر بھاگ دوڑ کرو۔ میں نے تمہیں ڑکی کے نیچے دیکھ کر ہی یہ حرکت کی تھی۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ تم میرا تعاقب کررہے ...... کہو کیسی رہی۔"

صوفیہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ لیکن حمید یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔

اس نے کہا۔ "ناصر صاحب کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ تمہارا ایڈونچر تھا۔"

”گھر والے مجھے بچپن ہی سے جانتے ہیں۔“

”میں بھی تم سے اچھی طرح واقف ہوں۔“ حمید بولا۔ ”تم ان لوگوں میں سے
اپنے دشمنوں کو بھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”اچھی طرح سمجھتی ہو۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”کیا اُن لوگوں نے تمہیں کمرے میں قید
کر دیا تھا۔“

ایک بار پھر صوفیہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لے

”وہ لوگ نہیں چاہتے کہ تم ہم سے ملو۔“ حمید کہتا رہا۔ ”بات حقیقتاً یہ ہے کہ تم دانش
متعلق کوئی اہم بات جانتی ہو۔“

”میرے خدا......!“ صوفیہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

”ہم دانش کے متعلق بہت سی معلومات فراہم کر چکے ہیں اور ان کی روشنی میں ہم یہ
پر مجبور ہیں کہ یہ فعل دانش کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں......نہیں یہ غلط ہے۔“ صوفیہ نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”بالکل درست ہے۔“ حمید بولا۔ ”دانش پچیس تیس ہزار کا قرض دار تھا اور ظاہر ہے
اتنی رقم نہ دانش کے بس کا روگ تھی اور نہ ناصر کے۔ البتہ سر مخدوم کی موت ناصر کو دولت
بنا سکتی تھی۔ پھر ناصر سے یہ کیسے ہوتا کہ دانش کو قرض خواہوں میں گھرا ہوا دیکھتا۔“

صوفیہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر تھوک نگل گئی۔

”ہو سکتا ہے کہ تم دانش کی موجودہ قیام گاہ سے واقف ہو۔“

”نہیں......خدا کی قسم میں نہیں جانتی۔“

”پھر انہوں نے تمہیں کیوں قید کر دیا تھا۔“

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ وہ فرش کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”تم سر مخدوم کے قاتل کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں یہ غلط ہے۔“ صوفیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”پھر......؟“

”دانش بھی میرا چچا زاد بھائی ہے اور ناصر چچا ہیں ان سے بھی وہی رشتہ ہے جو سر مخدوم
سے تھا۔“

”تو تم قانون کی مدد نہیں کرو گی۔“

”مم......میں!“

”سر مخدوم تمہارے محسن تھے۔“

”تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“

”یہی کہ انہوں نے تمہیں قید کیوں کر دیا تھا۔“

”میں نے دانش بھائی کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا اسی رات کو جب آگ لگی تھی۔“

”کیا وقت رہا ہوگا۔“

”شاید ایک بجا تھا۔“

”تم اس وقت کمپاؤنڈ میں کیا کر رہی تھیں۔“

”میں کمپاؤنڈ میں نہیں تھی۔ میری خواب گاہ اوپری منزل پر ہے اور اس کی ایک کھڑکی
نڈ کی طرف ہے۔ مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ میں کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ کمپاؤنڈ میں اندھیرا
...لیکن تاروں کی چھاؤں میں مجھے ایک دھندلا سا انسانی سایہ دکھائی دیا۔ میں نے ٹارچ
ا اس کی روشنی میں مجھے دانش بھائی دکھائی دیئے جو آؤٹ ہاؤز کی طرف جا رہے تھے۔“

”آگ جب لگی تم جاگ رہی تھیں۔“

”نہیں سو چکی تھی۔“

”آگ لگنے پر آنکھ کھل گئی ہوگی۔“

”سب ہی جاگ پڑے تھے۔“

”تو تمہارا خیال دانش کی طرف گیا ہوگا۔ قدرتی بات ہے۔“

''نہیں ...... میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''پھر گھر والوں کو کیسے معلوم ہوا کہ تم نے دانش کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔''

''یہ بات دوسرے دن سب سے پہلے دربان نے بتائی تھی جس پر ناصر چچا بگ
تھے۔ کہنے لگے کہ دربان نے خواب دیکھا ہوگا۔ پھر جب میں نے بھی انہیں رات کا واقع
خاموش ہوگئے۔ آخر انہوں نے دربان کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اس کا تذکرہ کسی
کرے گا۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھایا کہ اس بیان پر پولیس خواہ مخواہ شبہ کرے گی او
خاندان مصیبت میں پھنس جائے گا۔''

''تم نے پوچھا نہیں کہ ایسا کن بناء پر ہوسکتا ہے۔''

''وجہ میں خود ہی جانتی تھی۔ دانش بھائی شرابی اور جواری ہیں وہ کئی بار چچا جان مرحو
اس بناء پر لڑ چکے تھے کہ وہ ان کا قرض کیوں نہیں ادا کردیتے اور اس کی عدم موجودگی میں
ہمارے سامنے وہ یہ بات کہہ چکے تھے کہ وہ چچا جان کو مار ڈالیں گے۔ لیکن ایسے موقعو
ہمیشہ نشے میں ہوتے تھے۔ ناصر چچا کا خیال ہے کہ ممکن ہے دانش بھائی نے یہی جملہ باہ
دوستوں میں بھی دہرادیا ہو۔ اگر پولیس کو ذرا شبہ بھی ہوگیا تو پھر دانش بھائی پھنس جائیں۔''

''اچھا تو پھر وہ اس طرح غائب کیوں ہوگیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' صوفیہ بولی۔ ''یہی تو میں سوچتی ہوں۔ وہ اکثر گھر سے کئی کئی دنو
لئے غائب ہوجاتے ہیں لیکن وہ آج کل جہاں بھی ہوں گے انہیں اس حادثے کے متعلق
معلوم ہوا ہوگا۔ کئی دن تک اخبارات میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ آتا ہی رہا ہے۔ انہیں
ضرور آنا چاہئے تھا۔''

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''تم اب کیا کروگی۔''

''میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی۔''

''گھر کا کوئی آدمی تمہاری تلاش میں ہے اس نے میرا تعاقب کیا تھا لیکن میں اُ

کر گھر چلا گیا...... اور وہاں سے بوڑھے کے میک اپ میں تم تک پہنچا۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے ایسا کیا ورنہ شائد زندگی بھر تم سے ایسی مفید معلومات نہ حاصل
جاسکتیں۔''

''تو آپ نے کیا نتیجہ نکالا ہے۔''

''نتیجہ...... ظاہر ہے کہ آگ لگانے والا دانش ہی ہے اور ناصر صاحب اُس کی موجودہ
گاہ سے اچھی طرح واقف ہیں۔''

''خدا جانے......!'' صوفیہ نے کہا۔ ''دانش بھائی اتنے بُرے بھی نہیں تھے کہ سچ مچ چچا
کو ختم کردیتے۔''

''پھر غائب کیوں ہوگیا۔ اسی بناء پر نا کہ وہ بہتیرے لوگوں کے سامنے سرمخدوم کو قتل
نے کا خیال ظاہر کرچکا تھا۔ اگر اس نے یہ حرکت نہ کی ہوتی تو ضرور سامنے آجاتا اور اپنے
شہادت رفع کرانے کی کوشش کرتا۔''

''ممکن ہے...... وہ قرض خواہوں کے ڈر سے روپوش ہوگئے ہوں۔''

''تو پھر ناصر صاحب اس بُری طرح پردہ پوشی پر کیوں تلے ہوئے ہیں ورنہ یہ بات
ں بھی سوچتا ہوں کہ بظاہر دانش کے لئے اب کوئی خطرہ نہیں کیونکہ پولیس اسے اتفاقیہ حادثہ
رار دے چکی ہے اور ہم لوگ تو نجی طور پر تحقیقات کررہے ہیں۔''

''ناصر چچا کی گھبراہٹ کے لئے یہی کیا کم ہے۔'' صوفیہ بولی۔

''مجھے تو سرمخدوم کی عقل پر رونا آتا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''جب وہ حضرت یہ بات
نتے تھے کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے تو انہوں نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔''

اٹیچی میں جوتا

حمید نے وہ رات بے چینی سے گذاری۔ اُسے اس کیس کا کوئی پہلو نہیں پریشا
تھا۔ بات ساری ہونٹوں کی تھی۔ صوفیہ کے ہونٹوں کی۔ دوران گفتگو میں جن کی جنبش
دلآویز معلوم ہوتی تھی۔ حمید اس سے رخصت ہوتے وقت بہت اداس ہو گیا تھا۔

دوسری صبح وہ سر مخدوم کی کوٹھی کی طرف جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ نوکر نے ایک
لا کر اُسے دیا۔ کارڈ کے نام پر نظر پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔

''یہ یہاں کیسے؟'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''پھر نوکر سے پوچھا تنہا ہے۔''

''جی ہاں......!''

''اچھا میں آ رہا ہوں۔''

نوکر چلا گیا۔ حمید چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر وہ ڈرائینگ روم کی طرف چل پڑا۔ یہا
مخدوم کا بھانجا شمشاد اس کا انتظار کر رہا تھا۔

شمشاد مضبوط جسم کا ایک لمبا تڑنگا جوان تھا اور کچھ اس قسم کی مونچھیں رکھتا جیسے دنیا
صرف اسی کو مونچھیں رکھنے کا حق ہو۔ حمید اس کے متعلق پہلے بھی کئی بار سوچ چکا تھا اور جو کچھ
نے سوچا تھا اگر اس کا اظہار کر دیتا تو کشت وخون تک کی نوبت آ جاتی۔ نہ جانے کیوں
مونچھیں دیکھ کر اس کا خون کھولنے لگتا تھا اس کا خیال تھا کہ اول تو مونچھ رکھنے کی چیز ہی نہیں
اگر رکھی بھی جائے تو اس کی نوکیں اوپر کی طرف اٹھا کر مسخروں کی سی شکل کیوں بنائی جائے

''صوفیہ کہاں ہے۔'' شمشاد نے حمید کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

حمید کی مسکراہٹ ہونٹوں کے تنفر آمیز کھنچاؤ میں تبدیل ہوگئی۔ وہ چند لمحے شمشاد

ہا پھر بولا۔ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے اسے اغواء کیا ہے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھتا۔ مجھے اس کا پتہ چاہئے۔''

''اس کے لئے ایک بہترین طریقہ ہے۔'' حمید نے نرم لہجے میں سنجیدگی سے کہا۔

''کیا......؟''

''اخبارات میں مشتہر کرا دو...... جہاں ہوگی آ جائے گی۔''

''میرا خیال ہے کہ تم جانتے ہو۔''

''لیکن اس خیال کی وجہ......!'' حمید پھر اُسے گھورنے لگا۔

''اوہو......بس یونہی۔'' شمشاد نے کہا اور چڑھی ہوئی مونچھوں کے باوجود بھی اس کے
ہرے پر نرمی کے آثار نظر آنے لگے۔ حمید اس تغیر کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

شمشاد چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''میں نے سوچا ممکن ہے آپ کو علم ہو۔''

''میں پھر آپ سے ایسا سوچنے کی وجہ دریافت کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

''قدرتی بات ہے۔'' شمشاد نے کھنکار کر کہا۔ ''آپ لوگ تو ہمارے خاندان والوں پر
کڑی نظریں رکھتے ہوں گے۔''

''ابھی تک تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔'' حمید بولا۔

''میں اسے قطعی فضول سمجھتا ہوں کہ یہ بات بار بار دہرائی جائے۔ ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ
موں جان کی وصیت پاگل پن کا نتیجہ نہیں تھی، انہیں گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ تھا۔''

''اوہ......تو آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں۔'' حمید اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

''دیکھئے! باتوں کا ڈھکا چھپا انداز مجھے پسند نہیں۔'' شمشاد نے حمید کی آنکھوں میں
یکھتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''آپ لوگ دانش کے پیچھے ہیں۔''

''اور شاید آپ مجھے اس کا موجودہ پتہ ضرور بتائیں گے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''مجھے معلوم ہوتا تو میں اتنی دیر خاموش نہ رہتا۔'' شمشاد نے کچھ سوچتے ہو۔

''ناصر ماموں بہرحال باپ ہیں اور ان کی پریشانی یا احتیاط قدرتی چیز ہے لیکن مجرم کو
کے حوالے کردینا ہر ایک کا فرض ہونا چاہئے۔''

''میں آپ کے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔''

''صوفیہ محض ناصر ماموں کی ناعاقبت اندیشی کی بناء پر کہیں فرار ہوگئی۔ میں اس
بہت پریشان ہوں...... بیچاری یتیم بچی۔''

''تو کیا ناصر ہی نے اُسے قید کیا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ......!'' شمشاد ہنسنے لگا۔ ''تو آپ اس کا پتہ جانتے ہیں۔''

''ضروری نہیں...... اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ میں نے یہ بات صوفیہ سے معلوم کی

''پھر......؟''

''قیاس...... جس کمرے کی کھڑکی سے وہ فرار ہوئی تھی اس کا دروازہ باہر سے مقفل

شمشاد کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے سر جھکائے بیٹھا رہا پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

''اگر آپ ناصر ماموں کی جگہ ہوتے۔''

''کیا صوفیہ کو دانش کا پتہ معلوم ہے۔'' حمید نے جلدی سے پوچھا۔

''نہیں...... شائد اس نے واردات کی رات دانش کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا او
پراسرار طریقے پر غائب ہوگیا اور محض اس طرح غائب ہوجانے ہی کی بناء پر ناصر ماموں
چاہتے کہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔''

''ہوں......!'' حمید نے کرسی کا ہتھا انگلیوں سے ٹھکھٹاتے ہوئے سر ہلایا۔

''کیا ناصر ماموں کی یہ حرکت قدرتی امر نہیں۔''

''قطعی ہے...... لیکن آپ تو دانش کے باپ نہیں تھے۔'' حمید نے تلخ لہجے
''آپ کو قانون کی مدد کرنی چاہئے تھی۔''

''مجھے اس کا علم نہیں تھا۔'' شمشاد نے کہا۔ ''مجھے تو کل رات معلوم ہوا۔ صوفیہ کے

دجانے کے بعد ناصر ماموں کو اپنی اس حرکت پر بڑا افسوس ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ مجھے
ایا۔ وہ کل رات سے لڑکی کے لئے رو رہے ہیں۔''

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ حقیقتاً ناصر کی حرکت بالکل قدرتی تھی۔ دنیا کا ہر باپ اپنی اولاد
ے عیوب کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے اور پھر دانش پر تو قتل کا شبہ کیا جارہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
یا شمشاد کو صوفیہ کا پتہ بتا ہی دے۔

''سچ پوچھئے تو مجھے دانش کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں۔'' شمشاد نے کہا۔ ''مگر صوفیہ! وہ مفت
یں مصائب برداشت کررہی ہے اور دانش اپنی سزا کو پہنچے ہی گا۔''

''تو کیا آپ کو یقین ہے کہ دانش ہی نے آگ لگائی ہوگی۔'' حمید نے پوچھا۔

''اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو ناصر ماموں کے لئے پریشانی کی کوئی بات نہ تھی۔'' شمشاد
نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''کیا ناصر صاحب کو بھی اس کا یقین ہے۔''

''نہیں بظاہر تو نہیں...... وہ اس کی بے گناہی کے سلسلے میں سینکڑوں دلائل پیش کرتے ہیں۔''

''دلائل...... بھلا کس قسم کے؟'' حمید نے اپنی پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے پوچھا۔

''سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ دانش نیم فاتر العقل قسم کا آدمی ہے۔ حد سے بڑھی
ہوئی شراب نوشی نے اس کے دماغ کی چولیں ہلادی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ نشے کی لہر اُسے اس
رات کوٹھی تک لائی ہو اور پھر وہ تھوڑی دیر ٹہل کر واپس چلا گیا ہو۔ اگر اس نے آگ لگائی بھی
ہوتی تو اس طرح غائب نہ ہوجاتا۔ دوسرے یا تیسرے دن ضرور واپس آتا۔ کیونکہ پولیس اسے
اتفاقی حادثہ قرار ہی دے چکی تھی۔''

''لیکن اب کیا وجہ ہے کہ آپ اسے اتفاقی حادثہ نہیں سمجھتے۔'' حمید نے سوال کیا۔

صوفیہ نے ہمیں آؤٹ ہاؤز کے بیرونی دروازوں کے متعلق بتایا تھا۔ ہم نے بھی انہیں
دیکھا۔ حقیقتاً وہ باہر کی طرف سے بھی بولٹ کردیئے گئے تھے اور پھر کوٹھی میں اس پراسرار آدمی
کی موجودگی۔ آخر وہ کون تھا...... اور وہاں کیا کررہا تھا

"کیا دانش بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔ "اور اتنا پھرتیلا بھی ہے کہ
دوڑتے دیواروں پر چڑھ سکے۔"

"ممکن ہے۔" شمشاد کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دانش کبھی ایک اچھا اسپورٹس مین تھا
شراب نے اُسے برباد کر دیا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ "اچھا وہ حالات کون سے ہو سکتے ہیں جن
پر دانش ہی پر شبہ کیا جا سکے۔"

شمشاد نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ اس کے انداز سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ اس
کھنکھار کر کہا۔ "دانش قریب قریب تیس ہزار کا قرض دار ہے غالباً جوئے میں ہارا ہوگا۔
جوئے کی بھی لت ہے۔"

"سر مخدوم نے قرض ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں...... لیکن شاید وہ ادا ہی کر دیتے۔ دانش نے جلد بازی سی کام لیا۔"

"کیا اس سے پہلے بھی وہ اس کا قرض ادا کر چکے تھے۔"

"کئی بار......!"

"اچھا جناب......!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب کہاں جائیں گے۔ میں تو آپ ہی
طرف جا رہا ہوں۔"

"میں بھی گھر ہی جاؤں گا لیکن آپ نے صوفیہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا پچھلی رات آپ
ہی نے میرا تعاقب کیا تھا۔"

شمشاد ہنسنے لگا۔

"میں ہی تھا۔"

وہ دونوں باہر آئے۔ شمشاد کی کار کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی تھی۔ حمید نے گیراج سے کیڈی نکالی
سر مخدوم کی کوٹھی میں فریدی حمید کا منتظر تھا۔ دونوں عقبی پارک کی ایک کنج میں آ بیٹھے

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی آج پہلے سے بھی زیادہ محتاط نظر آ رہا ہے۔
حمید نے پچھلی رات کی رپورٹ پیش کی۔ پھر اپنی اور شمشاد کی گفتگو کے متعلق بتا کر
اونگھنے لگا۔

"تم نے بقیہ رات کہاں گذاری تھی۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"گھر پر......!" حمید نے چونک کر کہا۔

"تنہا تھے۔"

"کیوں...... نہیں برخوردار بغرا خاں سرہانے موجود تھا۔"

"اونگھ کیوں رہے ہو۔"

"رات بھر اس کیس کی کڑیاں ملاتا رہا...... آخر اس نتیجے پر پہنچا......!"

"کس نتیجے پر......!"

"یہی کہ کیسوں سے قبر ہی میں نجات ملے گی۔ ویسے صوفیہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔"

"کیا کہوں......!" فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"یہی کہ وہ کب تک وہاں اس ہوٹل میں رہے گی۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں...... جب تک اس کا دل چاہے گا۔"

"میں نے رمیش کو اس کی نگرانی کے لئے کہہ دیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میرے خیال میں اب اس کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں......؟"

"یونہی...... اب اس کیس نے دوسری شکل اختیار کر لی ہے۔"

"کچھ دیر بعد تیسری اختیار کر لے گا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "پھر چوتھی...... معاملہ
اسی طرح آگے بڑھتا جائے گا...... اور ہو سکتا ہے کہ پھر کوئی ہماری ہی شکلیں نہ پہچان سکے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید پھر اونگھنے لگا۔ اس کے نیم غنودہ ذہن میں
ٹھنڈے اور چمکیلے بادل پھسل رہے تھے اور وہ اوس سے بھیگی ہوئی گھاس پر گال رکھ کر سو جانا

چاہتا تھا......اس وقت اس کے ذہن میں نہ تو اس کیس کی کوئی گتھی تھی اور نہ صوفیہ
کی دلآویز جنبشوں کا تصور۔"

"پچھلی رات آپ کیا کرتے رہے۔" اس نے آگے پیچھے جھولتے ہوئے فریدی سے

"میں......قبر کھودتا رہا۔"

"کیا......؟" حمید چونک کر بولا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا
کی نیند غائب ہوگئی تھی۔

"کیا سر مخدوم کی......!" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"نہیں......لاش اس میں بند ہے۔" فریدی نے مسکرا کر ایک چھوٹے سے اٹیچی
طرف اشارہ کر کے کہا جسے وہ آج صبح ہی سے ساتھ لئے پھر رہا تھا۔

"مرغی کے بچے کی لاش......!" حمید نے تمسخر آمیز انداز میں ایک ٹھنڈی سانس

فریدی نے ادھر اُدھر دیکھ کر اٹیچی کیس کھولا......اور حمید نے اتنے زور سے قہقہہ
بعد میں اسے کھانسی آنے لگی۔

اٹیچی کیس میں ایک اُدھ جلا جوتا رکھا ہوا تھا۔

حمید کھانسیوں کے باوجود بھی ہنستا رہا لیکن فریدی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آ
نے اٹیچی کیس کو بند کر کے دوبارہ مقفل کرتے ہوئے کہا۔ "کیا میں پاگل ہوں۔"

حمید کی ہنسی رک گئی۔ فریدی کے تیور مار بیٹھنے والے تھے۔ حمید نے سنجیدگی اختیار
کرنے میں عاقبت سمجھی اور وہ معاملے کو برابر کرنے لگا۔

"بھئی آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہوگئے...... ہر ایک کو ہنسی آئے گی اس بات پر
آپ نے اسے سر مخدوم کی قبر سے نکالا ہے۔"

"نہیں......!"

حمید سمجھا تھا کہ فریدی کچھ اور بھی کہے گا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

"آخر یہ ہے کیا بلا......!" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"میں خود بھی اس پر غور کر رہا ہوں۔"

حمید کے ذہن میں پھر ایک چبھتا ہوا جملہ کلبلایا۔ لیکن فریدی کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر بک
دینے کی ہمت نہیں پڑی۔ آج نہ جانے کیوں فریدی بہت زیادہ چڑچڑا نظر آ رہا تھا۔

"کیا آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔"

"نہیں......!" فریدی اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔

"تو کیا میں چلا جاؤں۔" حمید نے پوچھا۔

"چلے جاؤ......میں اس وقت خاموش رہنا چاہتا ہوں۔"

حمید کھڑا ہوگیا۔

"ٹھہرو......!" فریدی بولا۔ "بیکار نہیں بیٹھو گے۔"

"ہرگز نہیں......میں جاتے ہی سو جاؤں گا......" حمید نے بڑے خلوص سے کہا' اور فریدی
بے اختیار مسکرا پڑا۔

"لیکن تم آج نہیں سو سکو گے۔" اس نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم آج ہی کامیاب
ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر تمہیں کم از کم ایک ہفتے تک سوتے رہنے کی اجازت ہوگی۔"

"اچھا جناب......!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کام بتائیے۔"

"بہت معمولی سا ہے......تمہیں یہاں کے ایک نوکر کی نگرانی کرنی ہے۔"

"کس نوکر کی......!"

"سردار......!"

"اوہ......وہ بوڑھا جو ہر وقت کچھ نہ کچھ بڑبڑاتا ہی رہتا ہے۔"

"وہی......بس یہ سمجھ لو کہ اگر وہ جہنم میں بھی جائے تو اس کا پیچھا نہ چھوڑنا۔"

"بہتر ہے......لیکن اگر وہاں قلوپطرہ سے ملاقات ہوگئی تو میری واپسی ناممکن ہو جائے گی۔"

"بس چلے جاؤ......!" فریدی اُسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

حمید کو اس نوکر کو تلاش کر لینے میں دشواری نہ ہوئی۔ وہ اصطبل کے قریب زمین پر بیٹھا

بڑبڑا رہا تھا۔ بڑبڑاہٹ کے دوران میں وہ کبھی کبھی گھوڑوں کو گھونسہ دکھانے لگتا تھا۔ حمید کو
پر ہنسی آئی اور فریدی پر غصہ۔ آخر اس خبطی کے پیچھے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

مکے اور فائر

بوڑھا ملازم پاگل نہیں تھا۔ عادات و اطوار بالکل صحیح الدماغ آدمیوں کے سے تھے۔ ا
کسی سے گفتگو کرتے وقت بہکتا بھی نہیں تھا۔ لیکن تنہائی میں اس کی ذہنی رو بہک جاتی تھی
وہ درودیوار سے باتیں کرنے لگتا تھا...... اور اگر ایسے میں کوئی اسے چھیڑ دیتا تو وہ چونک کر جھ
جھینپی ہنسی کے ساتھ یا تو ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیتا یا وہاں سے کھسک جاتا تھا۔

حمید اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا اسے گھورتا رہا۔ نوکر کی پشت حمید کی طرف تھی
وہ اس طرح اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اُسے حمید کی موجودگی کا علم ہی نہ ہوا۔ وہ بڑ
بڑبڑاتا رہا۔

''سالو...... تھان پر بندھے بندھے جگالی کرتے رہو۔'' وہ غالباً گھوڑوں سے کہہ رہا تھا
آدمی ہوتے تو پتہ چلتا...... شادی کرنی پڑتی۔ بچے ہوتے...... اور وہ سالی دن بھر بچے کو گ
میں لئے چلایا کرتی...... منی کے ابا آجا...... ابا کے ڈبا آجا...... ڈبا کے ڈبا آجا...... دھ
تمہاری کی......!''

اس نے پھر گھوڑوں کو گھونسہ دکھایا اور زمین سے گھاس کے بہت سے تنکے اکھاڑ ک
چبانے لگا۔ حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ کیا فریدی نے اسے سزا دی تھی۔ آخر اس ب
دال کے بودم کی نگرانی کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات...... شام تک اُ
اس کے پیچھے لگا رہنا پڑا...... اس دوران میں اُس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جو معمول
کے خلاف ہوتی۔ اگر اسے کوئی کام کرنے کو کہا جاتا تو وہ بے چوں و چرا تعمیل کرتا اور اُسے فو

اسلوبی سے انجام دیتا۔ کسی سے گفتگو کرتا تو پاگل پن کا شبہ تک نہ ہوتا لیکن تنہائی نصیب ہوتے
ہی پھر بے تکی بڑبڑاہٹ کا سلسلہ جاری ہوجاتا۔ حمید بُری طرح تنگ آ گیا تھا۔ مگر فریدی کا موڈ
دیکھتے ہوئے حکم سے سرتابی کی ہمت نہیں پڑی۔ اگر وہ فریدی کو ایک بار بھی مسکراتے دیکھ لیتا تو
پھر کسی نہ کسی طرح اس بور کرنے والی ڈیوٹی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا۔

رات کا کھانا دونوں نے الگ الگ کھایا۔ جب حمید کھانے کے لئے گیا تو فریدی اس
نوکر کی نگرانی کرتا رہا۔ حمید کی اُلجھن بڑھتی گئی۔ آخر فریدی گھر کے دوسرے افراد کو چھوڑ کر اس
نوکر سے کیوں چمٹ گیا ہے۔ اُسے وہ ادھ جلا جوتا بھی یاد آ رہا تھا۔ آخر وہ کس قسم کا کلیو تھا۔

وہ کھانا ختم کر کے فریدی کی تلاش میں نکلا ہی تھا کہ سعیدہ اور نکہت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

''بڑی خوشگوار رات ہے۔'' سعیدہ بولی۔

''ہائے کتنی ٹھنڈک ہے۔'' نکہت نے ٹکڑا لگایا۔ ''آج تو آپ گانا سنائیں گے۔''

''اور اگر آپ کے ڈیڈی نے بھی ایک آدھ بول سن لئے تو۔'' حمید نے کہا۔

''ہم پارک میں چل کر بیٹھیں گے...... ڈیڈی ذرا سی دیر میں سو جائیں گے۔''

''اپنے آفیسر کو بھی بلا لوں۔''

''اررر...... نہیں...... وہ تو بہت زیادہ نک چڑھے معلوم ہوتے ہیں۔''

''بہترین گاتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''جھوٹ......!'' نکہت ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''نائیں...... الاقسم......!'' حمید جھنجھلاہٹ میں لپک کر بولا اور دونوں ہنسنے لگیں۔

اس وقت حمید سچ مچ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا...... وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی بُری طرح
جھلا رہا ہوگا۔ اس نے حمید کو جلد سے جلد کھانا ختم کر لینے کی تاکید کی تھی۔

''ارے تو آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔'' سعیدہ بولی۔

''آپ لوگ عجیب ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں......؟'' دونوں بیک وقت بولیں۔

"آپکے بھائی پر قتل کا الزام ہے اور اس پر بھی آپ زندہ دلی کا ثبوت دے رہی

"کیا......؟" سعیدہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "کس پر۔"

"دانش پر......!"

"بکواس ہے۔" نکہت گرم ہوگئی۔ "تم لوگوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ دانش بھا

قرض خواہوں سے بچنے کے لئے چھپ گئے ہیں۔"

"کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"ہم کیا جانیں......لیکن یہ بکواس ہے۔"

"ہم بہت جلد اسے قانون کے حوالے کردیں گے۔" حمید نے کہا۔

دونوں حمید پر بُری طرح برس پڑیں اور اسے جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ پھر اس
اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ حمید انہیں اور زیادہ غصہ دلائے وہ جلتی پر تیل چھڑکتا رہا اور ا
بھڑکتی رہیں۔ آخر جب وہ رودینے کے قریب پہنچ گئیں تو حمید یکلخت وہاں سے بھاگ

وہ پوری عمارت کا چکر لگا کر اصطبل کی طرف پہنچا۔ لیکن فریدی وہاں بھی نہ ملا
نوکروں کے کوارٹروں کی سن گن لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اسے اچانک رک جانا پڑا۔ لیکن تھوڑے ہی فاصلے سے شاید
اُسے مخاطب کیا تھا۔

"ہالٹ......ہو کمس دیئر......!" آواز پھر آئی۔

حمید کو ہنسی آگئی۔ کوئی فوجی پہرہ داروں کی نقل کررہا تھا۔ وہ تیزی سے آواز کی جا
اور پھر اس نے ایسا منظر دیکھا جس کی اسے توقع نہ تھی۔ شمشاد شراب کے نشے میں کھڑا
تھا۔ وہ شمشاد جو آج ہی صبح دانش کی شراب نوشی کا تذکرہ بہت بُرے لہجے میں کرچکا تھا۔

"توم کاؤن ہو......!" وہ حمید کے سینے پر انگلی مار کر بولا۔

"مائیں اولو کا پاٹھا ہوں......!" حمید اس کی طرح الفاظ کو کھینچ کر بولا۔

شمشاد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"توم خود الگ ہاٹو......!" شمشاد اس سے لپٹ پڑا۔

حمید نے اس کے منہ پر گھونسہ جڑ دیا۔ شمشاد نے گندی سی گالی دی اور کسی پاگل کتے کی
رح حمید کا بازو بھنبھوڑ ڈالا۔ حمید نے بائیں ہاتھ سے اس کی ناک مروڑ دی اور وہ چیخ کر پیچھے
ٹ گیا۔

"سالے......پٹرول چھڑک کر آگ لگادوں گا......" شمشاد پھر اس کی طرف جھپٹا۔

اب اسے کچھ ہوش آ گیا تھا۔ اس بار حمید کا مکا اس کی ٹھوڑی کے نیچے بیٹھا۔ شمشاد پہلے
ڑکھڑا کر پیچھے ہٹا پھر اچانک اچھل کر حمید کی گردن دبوچ لی۔ حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔ حمید
ھل نہ سکا اور وہ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ گرے۔

"مار ڈالوں گا......!" شمشاد ہانپتا ہوا بولا۔ "بتا صوفیہ کہاں ہے؟"

حمید کو اب سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ اس نے پھر اس کی ناک دبا کر ایک جھٹکے کے ساتھ اس
ی گردن دوسری طرف موڑ دی اور اسے موڑتا ہی رہا حتیٰ کہ شمشاد دھم سے دوسری طرف الٹ
یا۔ حمید اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

"لے صوفیہ......!" اس نے اس کے منہ پر مکے مارتے ہوئے کہا۔ "لے صوفیہ......
لے صوفیہ......لے۔"

"کون ہے......کون ہے......" چاروں طرف سے کئی لوگ دوڑ پڑے۔

حمید بڑی بے دردی سے شمشاد کے منہ پر مکے جھاڑ رہا تھا۔ پھر اچانک اسے اس کی
ٹھی ہوئی مونچھیں یاد آ گئیں اور اس نے انہیں مٹھیوں میں جکڑ لیا۔

شمشاد کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔

اچانک حمید کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"خواہ مخواہ لپٹ پڑا ہے یہ۔" حمید شمشاد کو چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا۔ "نشے میں ہے۔"

نوکروں نے شمشاد کو پکڑ کر اٹھایا۔ خاندان کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں تھا۔ اس لئے

بات آگے نہ بڑھ سکی۔ شمشاد بالکل خاموش ہوگیا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور کپڑے جھاڑے
بغیر تیر کی طرح عمارت کی طرف چلا گیا۔

"جاؤ اپنا کام کرو۔" فریدی نے نوکروں سے کہا اور وہ چپ چاپ وہاں سے کھسک گئے۔

"کیا بات تھی۔" وہ حمید کی طرف مڑا۔

"کچھ بھی نہیں...... میں ادھر آرہا تھا...... خواہ مخواہ سر ہوگیا۔"

"تمہیں بات بڑھانی ہی نہیں چاہئے تھی۔" فریدی بولا۔

"خوب...... تو میں اس کے مکے کھاتا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"صبر کرنا سیکھو......!"

"میں یتیم نہیں ہوں۔"

"اچھا بکواس بند کرو...... وہ فی الحال دربان کے پاس بیٹھا ہے۔"

"بیٹھا ہوگا...... میں گھر جارہا ہوں۔"

"اے نخریلی دوشیزہ بس کر...... ورنہ اب میں مرمت شروع کردوں گا۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید جھنجھنایا۔

"جب تم شراب پی لیتے ہو تو تمہاری حالت اس سے بھی بدتر ہوجاتی ہے۔ سمجھے بدھو۔"

حمید کچھ نہ بولا...... پھر فریدی اسے چمکارنے لگا۔

"آخر اس خبطی میں کون سی خاص بات ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "آپ وقت
ضائع کررہے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ میں کامیابی سے قریب ہوں۔"

حمید نے اپنا داہنا بازو سہلا کر سسکی لی اور منہ بنا کر بولا۔ "کس زور سے کاٹا ہے سالے نے۔"

"سالے کا کاٹا لہر نہیں لیتا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "تم بہرحال خوش قسمت ہو۔
اچھا مذاق ختم کرو...... مجھے دوسرا کام سنبھالنا ہے۔"

پھر فریدی کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہوگیا۔

حمید اپنا بازو سہلاتا ہوا پھاٹک کی طرف بڑھا۔

بوڑھا خبطی دربان سے کسی مسئلے پر الجھا ہوا تھا۔

"ابے ہاں ہاں......" وہ دربان سے کہہ رہا تھا۔ "ہمارے حضور نے انگلی کے ایک
اشارے سے چاند کے ٹکڑے کردیئے تھے...... اور چاند کا دھبہ ان ٹکڑوں کا جوڑ ہے۔"

دربان نے آہستہ سے کچھ کہا جسے حمید نہ سن سکا۔ وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور
حمید دیوار سے چپکا کھڑا اونگھتا رہا۔ پھر دور کے کسی گھڑیال نے گیارہ بجائے...... چاروں طرف
سناٹا تھا۔ صرف ان دونوں کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ کمپاؤنڈ میں کتے بھی نہیں بھونک
رہے تھے۔ شاید فریدی نے آج پھر ان کے لئے کوئی انتظام کرلیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے اور
عمارت کی کھڑکیوں میں نظر آنے والی روشنیاں بھی غائب ہوگئیں۔

"ابے تو اُلو ہے۔" بوڑھے خبطی نے اونچی آواز میں دربان سے کہا۔ "بیٹا عشق ہے......
دل لگی نہیں...... مرد ہونا چاہئے...... آگ میں کود پڑنے کی ہمت ہونی چاہئے۔"

حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ اب اسے فریدی پر بڑے خلوص نیت سے غصہ آنے لگا تھا۔ لیکن
وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ بوڑھے نے اپنی جوانی کی داستان چھیڑ دی تھی۔

"مجھے دیکھ...... ایک لونڈیا تھی شکریا...... بھگا لے گیا اُسے۔ کچھ دن رکھا...... پھر ڈھائی
سو میں اُسے بیچ کر اس کی چچی کو بھگا لے گیا جو اسی کی عمر کی تھی۔ پھر وہ سالی کسی اور کے ساتھ
بھاگ گئی۔ پھر میں نے شکریا کی چھوٹی بہن پر ڈورے ڈالے لیکن اس سے پہلے ہی اس کا بیاہ
ہوگیا۔"

حمید کا دل چاہا کہ بوڑھے کو پکڑ کر اس کی خاصی مرمت کردے لیکن پھر خاموش رہا۔ ادھر
گھڑیال نے بارہ بجائے اور ادھر دربان کی چارپائی چڑچڑائی۔ بوڑھا شائد جانے کے لئے کھڑا
ہوگیا تھا۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن اُسے یہ سوچ کر اختلاج ہونے لگا کہ اب اگر اس
شیطان کے خالو نے کسی جھولدار پلنگڑی میں لیٹ کر خراٹے لینے شروع کردیئے تو وہ کیا کرے

گا۔ کیا اس حالت میں بھی اسے اس کی نگرانی کرنا پڑے گی۔ ایک بار پھر اسے فریدی پر غ
آ گیا...... اگر وہ اسے اس نگرانی کا مقصد بتا دیتا تو وہ مختلف حالات میں کوئی مناسب طریق
اختیار کر سکتا تھا۔ اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔

بوڑھا اصطبل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ کچھ اونچا بھی سنتا تھا اس لئے حمید کو تعاقب جا
رکھنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی ورنہ اس کے جوتوں کے نیچے بجریاں کڑکڑا رہی تھیں۔ بو
اصطبل کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اگر حمید فوراً ہی دیوار کی اوٹ میں نہ ہو جاتا تو اس نے ا
دیکھ ہی لیا تھا۔ کیونکہ اصطبل کے دروازے پر پہنچ کر وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔

پھر وہ اصطبل کے اندر چلا گیا۔ حمید نے دو تین منٹ تک انتظار کیا۔ پھر وہ بھی اصط
کے دروازے کی طرف بڑھا۔ گھوڑوں کی لید کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ اصطبل
اندھیرا ہونے کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ بالکل دروازے کے سامنے کھڑے
اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

کیا مصیبت ہے...... وہ جھلاہٹ میں سوچنے لگا۔ کیا جہنم کا راستہ اصطبل ہی سے
گذرتا ہے۔ آخر یہ الو کا پٹھا اصطبل میں کیوں گھسا ہے۔ اس طرح کب تک یہاں کھڑا
رہے گا۔ حمید نے ٹارچ روشن کر لی۔ گھوڑوں نے چونک کر اپنے پیر زمین پر مارے اور پلٹ
روشنی کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن بوڑھا اصطبل میں نہیں تھا۔ حمید بوکھلا گیا۔ روشنی کا دائرہ جلد
جلدی ایک جگہ سے دوسری جگہ رینگتا رہا تھا۔ اصطبل میں گھس کر اس نے اونچی اونچی آخو
میں بھی روشنی ڈالی۔

بات سمجھ میں آ گئی۔ لیکن ذرا دیر میں...... حمید نے ابھی تک اس چھوٹے درواز
طرف دھیان نہیں دیا تھا جو چھپول کے جنگل کی طرف کھلتا تھا۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں تھا۔ صرف اس کے پاٹ بھیڑ دیئے گئے تھے۔
دوسری طرف نکل گیا۔

چھپول کی گھنی جھاڑیوں میں جھینگر ''جھائیں جھائیں'' کر رہے تھے اور جب ان کی
آوازیں اچانک بند ہو جاتیں تو ایسا معلوم ہوتا جیسے سناٹے میں ایک نظر نہ آنے والی لکیر دوڑتی
چلی گئی ہو۔ پھر یک بیک کہیں ایک جھینگر ''تچکا'' دیتا اور نہ ختم ہونے والی جھائیں جھائیں کا
سلسلہ پھر شروع ہو جاتا۔

حمید ٹارچ روشن کر کے آگے بڑھا...... اس نے قدموں کے نشانات کے لئے زمین پر
روشنی ڈالنی شروع کی لیکن اسے کامیاب نہیں ہوئی کیونکہ زمین سخت تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طویل و عریض جنگل میں کہاں سر مارتا پھرے قریب
تھا کہ اسے پھر فریدی پر غصہ آ جاتا...... ٹارچ اس کے ہاتھ میں کانپ کر بجھ گئی اور خود وہ لڑکھڑا
کر ایک طرف لڑھک گیا۔ نشانہ باز اچھا نہیں تھا ورنہ اس کا وہ ہاتھ تو ضرور ہی زخمی ہو جاتا جس
میں اس نے ٹارچ پکڑ رکھی تھی۔ گولی پشت کی دیوار سے ٹکرائی۔

ایک فائر پھر ہوا...... لیکن حمید نے اٹھنے کی ہمت نہ کی کیونکہ وہ نہتا تھا۔ قریب ہی کہیں
زور سے جھاڑیاں کھڑکھڑائیں...... پھر فائر ہوا...... حمید دروازے کے قریب سے ہٹ کر دیوار
سے لگا ہوا رینگنے لگا۔

اب کی فائر کے ساتھ کسی کی چیخ بھی سنائی دی۔ آواز جانی پہچانی سی معلوم ہوئی لیکن حمید
اس کا فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ کس کی ہو سکتی تھی۔

کوئی بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے قریب سے گذر گیا۔ حمید نے اس پر جھپٹنا چاہا
لیکن ایک دہکتا ہوا انگارہ ''شائیں'' سے اس کے سر پر سے گذر گیا۔ اسے پھر اوندھے منہ
گر جانا پڑا...... اس بار بھی وہ بال بال بچا تھا...... اس نے اصطبل کا دروازہ بند ہونے کی
آواز سنی۔

ارے یہ کیا

حمید دو منٹ تک دم سادھے پڑا رہا۔ اب پھر پہلے ہی کی طرح سناٹا تھا...... وہ اٹھنے کا

ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی بھاگتے ہوئے آدمی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو آہستہ آہستہ
ہوتی چلی گئی۔ کوئی دیوار کے دوسرے سرے کی طرف بھاگتا ہوا چلا گیا تھا۔

حمید مڑ کر دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ اُسے اگر اس قسم کے واقعات کی توقع ہوتی
وہ خالی ہاتھ بالکل نہ آتا۔ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ چپ چاپ واپس جا کر فریدی
تلاش کرے۔

تھوڑی دیر قبل کا ہنگامہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب وغریب تھا۔ حمید نے محسو
کیا تھا کہ اس میں ایک سے زیادہ آدمیوں کا ہاتھ تھا۔ مگر وہ کون تھے! نوکر کہاں غائب ہو
تھا...... وہ بھاگتا ہوا آدمی کون تھا، جو اس کے قریب سے گذر کر اصطبل میں جا گھسا تھا...
غالباً اسی پر کسی نے فائر کیا تھا۔ کیا وہ بوڑھا نوکر تھا......؟ مگر نہیں...... وہ اتنی تیزی سے نہ
دوڑ سکتا تھا...... پھر؟ کیا وہ دانش تھا......؟ اگر وہ دانش تھا تو فائر کرنے والا فریدی ہی ہو
تھا......؟ مگر وہ چیخ؟ وہ تو صریحاً کسی زخمی ہی کی چیخ ہو سکتی تھی۔''

حمید بڑی احتیاط سے دروازے کی طرف رینگتا رہا۔ نیند کے خمار سے اس کا ذہن بوجھ
ہو رہا تھا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جواب دے چکی تھیں۔

اس وقت محض اتفاقات ہی نے اس کا ساتھ دیا تھا ورنہ دو میں سے ایک گولی ضرور اُ
دوسری دنیا کی سیر کرا دیتی۔

وہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا...... اور پھر جیسے ہی اس نے زمین سے اٹھنے کی کوش
کی کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔

''ارے خدا تمہیں غارت کرے۔'' حمید دانت کچکچا کر پلٹا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' حملہ آور بڑبڑا کر الگ ہٹ گیا۔

''نہیں...... مار ڈالئے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ اس نے فریدی کی آواز پہچان لی۔

''خاموش رہو۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا ادھر سے کوئی گذرا تھا۔''

''اصطبل میں گھس گیا۔'' حمید ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ دوسری طرف سے بند تھا۔ وہ تین چار قدم پیچھے ہٹا
اچھل کر بائیں شانے سے دروازے میں ٹکر ماری۔ اندر گھوڑے بدک کر ہنہنانے لگے۔ اب
پاؤنڈ سے بھی متعدد آدمیوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

تیسری ٹکر لگتے ہی دروازہ چڑچڑا کر دوسری طرف گر گیا۔

''سڑی ہوئی لکڑی کا تھا......!'' حمید نے کہا۔

''کام چور...... پھسڈی......!'' فریدی غرا کر حمید کی طرف پلٹا۔

''شیشم...... شیشم...... دیوار کی لکڑی......!'' حمید بوکھلا کر ہکلانے لگا۔

فریدی نے اس کی گردن دبوچی اور دروازے میں دھکا دے دیا۔

وہ دونوں کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ گیراج کے سامنے کئی آدمی کھڑے تھے۔ حمید کی
چ کی روشنی دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

وہ دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ یہ کوارٹروں میں رہنے
لے ملازمین تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر اُن میں سے ایک نے کہا۔

''صاحب...... یہاں گیراج میں کوئی گھسا ہوا ہے۔''

فریدی نے آگے بڑھ کر گیراج کے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ فریدی
ان کی طرف مڑا۔

''کیا بات ہے؟'' کسی نے عمارت کی طرف سے پکار کر کہا۔ آواز ناصر کی تھی۔

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا۔ نوکروں کی لالٹینوں کی مدھم روشنی اس
چہرے پر پڑ رہی تھی۔

حمید کو اس کی مسکراہٹ بڑی بھیانک معلوم ہوئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ
ینوں کی زرد زرد روشنی میں گوشت پوست کی بجائے تانبے کا ایک طویل القامت مجسمہ
لوم ہو رہا تھا۔

''کون ہے......!'' ناصر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"وہی جسے ہونا چاہئے۔" فریدی کی آواز سناٹے میں گونجی۔

"دانش......!" شمشاد نے آگے بڑھ کر کہا۔

"دانش......!" فریدی تمسخر آمیز انداز میں ہنسا۔

"اگر دانش ہی ہے تو میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔" ناصر عمارت کی طرف جانے مڑا۔

"ٹھہرو......!" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "پہلے اس لاش کو اٹھواؤ جو وہاں جنگ پڑی ہے۔"

فریدی نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کا رخ ناصر کی طرف تھا۔

"کس کی لاش......!" شمشاد چیخا۔

"بوڑھے نوکر سردار کی...... ناصر چپ چاپ کھڑے رہو ورنہ ایسی جگہ گولی ماروں بقیہ زندگی جہنم بن جائے گی۔"

"کیا بیہودگی ہے۔" ناصر سہمی ہوئی آواز میں چیخا۔

"حمید......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر ناصر کے لگا

"کیا بکواس ہے۔" شمشاد حلق کے بل چیخا۔

"اگر کسی نے مداخلت کی تو بے دریغ گولی ماردوں گا۔ مجھے سب جانتے ہیں۔"

حمید نے فریدی کی جیب سے ہتھکڑیاں نکالیں اور ناصر کی طرف بڑھا۔ ناصر اچھ بھاگا لیکن شب خوابی کے لبادے نے اُسے زیادہ دور نہیں جانے دیا۔ جیسے ہی وہ اس سے گرا حمید نے اُسے دبوچ لیا۔

ناصر کے ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔ وہ کسی تھکے ہوئے خچر کی طرح ہانپ رہا تھا۔

"باہر آؤ......!" فریدی نے گیراج کے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تم نے مجھ پریشان کیا ہے سرمخدوم۔"

"سرمخدوم......!" حمید تحیر آمیز آواز میں چیخا۔

"سرمخدوم......!" فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ "سرمخدوم جنہوں نے قانون سے مذاق اڑایا ہے۔"

"گیراج کا دروازہ کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ کھلا۔ لالٹینیں اوپر اٹھیں ان کے سامنے ایک دبلا پتلا مگر مضبوط جسم کا بوڑھا کھڑا تھا۔

"ماموں جان......!" شمشاد چیخا۔

"بڑے سرکار......!" نوکر چلائے۔

اور حمید اپنی کھوپڑی اس طرح سہلانے لگا جیسے گرمی چڑھ گئی ہو۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہال میں بیٹھے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ ان میں ناصر بھی تھا لیکن اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور اس نے اپنا سر میز پر اوندھا رکھا تھا۔

"میں چھپ کر تم لوگوں کی گفتگو سنا کرتا تھا۔" سرمخدوم نے فریدی سے کہا۔ "تم دونوں ہمیشہ دانش ہی کے بارے میں باتیں کرتے تھے۔"

"کل رات سے میں نے اپنا پچھلا نظریہ ترک کردیا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کل رات گئے میں نے ناصر کو کوئی چیز عقبی پارک میں دفن کرتے دیکھا اور جب یہ حضرت وہاں سے چلے گئے تو میں نے اسے دوبارہ کھول کر نکال لیا۔ وہ ایک ادھ جلا جوتا تھا یہیں سے میرے خیالات نے پلٹا کھایا۔ پھر کل ہی رات کو میں نے بوڑھے نوکر کو جنگل میں گھستے دیکھا تھا۔ وہ اپنے بغل میں ایک پوٹلی دبائے ہوئے تھا۔ کیا اس میں تمہارے لئے کھانا نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے......وہ بیچارہ اس راز سے واقف تھا...... اور اسی کی بدولت میں اب بھی زندہ ہوں ورنہ......" سرمخدوم نے ناصر پر قہر آلود نظر ڈالی اور خاموش ہوگیا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "یہ میرا ظرف تھا کہ میں نے اس مردود کو خود ہی پولیس کے حوالے نہیں کیا۔ یہ پہلے بھی کئی بار میری جان لینے کی کوشش کرچکا تھا...... جب...... میں نے دیکھا کہ یہ کسی طرح باز نہ آئے گا تو میں نے وصیت مرتب کی۔ میں نے سوچا کہ اگر کبھی غفلت

میں مارا ہی جاؤں تو کم از کم میری موت کو اتفاقیہ نہ سمجھا جائے۔ اس کے لئے میں منتخب کیا۔ اس لئے کہ تم اس صدی کا بہترین دماغ ہو۔ جونکوں والا معاملہ دراصل بختوں کے لئے ایک قسم کا استعارہ تھا۔ یہ جو جونکوں کی طرح مجھے چوستے رہتے ہیں آخر انہوں نے میرا خاتمہ ہی کر دینے کی اسکیم بنائی۔''

''آپ سب کو نہ کہیئے۔'' شمشاد دبی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تمہیں کتنا رنج تھا میری موت پر۔'' سر مخدوم نے طنز آمیز کہا۔ پھر فریدی سے بولا۔ ''میں آؤٹ ہاؤز میں محض اس لئے سوتا تھا کہ اپنی حفاظت اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسی رات کو میرے دل میں آگ کا خیال پیدا ہوا۔ میں کہیں یہ کم بخت آگ نہ لگا دے اور میں سوتا ہی رہ جاؤں۔ اس قدر الجھن ہوئی گیراج میں جا کر سو گیا۔ پھر شائد ڈھائی یا تین بجے شور وغل کی وجہ سے آنکھ کھل گئی۔ با سچ مچ آؤٹ ہاؤز جل رہا تھا۔ پھر میں غائب ہو گیا۔ میں نے سوچا وصیت محفوظ ہے تم پتہ لگاؤ گے۔ ہاں اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہاں سے ایک جلی بھنی لاش بھی ہو گی۔''

''بیچارہ دانش......!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''دانش کا معاملہ پہلے ہی میری کچھ نہیں آرہا تھا۔ دربان کے خیال کے مطابق دانش حادثے والی رات کو آیا تھا...... اگر وہ کرنے کی نیت سے آتا تو نہ تو وہ اتنے زیادہ نشے میں ہوتا کہ خود سے چل نہ سکتا اور نہ چھرا دکھاتا۔ ظاہر ہے کہ اسے چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اسی لئے دربان اسے سہارا دے کر کوٹھی پہنچانا چاہتا تھا...... لیکن اس پر دانش نے بگڑ کر چھرا نکال لیا۔ پھر صوفیہ نے اسے آؤٹ طرف جاتے دیکھا۔''

''صوفیہ کہاں ہے۔'' سر مخدوم نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ محفوظ ہے...... آپ مطمئن رہیے۔'' فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے

''میرا خیال ہے کہ دانش آپ کے جانے کے بعد آؤٹ ہاؤز کی طرف گیا۔ دروازہ کھلا

تھا۔ وہ بے دھڑک اندر چلا گیا اور وہیں پڑ کر سو رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی موت ہی اسے اس طرف لے گئی تھی ورنہ وہ کوٹھی میں جا سکتا تھا۔ یہ ساری باتیں پچھلی رات کو میری سمجھ میں آئیں...... اور مجھے آپ کی موت میں تو شروع ہی سے شبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی وصیت کرنے والا جان بوجھ کر تو موت کے منہ میں نہیں کود سکتا اور آؤٹ ہاؤز کے ملبے سے جو لاش برآمد ہوئی تھی وہ ناقابل شناخت حد تک جل چکی تھی۔ محض اس بنیاد پر اسے آپ کی لاش قرار دیا جا سکتا تھا کہ آپ آؤٹ ہاؤز میں سوئے ہوئے تھے...... ہاں تو جب میں نے پچھلی رات کو وہ دفن کیا ہوا جوتا نکالا تو حقیقت مجھ پر روشن ہو گئی۔ آخر ناصر نے وہ جوتا چھپانے کی کوشش کیوں کی...... اور ایک ہی کیوں۔ دوسرا جوتا کہاں تھا؟ ظاہر ہے کہ اسے لاش ہی کے پیر سے اتارا گیا ہوگا...... اگر وہ سر مخدوم کا جوتا تھا تو اسے چھپانے کی کیا ضرورت تھی...... کیا سر مخدوم جوتے پہن کر سوئے تھے...... یہ چیز ناممکن تھی۔ سر مخدوم نشے میں تو تھے نہیں کہ جوتوں سمیت سو جاتے۔ جب لاش نکالی گئی تو اس کے پیر میں یا تو ایک ہی جوتا تھا یا ان میں ایک بالکل جل گیا تھا۔ ادھ جلے جوتے کو ناصر پہچان گیا اور اس نے اسے چپ چاپ اتار لیا اور پھر دوسرے دن اس نے دانش کے متعلق تحقیقات شروع کیں۔ اسے دربان اور صوفیہ سے دانش کی آمد کا علم ہوا۔ یہیں سے ناصر نے دوسرا کھیل شروع کر دیا۔ لاش تو آپ کی ثابت ہو چکی تھی اب ناصر نے ڈھکے چھپے انداز میں یہ بات ظاہر کرنی شروع کی کہ دانش ہی نے آگ لگائی ہوگی۔ کیونکہ آگ لگنے کے دوسرے ہی دن جعفری کے ذریعہ اسے وصیت کا علم ہو چکا تھا۔ جب تین چار دن تک آپ واپس نہ ہوئے تو اس نے اس معاملے میں بالکل ہی خاموشی اختیار کر لی...... ہمارے پہنچنے پر اس نے کچھ اس قسم کی حرکتیں شروع کیں جیسے وہ دانش کو اس الزام سے بچانا چاہتا ہو۔ اس نے صوفیہ کو قید کر دیا اور پھر اُسے نکل بھی جانے دیا تا کہ ہم اس سے دانش کے متعلق معلومات حاصل کر لیں اور یہ سمجھیں کہ ناصر ایک باپ کی حیثیت سے اپنے بیٹے کو قانون کی زد سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کے لئے بہت بڑی بڑی چالیں چلیں...... لیکن ایک حماقت کی بناء پر پکڑا گیا۔ اگر وہ اُس جوتے کو پہلے

ہی تلف کر دیتا یا میری نادانستگی میں اسے دفن کرتا تو شاید یہ اس وقت بھی چین کی نیند
ہوتا...... ہاں تو اسے بہر حال آپ کی فکر لگی ہوئی تھی۔ جس رات اُسے یہ معلوم ہوا کہ
آدمی ملبے کے ڈھیر کے قریب ہماری گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر وہ جنگل کی طرف
بھاگ گیا تھا تو اسے یقین ہوگیا کہ آپ جنگل ہی میں کہیں پوشیدہ ہیں۔ اس نے کل
سے جنگل کی خاک چھاننی شروع کر دی تا کہ آپ کو ٹھکانے لگا کر کہیں دفن کر دے اور
دانش کی تلاش میں سر مارا کرے۔ کل رات شاید اس نے بھی بوڑھے ملازم کو جنگل میں
دیکھ لیا تھا...... اور آج یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ میں بھی نوکر کی نگرانی کر رہا ہوں۔ لہٰذا
نوکر کے جانے سے قبل ہی جنگل میں جا کر چھپ رہا۔ لیکن اس سے بے خبر تھا کہ میں
تعاقب کر رہا ہوں۔ بیچارہ نوکر محض میری غفلت کی وجہ سے مارا گیا۔ میں یہ سمجھا تھا کہ
کے ذریعے آپ تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن اس نے نوکر کو دیکھتے ہی اس پر فائر کر دیا۔ نو
کر گرا۔ میں نے ناصر پر فائر کیا۔ مگر وہ بچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ایک فائر کیا۔
اس نے یہ فائر آپ پر کیا تھا۔"

سر مخدوم اثبات میں سر ہلا کر ناصر کی لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا...... جو ایک گوشے
بیٹھی ہوئی بُری طرح رو رہی تھیں۔

"لیکن سر مخدوم...... آپ اپنے لئے کیا کیجئے گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں......!"

"آپ نے پولیس کو اب تک دھوکے میں رکھا ہے...... اور یہ قانوناً جرم ہے۔ آ
حادثے کے بعد ہی ظاہر ہو کر غلط فہمی رفع کرنی چاہئے تھی۔ آپ پر فریب دہی کا مقدمہ تو
ہی چلے گا۔"

"دیکھا جائے گا...... مجھے اس حال میں بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ میں خود اپنے ہاتھوں
اسے قانون کے حوالے کرتا اور اس وقت بھی میرا دل دکھ رہا ہے۔"

"حرام خوری آدمی کو سنگ دل بنا دیتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر ناصر اپنی روزی

تا ہوتا تو اس سے یہ حرکت کبھی سرزد نہ ہوتی۔ قصور سراسر آپ کا ہے۔ آپ کو اسے اپاہج نہ
چاہئے تھا۔ اگر یہ ایک ایماندار آدمی کی طرح اپنی روزی خود کماتا ہوتا تو اس کے بچے شرابی
جواری نہ ہو سکتے تھے۔ بے مشقت ہاتھ آئے ہوئے پیسے آدمی کو شیطنت کی طرف لے
تے ہیں۔ ناصر محض اس لئے آپ کی جان لینا چاہتا تھا کہ وہ جائیداد کا مالک بننے کے بعد
ن کا قرض ادا کر سکے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" سر مخدوم نے طویل سانس لے کر کہا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔
پھر بولا۔ "صوفیہ کا کیا قصہ ہے...... وہ کہاں ہے۔ پورے خاندان میں صرف وہی ایک
نا ہے جسے میری دولت سے نہیں بلکہ مجھ سے محبت ہے۔"

فریدی نے اسے صوفیہ کے متعلق بتاتے ہوئے اطمینان دلایا کہ وہ محفوظ ہے۔

دوسری شام حمید اور صوفیہ آرلکچو میں چائے پی رہے تھے۔

"تم بڑے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہو۔" صوفیہ نے حمید سے کہا۔

"تم بہت ذہین اور اسمارٹ لڑکی ہو...... میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔"

صوفیہ قہقہہ لگا کر بولی۔ "میں بتاؤں تم کیا سوچ رہے تھے۔"

"بتاؤ......!" حمید بڑے رومانٹک انداز میں بولا۔

"تم سوچ رہے تھے کہ اگر میں تم پر عاشق ہوگئی ہوتی تو تم شادی کی تجویز پیش کرتے۔"

ید احمقوں کی طرح اُسے گھورنے لگا۔ صوفیہ پھر ہنس پڑی۔

"ذہین سے ذہین مرد بھی جنسیت کے معاملے میں معمولی آدمیوں سے مختلف نہیں ہوتا۔"
صوفیہ نے کہا۔

اور حمید نے اُسی وقت اُس سے عشق کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 41

موت کی چٹان

(مکمل ناول)

پیش رس

''موت کی چٹان'' ملاحظہ فرمائیے۔ یہ بتانا دشوار ہے کہ یہ اس کتاب کا کونسا ایڈیشن ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کئی بار چوری چھپے دوسروں نے بھی اسے غیر قانونی طور پر چھاپا ہے۔

جیرالڈ شاستری کی پہلی کہانی ''جنگل کی آگ'' بہت زیادہ پسند کی گئی تھی اور نئے پڑھنے والے آج بھی اس کی تلاش میں رہتے ہیں۔

ادھر پڑھنے والوں کا اصرار کہ پیشرس بھی ''لذیذ'' ہونا چاہئے۔ مگر پیشرس میں تو میں خود ہی ''مرغا'' بن کر دکھاؤں تو آپ کو ہنسی آئے گی۔ کیونکہ پیشرس میں میرے علاوہ اور کون ہوتا ہے!

تو اب میری سنئے...... آج کل اس دشواری سے دوچار ہوں کہ ''تصویر'' سے تو ان کی شکل نہیں ملتی۔''

گذارش ہے کہ تصویر سفید کاغذ پر چھپتی ہے اور جب میں اس کے برعکس نظر آتا ہوں تو آپ کو میری شکل ہی نہیں سجھائی

دیتی۔"

ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا ریوالور لٹکا کر نکلا کیجئے۔ اس طرح آپ کم از کم جاسوسی ادیب تو معلوم ہو سکیں گے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس مشورے کی روشنی میں غیر جاسوسی ادیبوں کو کان پر قلم رکھ کر گھر سے باہر نکلنا چاہئے۔

بھائی کیا یہ ضروری ہے کہ روزانہ زندگی میں بھی آدمی ادیب معلوم ہو۔ یقین کیجئے ایسے لوگ سب کچھ ہو جاتے ہیں لیکن آدمی بالکل نہیں رہتے۔ لہٰذا مجھے اس مشورے سے معاف رکھئے میں تو عام حالات میں عام آدمیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے میری کتابوں میں تلاش کرنے کی عادت ڈالئے...... وہیں ملوں گا...... بالمشافہ قسم کی ملاقات پر آپ یقیناً مایوس ہوں گے۔

والسلام

ابن صفی

ایک سازش

ہائی سرکل نائٹ کلب میں حسب معمول کافی رونق تھی۔ یہ شہر کے اونچے طبقے کے لوگوں کا نائٹ کلب تھا۔ لیکن کرائم رپورٹر انور جیسے لوگوں پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ شہر کے سارے اخباروں کے رپورٹروں کی وہاں تک رسائی تھی۔ انور کا معاملہ دوسرا تھا۔ نائٹ کلب کا منیجر اس سے اس درجہ خائف رہتا تھا کہ اس نے آج تک اس کی ممبر شپ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اور خوف کی وجہ یہ تھی کہ انور کے ہاتھ میں اس کی بعض دکھتی رگیں تھیں جنہیں وہ اکثر چھیڑتا رہتا تھا۔ مگر اس حد تک بھی نہیں کہ معاملہ پولیس کے ہاتھوں جا پہنچتا۔

انور روزمرہ کے آنے والوں میں سے نہیں تھا لیکن جب بھی وہ کلب میں دکھائی دیتا منیجر کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ وہ بھی کم از کم انور کے عادات و اطوار سے تو واقف ہی تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور کو نائٹ کلب کی تفریحات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا آج جب اس نے انور اور رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور وہ چپکے سے اس کمرے میں گھس گیا جہاں ناجائز طور پر نہایت اعلیٰ پیمانے پر جوا ہوتا تھا۔ اس نے وہاں کے منتظم کو ضروری ہدایات دیں اور پھر ہال میں آ گیا۔ انور اور رشیدہ ایک خالی میز پر بیٹھ چکے

تھے۔ وہ ان کی طرف بڑھا۔

''جاؤ...... جاؤ......!'' انور ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''ہم تھک کر یہاں آ بیٹھے ہیں...... تم کا
مشغول ہو گے۔''

''پھر بھی! میرے لائق کوئی خدمت...... بقول شاعر......!''

لیکن انور نے اُسے شعر نہیں پڑھنے دیا۔

''آج کل شعر سنتے ہی مجھے غصہ آ جاتا ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''آپ کی مرضی......!'' منیجر مسکرا کر انکھیوں سے رشیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر جھینپ
ہوئی ہنسی کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف واپس چلا گیا۔

''تم کیوں آئے ہو یہاں؟'' رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

''بزنس......!'' انور مسکرا کر بولا۔ ''مجھے نائٹ کلبوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''کس قسم کا بزنس......!''

''کان نہ کھاؤ......!'' انور جھنجھلا کر بولا۔ ''آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔''

''لیکن میں تمہیں کوئی ایسی حرکت نہ کرنے دوں گی۔''

''کیسی حرکت......!'' انور اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

''دیکھو!'' مجھے اس طرح آنکھیں نکال کر نہ دیکھا کرو...... سمجھے۔'' رشیدہ بھی گرم ہو گئی۔

خلاف توقع انور نے بات نہیں بڑھائی۔ وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

''میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کروں گا۔''

''بہت خوب...... لیکن کیوں؟''

''اس لئے کہ میں تم سے قرض لے کر واپس نہیں کرتا...... اور یہ بہت بُری بات
ہے......'' انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

''لیکن یہاں تم کیا کرو گے۔'' اس نے پوچھا۔

''اس آدمی کو پہچانتی ہو۔'' انور نے ایک بوڑھے اور نحیف الجثہ آدمی کی طرف اشارہ کیا

میز پر تنہا بیٹھا ہوا شامپین کی چسکیاں لے رہا تھا۔

''شاید......!'' رشیدہ سر ہلا کر بولی۔ ''یہ مشہور کروڑ پتی صمدانی ہے۔''

ٹھیک ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''پچھلے سال میں نے اس کے لئے
ام کیا تھا اور اس سے مجھے ایک بھاری رقم معاوضے میں ملی تھی۔''

وہ چند لمحے کے لئے خاموش ہو گیا پھر مسکرا کر بولا۔ ''آخر اب مجھ سے کوئی کام کیوں
یتا۔''

''انتہائی احمقانہ سوال ہے؟'' رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ
ی ضرورتیں پیش آتی رہیں۔''

''آنی پڑیں گی۔'' انور میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ''اسے مجھ سے کام لینا ہی پڑے گا۔ اگر
لے گا تو کیا پھر میں فاقے کروں گا؟''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''نہیں وہ آج کل ایورسٹ کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ تم بکواس بند کرو۔ جو کچھ میں کہہ
اُسے سنو۔ پچھلے سال مجھے اس سے اتنی رقم ملی تھی کہ میں نے چھ ماہ تک عیش کئے تھے۔''

''مجھے یاد ہے......'' رشیدہ نے کہا۔ ''لیکن تم کرو گے کیا؟''

''درمیان میں بولو مت...... سنتی جاؤ...... صمدانی بڑا ڈرپوک آدمی ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی
ں تو بہت کچھ پیدا کر سکتے ہیں۔''

''بلیک میلنگ......!'' رشیدہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ہرگز نہیں...... میں شریف آدمی ہوں۔ بس اسے تھوڑا سا خائف کرنے کی ضرورت
سیدھا میرے پاس دوڑا چلا آئے گا۔''

''آخر کس طرح......!''

''بہت آسانی سے......'' انور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگا کر بولا۔
کوئی خوفناک چہرہ دکھایا جائے۔''

"شاید تم نشے میں ہو۔" رشیدہ ہنسنے لگی۔

"تم باز نہیں آؤ گی۔" انور جھلا کر بولا۔ "میں کہتا ہوں چپ چاپ سنو۔"

"سناؤ......!" رشیدہ نے شانوں کو جھٹکا دے کر کہا۔

"کوئی آدمی مستقل طور سے اس کا تعاقب شروع کر دے۔ بس وہ بوکھلا کر کچھ کرے گا۔"

"تم نے کوئی بہت ہی گھٹیا قسم کا نشہ پیا ہے۔" رشیدہ پھر ہنسنے لگی۔ "بھنگ یا چرس پی گئے۔"

"تمہارا خون پیوں گا۔" انور دانت پیس کر بولا۔

"ایک اُلو اور تم میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "ایسی میں وہ پولیس کی مدد حاصل کرے گا یا تمہارے پاس دوڑا آئے گا۔"

"تم اسے نہیں سمجھ سکتیں......وہ پولیس سے دور ہی رہے گا۔"

"آخر کیوں؟ کوئی وجہ؟"

"پچھلے سال والا معاملہ سو فیصدی پولیس کیس تھا۔ لیکن اس نے پولیس کو اس کی نہ لگنے دی۔ اس کی بجائے میری خدمات حاصل کی تھیں۔"

"میں وجہ پوچھ رہی ہوں اور تم واقعہ دہرا رہے ہو۔"

"اس کے آدمی سونے کی اسمگلنگ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ پولیس سے دور ہے۔ اسی اسمگلنگ کے سلسلے میں اس کے کئی حریف ہیں جو اسے زک دینے کی کوشش رہتے ہیں۔ اگر کسی پراسرار آدمی نے اس کا تعاقب کیا تو وہ اسے اپنے کسی حریف ہی کا سمجھے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتا۔"

"لیکن یہ تو سراسر اُسے دھوکا دے کر لوٹنا ہوگا۔" رشیدہ نے کہا۔

"پھر تمہیں اخلاقیات کا ہیضہ ہوا۔" انور چڑھ کر بولا۔ "یہ بتاؤ کہ اب تک اس نے کولوٹا ہوگا۔ یہی نہیں اسمگلنگ کا مطلب تو حکومت کو دھوکہ دینا ہے۔"

"تو پھر تم میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہئے کہ تم حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کراؤ۔"

"یعنی میں خود اپنے ہتھکڑیاں لگواؤں۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا تمہیں اس رنگروٹ سب انسپکٹر کا واقعہ یاد نہیں جس نے سیٹھ رنگول کو دواؤں کی بلیک مارکیٹنگ پکڑا تھا۔ کیا نتیجہ ہوا......اس بے چارے پر رشوت ستانی کا مقدمہ چل گیا۔ حالانکہ وہ انداز آدمی تھا۔ ویسے اس نے ایک بہت بڑا جرم کیا تھا کہ یہاں کے ایک حاکم کے منظور رنگول کو بلیک مارکیٹنگ کرتے پکڑ لیا۔"

"کچھ بھی ہو......میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔"

"تم میں رائے دینے کی صلاحیت ہی نہیں۔ میں تو تم سے صرف ایک کام لینا چاہتا ہوں۔"

"مجھ سے......؟" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"میں تمہیں اس کا تعاقب کرنے کو نہیں کہوں گا۔"

"پھر......؟"

"قاسم کو پھانسو......!"

"تعاقب کے لئے......کہیں سچ مچ تم پاگل تو نہیں ہوگئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ صمدانی پہچانتا ہوگا۔ وہ بھی تو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔"

"میں جانتا ہوں......لیکن صمدانی اُسے پہچان نہیں سکے گا۔"

"کیسے......؟"

"میک اپ......اگر وہ اسے پہچان جائے تو میں ڈاڑھی رکھ لوں گا۔"

"قاسم اس کے لئے ہرگز تیار نہ ہوگا۔"

"ہو جائے گا۔" انور خود اعتمادانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تم اس سے کہہ کر بھی تو دیکھو تمہیں ذرا سا اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنا پڑے گا۔"

"نہیں میں یہ نہیں کر سکتی۔"

"تم کرو گی۔" انور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ساڑھے سات

بجے ہیں۔ صمدانی یہاں عموماً گیارہ بجے تک بیٹھتا ہے۔ قاسم تمہیں آرلکچو میں مل جائے
وہ تیار ہو جائے تو مجھے فون کر دینا...... اور پھر اسے ساتھ لے کر گھر چلی جانا۔ میں ا
جاؤں گا۔ لیکن ہاں اس کا خیال رکھنا کہ اس کی بھنک بھی حمید کے کان میں نہ پڑنے
مطلب یہ کہ اگر اس کے ساتھ حمید بھی ہو تو تم چپ چاپ واپس چلی آنا۔''

''دیکھو...... مجھے پریشان مت کرو۔'' رشیدہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں اس چکر میں پڑنا پسند نہ کروں گی۔ لیکن تم نے اس کام کے لئے قاسم ہی
منتخب کیا ہے۔''

''قاسم کے علاوہ اور کون تیار ہوگا۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہ تیار ہو جائے گا۔''

''ضرور......!'' انور نے مسکرا کر ایک آنکھ دبالی۔ ''محض اس لئے تیار ہو جائے
اس سے کہو گی۔''

''میں سمجھی...... تمہیں شرم نہیں آتی۔''

''نہ تم میری بیوی ہو اور نہ محبوبہ! ہم صرف دوست ہیں۔ پھر شرم کس بات کی۔ میر
مرد سمجھتا ہوں...... سمجھیں۔''

''ہزار بار دہرا چکے ہو......'' رشیدہ بیزاری سے بولی۔ ''میں یہ نہیں کر سکتی۔''

انور اور رشیدہ میں بحث چھڑ گئی۔ دونوں ساتھ رہتے تھے اور انور اس پر پوری طرح
تھا لیکن دونوں کے تعلقات ایسے نہیں تھے جن پر جنسی تعلقات کا اطلاق ہو سکتا۔ رشیدہ جا
کہ انور جس بات پر اڑ جاتا ہے اسے کر ہی کے چھوڑتا ہے۔ وہ ایک الگ فلسفہ زندگی ر
جس میں اخلاقیات کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اپنے کسی فعل کو توڑ مروڑ کر اخلاقیات کے ڈھ
میں ڈھالنے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔''

دس پندرہ منٹ تک دونوں ایک دوسرے سے الجھے رہے پھر رشیدہ کچھ نرم پڑ گئی۔ شک
بہر حال اسی کی ہوئی تھی۔

''لیکن قاسم حمید سے اس کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ دونوں گہرے دوست ہیں۔'' رشیدہ
کہا۔

''ہرگز نہیں...... اگر تم اسے منع کر دو گی تو ملک الموت بھی اُسے اس کے تذکرے پر آمادہ
سکے گا۔ اُس کے ٹائپ سے بخوبی واقف ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد رشیدہ باہر نکلی، اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور آرلکچو کی طرف روانہ ہو گئی۔

اس دوران میں قاسم نے بڑی شدت سے ہوٹل بازی شروع کر رکھی تھی اور خاص طور
آرلکچو میں بیٹھا کرتا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ ایک دن آرلکچو کی کاؤنٹر کلرک اس کی کسی
پر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ وہ ایک صحت مند اور قبول صورت اینگلو انڈین لڑکی تھی۔ چونکہ
کا تعلق ایک ہوٹل سے تھا اس لئے اس کا انداز ہر ایک سے فلرٹ کا سا رہتا تھا۔ بہر حال
کو غلط فہمی ہو گئی تھی اور وہ آرلکچو میں بلا ناغہ آنے لگا تھا۔ روز ہی اس لڑکی سے دو چار باتیں
اتی تھیں...... حقیقت تو یہ ہے کہ قاسم میں اظہار عشق کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو بس
پر زندہ تھا کہ کسی دن کوئی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے گی۔

''پیارے مجھے تم سے پریم ہو گیا ہے۔''

لیکن آج وہ بہت اداس تھا...... کیونکہ کاؤنٹر کلرک غیر حاضر تھی۔ وہ ایک میز پر تنہا بیٹھا غم
ال میں ایک مرغ مسلم کی مرمت کر رہا تھا۔ وہ اس کی مخصوص میز تھی۔ ہوٹل کے سارے
ے اسے اچھی طرح پہچان گئے تھے۔ کیونکہ وہ بے تحاشہ کھاتا تھا اور رخصت ہوتے وقت
اس کرنے والے ویٹر کو بھاری ٹپ دیتا تھا۔

قاسم نے رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ لیکن اُسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آ سکتا
کہ وہ اس کی طرف آئے گی۔ کیونکہ اُن دونوں میں محض رسمی سا تعارف تھا۔ لہٰذا جب اس
ے اسے اپنی میز کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کا دل ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے
ڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور حلق میں پھندا سا پڑ گیا۔

رشیدہ اس کی میز کے قریب پہنچ کر مسکرائی۔ قاسم بھی جواباً مسکرایا لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے

کسی نے اس کے دہانے کے گوشوں میں انگلیاں ڈال کر کھینچ دیا ہو۔

"تررر...... ترشیف...... تشریف رکھئے۔" قاسم نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

"بیٹھئے...... بیٹھئے......" رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا اور قاسم بے چینی سے پہلو بدلنے لگا

نے مرغ مسلم کو اب بھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے ہونٹوں اور ٹھوڑی میں سا

ہوا تھا۔ ہاتھ بھی ملوث تھے اس ہیئت کذائی میں۔ دیکھ کر رشیدہ نے بدقت اپنی ہنسی ضبط کی۔

"اے......!" قاسم نے بوکھلا کر ویٹر سے کہا۔ "ایک مرغ مسلم اور لاؤ۔"

"کیا میرے لئے......!" رشیدہ جلدی سے بولی۔

"جی ہاں...... جی ہاں......!"

"میرے فرشتے بھی پورا مرغ ہضم نہ کر سکیں گے۔"

"کر لیں گے...... سب چلتا ہے۔" قاسم نے لاپرواہی سے کہا۔ اس کی دانست

رشیدہ تکلف کر رہی تھی۔

"ارے...... نہیں نہیں۔" رشیدہ ویٹر کو روکتی ہوئی بولی۔ "میرے لئے صرف کافی لاؤ۔"

"پھر کیا کھایئے گا۔" قاسم نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"ارے واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" قاسم نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"گرلڈ چکن لے آؤ...... چار......!"

"قاسم صاحب! مجھے مرنا نہیں ہے۔" رشیدہ نے کہا اور پھر ویٹر سے بولی۔ "صرف کافی جاؤ!"

"آپ کی مرضی......!" قاسم مضمحل ہو گیا۔

"میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے ملوں۔" رشیدہ نے کہا۔

"اوہ...... ہی ہی ہی۔"

"آپ کی شخصیت بڑی پرکشش ہے۔" رشیدہ اس کی حماقت انگیز ہنسی کو نظر انداز کر کے بولی اور قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سانس تیز ہو گئی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میں اکثر آپ کے متعلق سوچتی ہوں۔"

قاسم کے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ بھی کچھ کہے لیکن ہونٹ تک نہ ہل سکے۔

"آج جب کہ میں اور انور ایک دلچسپ کھیل کا پروگرام بنا رہے تھے تو معاً میرا ذہن آپ کی طرف گیا۔ قدرتی بات تھی۔" رشیدہ پھر خاموش ہو کر قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔ قاسم بوکھلا کر پلکیں جھپکانے لگا تھا۔ بہت تیزی سے۔

"بڑا دلچسپ کھیل ہے۔" رشیدہ پھر بولی۔ "صرف تین آدمی اس میں حصہ لیں گے...... میں...... انور اور آپ۔"

"خیا...... خیل ہے۔" قاسم اپنا حلق صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوا بدقت بولا۔

"بہت دلچسپ۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "ایک آدمی کو ڈرانا ہے۔"

قاسم ہنسنے لگا۔ دل کھول کر ہنسا...... اس طرح اس کے حلق میں پڑا ہوا پھندا کھل گیا۔

"کون ڈرائے گا۔" اس نے پوچھا۔

"آپ......!"

قاسم نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔ "ڈرا ڈرا کر مار ڈالوں گا سالے کو...... کون ہے۔"

"سیٹھ صمدانی......!" رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"ارے باپ رے۔" قاسم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کیوں...... کیا بات ہے۔"

"ارے وہ تو والد صاحب کا دوست ہے۔" قاسم نے آگے کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "میری شامت آ جائے گی۔"

"وہ آپ کو پہچان نہیں سکے گا۔"

"نہیں...... وہ مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔"

"کہتی تو ہوں کہ نہیں پہچان سکے گا۔"

"آخر کیسے۔"

"آپ کا بھیس بدلوا دیا جائے گا۔"

"میک اپ......!" قاسم خوش ہو کر بولا۔ "الا قسم میں تیار ہوں۔ حمید کو اپنے
کرنے پر بڑا ناز ہے۔"

"مگر ٹھہریئے...... آپ کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ حمید سے بھی

"کیوں......!"

"بس یونہی...... وعدہ کیجئے کہ آپ تذکرہ نہیں کریں گے۔"

"نہیں کروں گا...... بالکل نہیں۔"

پھر قاسم نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس کھیل کا مقصد کیا تھا۔ رشیدہ اسے
کے لئے تنہا چھوڑ کر انور کو فون کرنے چلی گئی اور قاسم بیٹھا احمقوں کی طرح خود بخود
مسکراتا رہا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر رشیدہ کے دو جملے گونج رہے تھے جو اس نے
تعریف میں کہے تھے۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ حد درجہ سنجیدہ اور سلیم الطبع نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔

"آیئے اب چلیں۔" رشیدہ نے اُس سے کہا۔

قاسم نے بل کے دام ادا کئے اور وہ باہر آ گئے۔ قاسم نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی
اور وہ انور کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ پچھلی سیٹ پر برابر بیٹھے ہوئے تھے اور
سانس پھول رہی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ کوئی غیر عورت اس سے اتنی قریب تھی۔

رشیدہ اُسے آہستہ آہستہ بتاتی جارہی تھی کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ لیکن شاید ہی قا
پوری بات سمجھی ہو۔ وہ کبھی تو دل ہی دل میں اپنی دبلی پتلی اور کمسن بیوی کو گالیاں دینے
اور کبھی اس بات پر خوش ہونے لگتا تھا کہ رشیدہ نے اس کے لئے چند تعریفی جملے کہے
اس پر اتنا اعتماد کیا تھا کہ اُسے اپنے ایک کھیل میں شریک کرنے جارہی تھی۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" رشیدہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ج......جی......!" قاسم چونک پڑا۔ "کچھ تو نہیں...... ہی ہی ہی...... ارے میں سوچ
ہا تھا کہ کسی کو کچھ نہ بتاؤں گا۔"

"آپ بہت اچھے ہیں۔"

قاسم پھر بوکھلا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی رشیدہ کے بازو آہستہ آہستہ اس
گردن کی طرف آئیں گے اور وہ ہکلا ہکلا کر دم توڑ دے گا۔ اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ
نے لگا۔ شدید غصہ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے جبڑوں پر خود ہی مکوں کی بارش کر دے۔
بان کھینچ لے جو ایسے موقعوں پر لڑکھڑانے لگتی تھی۔

وہ ہانپتا رہا اور ٹیکسی فراٹے بھرتی رہی۔

قاسم کی بدحواسی

ساڑھے نو بج چکے تھے...... انور ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوا جو ہائی سرکل نائٹ
لب سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اس نے کلب کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

"ہیلو...... منیجر کیا صمدانی صاحب موجود ہیں۔"

"جی ہاں......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ذرا انہیں فون پر بلا دیجئے۔" انور نے کہا۔

"ٹھہریئے......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

"ہیلو...... صمدانی اسپیکنگ......!"

جواب میں انور نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور فون کا سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر نکل آیا۔
دوسری طرف صمدانی نے اس قہقہے کو حیرت سے سنا اور پھر وہ شائد تیس سیکنڈ تک "ہیلو ہیلو"
کرتا رہا لیکن جواب ندارد......

"پتہ نہیں کون گدھا تھا...... ہنس کر ڈس کنکٹ کر دیا۔" صمدانی نے منیجر کی طرف
کہا اور ریسیور اسٹینڈ پر رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

وہ کمزور اعصاب کا دبلا پتلا بوڑھا تھا۔ اکثر معمولی معمولی باتیں بھی اسے اختلاج
کر دیتی تھیں لہٰذا اس وقت بھی یہی ہوا۔ میز کی طرف واپس آتے وقت اس کے پیر کانپ
تھے۔ اس نے گلاس میں شراب انڈیلی اور پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

اچانک اس کی نظریں ایک انتہائی گرانڈیل آدمی کی طرف اٹھ گئیں جو قریب ہی
میز پر بیٹھا اُسے گھور رہا تھا۔ وہ انتہائی طویل القامت اور اسی حد تک موٹا آدمی تھا۔
گھنی ڈاڑھی اور مونچھیں اتنی گنجان تھیں کہ ہونٹ بھی چھپ کر رہ گئے تھے۔ جسم پر انگریزی
کا بیش قیمت لباس تھا۔ اس کا چہرہ یوں بھی خوفناک تھا اور پھر غصہ سے گھورتی ہوئی آنکھیں
صمدانی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ہاتھ کانپنے لگا جس میں اس نے شراب کا
سنبھال رکھا تھا۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور اس خوفناک آدمی کے چہرے سے اپنی
ہٹالیں۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھے بغیر رہ بھی نہ سکا اس نے کنکھیوں سے اُسے دیکھا
خوفناک آدمی اب بھی اُسے گھور رہا تھا۔

صمدانی کی بدحواسی بڑھ گئی۔ شہر میں اس کے کئی حریف اور دشمن تھے۔ یوں بھی جب
اس پر اختلاج کا دورہ پڑتا تھا تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے یک بیک اس پر مکان کی
چھت آ گرے گی یا کوئی دوسرا اچانک حادثہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ بہرحال اس کی
بدحواسی اتنی بڑھ گئی کہ وہ گلاس کی بقیہ شراب ختم کئے بغیر ہی اٹھ گیا۔

قاسم اپنی گھنی مونچھوں پر ہولے ہولے انگلی پھیرتا رہا۔ جب صمدانی باہر نکل گیا تو وہ
اٹھا۔ صمدانی کی کار کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ قاسم نے انور کی موٹر سائیکل سنبھالی جو پروگرام
کے مطابق نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ ہی میں موجود تھی۔

اب قاسم باقاعدہ طور پر صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور دل ہی دل میں پھولا نہیں سما رہا
کہ اب وہ بھی کم از کم سرجنٹ حمید سے ٹکر لے ہی سکتا تھا۔ ایک ایک کر کے اسے وہ سارے

جاسوسی ناول یاد آنے لگے جنہیں وہ اب تک پڑھ چکا تھا...... اور وہ خود کو انہیں میں سے ایک کا
پُراسرار جاسوس سمجھ رہا تھا۔

صمدانی کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور قاسم اس کا تعاقب کرتا رہا۔ انور نے اسے
سمجھا دیا تھا اور جو کچھ اس نے کہا تھا اسی کے مطابق اسے عمل کرنا تھا۔ انور نے کہا تھا کہ جب
تک وہ کہیں رک کر اتر نہ پڑے اس کا تعاقب جاری رکھنا چاہیئے...... غالباً اس کا مطلب یہ تھا
کہ صمدانی بھی اس تعاقب سے آگاہ ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد کار اس سڑک پر ہولی جو پولو گراؤنڈ کی طرف جاتی تھی۔ سڑک سنسان تھی
اور قاسم کی موٹر سائیکل کا شور سناٹے میں انتشار برپا کئے ہوئے تھا۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی
اور قاسم نے رفتار کا تناسب اتنا رکھا تھا کہ موٹر سائیکل اس سے کافی فاصلے پر رہے۔

اچانک کار کی پچھلی سرخ روشنی اس کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ اس نے اس خیال سے
موٹر سائیکل کی رفتار تیز کر دی کہ کہیں اگلی کار کسی طرف گھوم نہ گئی ہو۔

کار کے قریب پہنچ کر قاسم نے موٹر سائیکل روک دی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب
اسے کیا کرنا چاہیئے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ صمدانی کو ایک بار پھر ڈرایا جائے۔ اسے یقین تھا
کہ صمدانی کار کے اندر ہی ہوگا کیونکہ قرب و جوار میں کوئی عمارت بھی نہ تھی۔

ابھی تک وہ خود کو ایک فلمی ہیرو تصور کر کے صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور اس نے اسے
ڈرا بھی دیا تھا۔ اس لئے اس کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ موٹر سائیکل کا انجن بند کر کے کار
کی طرف یہ سوچتا ہوا بڑھا کہ صمدانی ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کار میں دبکا ہوا ہوگا۔ کار میں
اندھیرا تھا۔ قاسم نے جیب سے ٹارچ نکالی۔

روشنی کا دائرہ صمدانی پر پڑا۔ جو پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا لیکن چہرے
پر روشنی پڑنے کے باوجود بھی اس نے اپنا چہرہ قاسم کی طرف نہیں گھمایا۔

"اتنا خوفزدہ ہے۔" قاسم نے آہستہ سے بڑبڑا کر کھڑکی کے اندر سر ڈال دیا۔

اور پھر جب اس نے قریب سے دیکھا تو اسے صمدانی کی بائیں آنکھ کی جگہ ایک بڑا سا

سوراخ نظر آیا جس سے وافر مقدار میں خون نکل کر اس کے بائیں گال پر پھیل گیا تھا۔

وہ چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا...... پھر دوبارہ ''ارے باپ رے'' کا نعرہ مار کر نے اپنی پوری قوت سے شہر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ بدحواسی میں وہ یہ بھی بھول گ یہاں تک وہ ایک موٹر سائیکل پر آیا تھا اور اسی پر واپس بھی جا سکتا تھا۔ دیو جیسے ڈیل ڈول باوجود بھی وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا۔

لیکن پولو گراؤنڈ کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کی طاقت جواب دے گئی اور وہ بجلی کے سے لپٹ کر ہانپنے لگا۔ اس کے ذہن میں صرف صمدانی کا خوفناک چہرہ تھا اور اب اسے یا رہا تھا کہ وہ یہاں کس لئے آیا تھا۔

کچھ ذرا سانس ٹھہری تو اس نے پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ لیکن اب اس میں دوڑ سکت نہیں رہ گئی تھی۔ شاید آدھے ہی منٹ بعد وہ لڑھکنے والی چال سے چلنے لگا اور پھر اس منہ سے منمناتی ہوئی سی آواز نکلنے لگی۔ وہ دراصل انور اور رشیدہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ پھر ا یک بیک اپنی مصنوعی ڈاڑھی کا خیال آ گیا اور وہ اُسے بوکھلاہٹ میں نوچنے لگا...... ایک بال چن لیا۔

پھر یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ پاور ہاؤز کے قریب اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ اب انور کے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کچھ پتہ ہی نہ چلا کہ اس نے بقیہ راستہ کس طرح کیا۔ وہ ایک بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔

اور ٹیکسی ڈرائیور ہی نے اسے جھنجھوڑ کر بتایا کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ پتہ ن اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کتنے کا نوٹ دیا اور عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ بہر حال ٹیکسی ڈرا کے تحیر آمیز انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کرائے سے بہت زیادہ دے دیا ہو۔ چند لمحے کھڑا قاسم کو جاتے دیکھتا رہا پھر بڑبڑاتا ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ''ایسے ہی روز کریں...... تو......!''

قاسم نے انور کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور وہ دھم سے منہ بل اندر فرش پر جا گرا۔

''کیا ہوا......؟'' انور کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔ رشیدہ بھی بڑھی...... دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ قاسم کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح فرش پر پڑا ہانپ رہا تھا...... وہ اب چپ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں چھت پر جمی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا......!'' انور اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ لیکن قاسم کی آنکھیں چھت پر جمی رہیں اور وہ کچھ بولنے کی بجائے صرف ہانپتا رہا۔

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔

''تم نے میرا بیڑا غرق کر دیا۔'' وہ دہاڑ کر بولا۔

''ہوا کیا......؟''

''اب مجھے پھانسی...... ارے باپ رے۔'' قاسم خوفزدہ آواز میں بولا اور اس طرح اپنی گردن ٹٹولنے لگا جیسے سچ مچ پھانسی کا پھندا پڑ گیا ہو۔

''کیا......؟'' انور حیرت سے بولا۔ ''کیا تم نے اسے مار ڈالا۔''

''میں نے......!'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

''ذرا آہستہ پیارے...... شور نہ مچاؤ۔'' انور نے اس کا شانہ سہلا کر کہا۔

قاسم نے کسی کنواری لڑکی کے سے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بولا۔

''تم نے مجھے پھانس کر اسے ختم کر دیا۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔'' انور بوکھلا گیا۔

''ہاں اب اسی طرح بنو گے...... میں جا رہا ہوں پولیس کو اطلاع دینے۔ نہیں تو کیا میں پھانسی پر چڑھوں گا۔''

قاسم نہ جانے اور کیا اول فول بکتا رہا۔ بدقت تمام انور نے اس سے پوری بات معلوم کی۔

''میری موٹر سائیکل کہاں ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''ہوگی سالی کہیں......میں کیا جانوں......؟''

''کیوں......؟ کیا تم موٹر سائیکل پر نہیں گئے تھے۔''

''گیا تھا......!'' قاسم جھلا کر بولا۔ ''شاید وہ وہیں رہ گئی۔''

''کہاں......!''

''کار کے پاس۔''

انور بوکھلا کر اپنا سر سہلانے لگا اور رشیدہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں چند لمحے خاموش رہا پھر ہنس کر بولا۔ ''اچھا الو بنایا تمہیں صمدانی نے۔''

''کیوں......؟'' قاسم چونک پڑا۔

''تم اُسے ڈرانے چلے تھی......الٹا اسی نے تمہیں ڈرا دیا۔ وہ بھی اپنا چہرہ بنا۔ بگاڑنے پر قادر ہے۔''

''تو کیا وہ سب بناوٹی تھا......!'' قاسم نے حیرت سے پوچھا۔

''یقیناً......ورنہ اس طرح اچانک......مرجانے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔ خوب ......بھئی واہ۔''

''تب تو میں اس [illegible] مار ہی ڈالوں گا۔ یہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر اتنی جلد کیسے مر گیا۔''

''تم بہت تھک [illegible] دیکھیر ے......'' انور نے کہا اور پھر رشیدہ بولا۔ ''ذرا تم ان کے لئے طاقت کی دوا بنالا......وہ نیلی شیشی والی...... ورنہ ہفتوں ان جسم میں درد ہوگا۔''

''ضرور ضرور......!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''اللہ قسم میں تھک کر چور [illegible]''

رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس دوران [illegible] باتیں کرنے لگا جس سے قاسم کو یقین آجائے کہ صمدانی نے اسے [illegible]

رشیدہ گلاس میں دودھیا رنگ کا کوئی سیال لے کر واپس آئی۔

''اسے پی لو۔'' انور نے قاسم سے کہا۔ ''پانچ منٹ میں جوڑ جوڑ کا درد نکل جائے گا۔''

قاسم نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ وہ پھر باتیں کرنے لگے قاسم کی آنکھیں بوجھل ہوتی جارہی تھیں۔ آخر اس نے مسکرا کر کہا۔ ''میں تو...... بلی کا بچہ ہوں ننھا منا انور بھائی۔''

اور پھر کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے وہ گہری نیند سو گیا۔

''یہ کیا...... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' رشیدہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''اگر میں اسے بے ہوش نہ کرتا تو...... اسی وقت یہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا۔'' انور کہا۔

''مجھے سچ سچ بتاؤ...... تم کیا کر رہے ہو۔''

''وہی جو پہلے بتا چکا ہوں...... صمدانی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں...... شاید کوئی پہلے سے اس کی گھات میں تھا۔''

''لیکن اب تمہارا کیا بنے گا۔ موٹر سائیکل بھی وہیں رہ گئی۔''

''دیکھا جائے گا...... میں تو جواری ہوں...... ہاں موٹر سائیکل کا معاملہ ضرور تشویش ہے۔ لیکن میں اس کا بھی انتظام کئے لیتا ہوں۔''

''کیا انتظام کرو گے۔''

''موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے جا رہا ہوں۔ میں موٹر سائیکل سڑک کے سے چھوڑ کر ایک دوکان میں چلا گیا تھا۔ واپسی پر موٹر سائیکل غائب تھی۔ نائٹ کلب کے پاس کوئی دوکان لکھوا دوں گا۔''

لاش کہاں تھی

دوسری صبح......

پولو گراؤنڈ والی سڑک پر ایک راہ گیر نے ایک کار کھڑی دیکھی جس کے اندر نظر پڑتے ہی

وہ اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔ پھر اس نے اچھی طرح کار کے اندر کا جائزہ لیا۔ اس دو
میں وہ برابر ہنستا رہا۔ کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل بھی کھڑی تھی۔

راہ گیر نے اپنی راہ لی۔ شاید اسے جلدی تھی ورنہ وہ وہاں رک کر دوسرے راہگیروں
بھی ردعمل دیکھتا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں خاصی بھیڑ ہوگئی۔ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے اور انہیں فکر
کہ آخر کار کا مالک کہاں گیا۔

پھر ایک پولیس مین بھی ادھر آنکلا۔ قہقہہ تو اس نے بھی لگایا لیکن پھر لوگوں سے پوچھ
کرنے لگا۔ کار کا مالک اب بھی غائب تھا۔

آخر پولیس مین نے پاور ہاؤز سے کوتوالی کے لئے فون کیا۔ تشویش کی بات ایک کار
ایک موٹر سائیکل جن کا کوئی مالک نہ تھا۔

اسی شام کو اخبارات میں ایک دلچسپ خبر دکھائی دی جس پر سب نے ایک سرخی جمائی
اور وہ سرخی تھی۔ ”کار میں گدھا۔“

خبر یہ تھی

آج صبح پولو گراؤنڈ کے قریب ایک کار پائی گئی جس پر ایک گدھا سوار تھا...... کار
کھڑکیاں بند تھیں اور گدھا باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے ان
خیال ہے کہ آئندہ شائد کبھی انہیں اتنا دلچسپ منظر نہ دکھائی دے۔ کار کے ساتھ ایک مو
سائیکل بھی تھی۔ بعد کی اطلاعات اور زیادہ دلچسپ ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ کار شہر کے مشہ
کروڑ پتی مسٹر صمدانی کی تھی اور موٹر سائیکل روزنامہ اسٹار کے کرائم رپورٹر مسٹر انور کی...... مسٹ
انور نے پچھلی رات کوتوالی میں اپنی موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی......
رپورٹ کے مطابق مسٹر انور اپنی موٹر سائیکل سڑک کے کنارے کھڑی کر کے ایک دوکان میں
گئے اور واپسی پر انہیں معلوم ہوا کہ اسے کوئی چرالے گیا۔ پولیس ابھی تک مسٹر صمدانی سے
ملاقات کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ورنہ کار کے متعلق بھی یقیناً کوئی سنسنی خیز انکشاف ہوتا

مسٹر صمدانی کے موٹر ڈرائیور نے آج صبح ایک حیرت انگیز رپورٹ درج کرائی ہے۔ اس کا بیان
ہے کہ وہ پچھلی رات مسٹر صمدانی کو لے کر ہائی سرکل نائٹ کلب گیا تھا...... مسٹر صمدانی اندر چلے
گئے اور وہ باہر کمپاؤنڈ میں ان کا انتظار کرتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک آدمی اسے باتوں میں لگا
کر کمپاؤنڈ کے ایک سنسان حصے میں لے گیا جہاں کسی نے پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی
چیز ماری اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ پھر اس نے آج صبح خود کو کلب کے گیراج میں پایا۔ اس کے سر
میں گہرا زخم آیا ہے...... مسٹر صمدانی کے متعلق نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں ہیں۔“

انور خود بھی دن بھر خبروں کی فراہمی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرتا رہا تھا۔ اس نے صمدانی
کی کوٹھی کے بھی کئی چکر لگائے لیکن کوئی اہم بات نہ معلوم ہوسکی۔ جب شام کا اخبار نکل چکا تو
اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی۔

جس وقت قاسم کے پاس انور کا ملاقاتی کارڈ پہنچا تو وہ اپنی بیوی پر تاؤ کھا رہا تھا۔ بات
یہ ہوئی تھی کہ قاسم کے منہ میں پان تھا اور وہ صوفے پر چت پڑا ہوا اپنے منہ میں پیک اکٹھا
کر رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہا تھا بلکہ بڑی دیر سے سوچ رہا تھا کہ اُسے اٹھ کر
اگالدان میں تھوکنا چاہئے۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کرتا رہا اور پیک کی زیادتی کی وجہ سے اس کے گال
پھولتے رہے۔ اتنے میں اس کی بیوی نے آکر کوئی ایسی بات کہی جس پر قاسم کو غصہ آگیا اور
برجستہ جواب دینے کے سلسلے میں اسے خیال نہ رہا کہ اس کا منہ پیک سے بھرا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ
ہوا کہ ساری پیک اچھل کر اس کے سینے پر پڑی۔

”خدا تمہیں غارت کرے۔“ قاسم اسے مکا دکھا کر بولا۔

”میں نے کیا کیا ہے۔“ اس کی بیوی ہنس پڑی۔

”تم نے کیوں مخاطب کیا مجھے...... جب جانتی تھیں کہ میرے منہ میں پیک ہے۔“

”تم تھوک کر بولے ہوتے۔“

”کیوں تھوک کر بولا ہوتا۔ تم مجھ سے بولی ہی کیوں۔“

”واہ یہ اچھی رہی...... گندے کہیں کے۔“

"کیا کہا...... میں گندہ ہوں۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

"نہیں بڑے صفائی پسند ہو...... قمیض برباد کرلی۔"

"تم سے مطلب...... میری قمیض ہے یا تم اپنے باوا کے گھر سے لائی تھیں۔"

"دیکھئے...... باپ دادا تک نہ چڑھئے گا...... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" وہ بھی تیز ہوگئی۔

"کیا نہ اچھا ہوگا...... چڑھوں گا باپ دادا...... تمہارے باپ تمہارے دادا ت
تمہارے باپ دادا بلکہ ان کے بھی دادا کے دادا۔"

"دیکھتی ہوں اب کیسے گھر میں پان آتا ہے۔"

"دیکھتا ہوں کون روکے گا...... پان ہی نہیں...... اب برانڈی کی بوتلیں بھی آئیں گی"

"چچا جان کا ہنٹر شائد بھول گئے۔"

"نکل جاؤ......!" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ اتنے میں نوکر انور کا کارڈ لے آیا۔

"تم بھی دفان ہوجاؤ۔" قاسم نے کارڈ دیکھے بغیر نوکر سے کہا۔ "میں کسی سے نہیں ملوں

"مگر سرکار میں تو کہہ چکا ہوں کہ آپ گھر پر موجود ہیں۔"

"جاؤ کہہ دو...... صاحب مر گئے...... جاؤ......!"

"نہیں کہہ دو...... صاحب اپنی قمیض پر تھوک کر بیٹھے ہیں۔" قاسم کی بیوی نے کہا۔

نوکر جانے لگا۔

"رک جابے......!" قاسم نے اس کی گردن پکڑ لی۔ "کیا کہے گا۔"

"صاحب...... قمیض......!"

"گلا گھونٹ دوں گا۔" قاسم دانت پیس کر بولا۔ "اس گھر پر میرا حکم چلتا ہے...... سمجھے۔"

"جی صاحب...... ہا"

"جاکر کہہ دے کہ صاحب مر گئے۔"

نوکر چلا گیا...... قاسم قمیض بدلنے کی فکر کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آ گیا۔

"صاحب وہ انور صاحب ہیں...... ضروری کام ہے۔" اس نے کہا۔

قاسم سوچ میں پڑ گیا۔ وہ تھوڑی دیر قبل شام کا اخبار دیکھ کر کافی قہقہے لگا چکا تھا لیکن
اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں انور اس کا منتظر تھا۔

"تم نے اخبار دیکھا۔"

"ہاں دیکھا...... واقعی سالا بڑا مسخرہ معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" انور نے کہا۔ "لیکن میں تمہیں ایک خاص بات بتانے آیا ہوں۔"

"کیا......!"

"صفدانی نے مذاق ضرور کیا ہے لیکن خطرناک قسم کا۔ اگر اپنی گردن سلامت رکھنا چاہتے
پچھلی رات کے سارے واقعات کے متعلق کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔"

"کیوں...... کیا بات ہے...... صاف صاف بتاؤ۔"

"تمہیں کئی آدمیوں نے نائٹ کلب میں دیکھا تھا...... انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ تم
ی کو گھور رہے تھے اور شائد وہ تم سے ڈر کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے تم
ائٹ کلب سے نکلے تھے۔"

"تو اس سے کیا ہوا...... وہ مذاق تھا...... اور اس نے بھی مذاق کیا تھا۔ کار میں گدھا۔"
منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

"کیا تم نے اس کے ڈرائیور کا بیان نہیں پڑھا" انور نے اسے گھور کر کہا۔

"وہ تمہاری حرکت تھی۔" قاسم سنجیدگی سے بولا۔ "خواہ مخواہ بیچارے کا سر پھاڑ دیا۔"

"چلو میری ہی حرکت سہی...... لیکن تم بھی اس میں شریک تھے۔ اگر کسی سے تذکرہ کیا تو
طرح پھنس جاؤ گے۔"

"میں کیوں کرنے لگا تذکرہ، ہرگز نہیں کروں گا لیکن سالے صفدانی کی تاک میں ضرور رہوں گا۔"

"نہیں اب تم اس واقعے کو بالکل ہی بھول جاؤ۔"

"بھول گیا۔" قاسم نے سرہلا کر کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کیا
رشیدہ تمہاری بیوی ہے۔"

"کیوں.....؟" انور مسکرا کر بولا۔ "یار اس کے چکر میں نہ پڑنا۔ بڑی خطرناک عورت ہے"

"اوہ.....اسی لئے تو میں ان سے.....اُن کو.....بہت اچھا سمجھتا ہوں۔"

"خیر اچھا تو میں اب چلوں گا.....خیال رہے کہ.....!"

"میں سب سمجھتا ہوں.....فکر نہ کرو۔ کل شام کو میں تمہارے گھر آؤں گا۔" قاسم نے

"شائد ہم لوگ نہ ملیں۔" انور نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ اس کا ذہن اب تک
واقعے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق قاسم نے سچ مچ صمدانی کی لاش ہی
تھی۔ ورنہ اتنی بدحواسی میں کبھی نہ بھاگتا۔ اس نے یہاں تک تو بتایا تھا کہ اس کی بائیں آ
جگہ ایک بڑا سا سوراخ تھا جس سے خون بہہ رہا تھا پھر آخر لاش کی بجائے ایک زندہ
کیوں؟ قاتل ظریف ہی نہیں بلکہ ستم ظریف تھے اور انہوں نے اس کی موٹر سائیکل بھی
جوں کی توں رہنے دی تھی۔

نوعیت کے اعتبار سے واقعات عجیب تھے.....انور سوچ رہا تھا کہ کہیں آگے چل
معاملات اور زیادہ پیچیدہ نہ ہو جائیں۔ پولیس والے موٹر سائیکل کی چوری کے متعلق اسے
کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ انور کو اپنی موٹر سائیکل کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی اور وہ ابھی
پولیس ہی کے قبضے میں تھی۔ انور نے سوچا کہ اسے ایسے موقع پر انسپکٹر فریدی سے ضرور
چاہئے۔ دوسروں کی بات تو الگ رہی خود رشیدہ بھی اس کی طرف سے مشکوک تھی۔ رشیدہ
خیال تھا کہ گدھے والی حرکت انور ہی کی تھی اُس نے لاش غائب کر کے کار میں ایک عدد گدھا
ٹھونس دیا تھا۔

لیکن انور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ قاسم کو بیہوش کرنے کے بعد وہ سیدھا
کوتوالی گیا تھا اور موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا کے پھر گھر واپس آ گیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہوتے انور فریدی کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ فریدی ابھی ابھی کہیں سے
آیا تھا اور کیڈی کو گیرج میں ڈال کر باہر نکلا ہی تھا کہ انور سے سامنا ہو گیا۔ فریدی اپنے
انداز میں مسکرا کر رک گیا۔

"خوب.....!" اس نے کہا۔ "تو تم آ گئے۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بغور فریدی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ جس پر تھوڑی
تھکاوٹ کے آثار نظر آ رہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی لمبی مسافت طے
کر آیا ہو۔

"آؤ.....اندر چلو.....!" فریدی نے کہا۔ "کار والے گدھے نے میرے گدھے حمید کو
طرف متوجہ کر لیا ہے اور وہ اس وقت غالباً مسٹر صمدانی کی سیکریٹری مس لورین سے غپ لڑا
رہا ہو گا۔"

دونوں اندر آئے اور فریدی ایک صوفے پر گرتا ہوا بولا۔ "شاید تم صحیح واقعہ بتانے آئے ہو۔"

"کیسا صحیح واقعہ.....!" انور گڑبڑا کر بولا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"فرزند.....میں آصف نہیں ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "موٹر سائیکل کی سچی کہانی
درکار ہے کیونکہ اب معاملہ بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔"

"موٹر سائیکل.....وہ تو چوری۔"

"نہیں.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وقت نہ برباد کرو.....موٹر سائیکل نائٹ کلب
الی فاصلے پر تھی۔ تم نے جس دوکان کا حوالہ رپورٹ میں دیا ہے وہ اول تو کلب سے ڈیڑھ
کے فاصلے پر واقع ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ آٹھ بجے ہی بند ہو چکی تھی اور تم نے
ٹ میں ساڑھے نو کا وقت لکھوایا ہے۔ قبل اس کے کہ پولیس دوکاندار سے پوچھ گچھ کرتی
وہاں پہنچ گیا۔ لہٰذا اب وہ کسی دوسرے کو دوکان بند ہونے کا وقت آٹھ کی بجائے گیارہ
گا۔"

انور کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

"اگر معاملہ تمہاری موٹر سائیکل کا نہ ہوتا تو میں اتنی زحمت مول نہ لیتا۔" اس نے کہا

"پھر میں کسی دوسری دوکان میں گیا ہوں گا" انور ڈھٹائی سے بولا۔

"انور بکواس بند کرو۔ میں ابھی ابھی صمدانی کی لاش دیکھ کر آرہا ہوں۔"

"کیا......؟" انور اچھل پڑا۔

"لاش آج صبح اس کے سمر ہاؤز میں پائی گئی ہے جو جھریالی کے مضافات میں ہے۔ کسی نے اس کی بائیں آنکھ میں گولی ماری ہے۔ ڈاکٹر کی رپورٹ ہے یہ قتل پچھلی رات کو دس کے بعد کسی وقت ہوا تھا۔"

انور سناٹے میں آگیا۔

فریدی چند لمحے انور کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "لیکن یہ قتل سمر ہاؤز میں نہیں ہوا۔ صمدانی کے جسم پر پورا لباس تھا اور اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ پھر بھی لاش بستر پر پائی گئی۔ لیکن بستر پر خون کا ایک دھبہ بھی نہیں ملا...... ریوالور کی نال آنکھ پر رکھ کر گولی چلائی گئی تھی کیونکہ حلقے کے گرد بارود کی کھرنڈ پائی گئی ہے...... میرا خیال ہے کہ کار میں ہی قتل کیا گیا تھا...... اور اسی جگہ جہاں کار ملی ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو کر انور کو گھورنے لگا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

"لیکن تمہاری ہی موٹر سائیکل کیوں۔" فریدی پھر بولا۔ "ظاہر ہے کہ صمدانی کے ڈرائیور کو بیہوش کر کے وہاں اسی لئے ڈال دیا گیا تھا کہ اس کی جگہ کوئی اور سنبھالے۔ خیر تو پراسرار آدمی نے اس کے ڈرائیور کی جگہ لی اور صمدانی اسے نہیں پہچان سکا۔ راستے میں اس نے کار روک دی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صمدانی نے کار روکنے کی وجہ پوچھی اور وہ پراسرار آدمی نہایت اطمینان سے مڑا اور اس کی بائیں آنکھ پر ریوالور رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ یہ سب تو ہوا تمہاری موٹر سائیکل کا وہاں کیا کام...... ایسی حالت میں جب کہ وہ چرائی بھی نہیں گئی تھی۔"

"آپ کہہ رہے ہیں کہ قتل کار میں ہوا...... تو پھر لاش کو وہاں اتنی دور سمر ہاؤز میں لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔" انور نے کہا۔

"ہم...... اور تم نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کار میں گدھا ٹھونسنے کی کیا ضرورت تھی۔ سنو اس موٹر سائیکل پر کوئی ایسا آدمی تھا جو قاتلوں میں سے نہیں تھا...... اور وہ صمدانی کی کار کا تعاقب کر رہا تھا۔ محض اسی کی وجہ سے قاتلوں کو یہ دونوں حرکتیں کرنی پڑیں۔ غالباً وہ کسی بناء پر دیر کے لئے یہ نہیں ظاہر ہونے دینا چاہتے تھے کہ صمدانی قتل کر دیا گیا۔ کیا اس گدھے نے پولیس کو آج دن بھر پریشان نہیں رکھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ قاتلوں کا مقصد رات ہی کو حاصل کر لیا ہوگا۔ شائد وہ رات بھر کے لئے اس قتل کو چھپانا چاہتے تھے۔ ورنہ وہ اس لاش کو سمر ہاؤز لے جانے کے بجائے کہیں اور لے جاتے۔"

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موٹر سائیکل پر میں تھا۔" انور نے کہا۔

"نہیں...... مجھے تم سے اس کی توقع نہیں کہ تم کسی ایسی جگہ اپنی موٹر سائیکل چھوڑ جاؤ گے...... لیکن اس پر جو کوئی تھا تم اس سے واقف ہو اور تم قتل کی واردات سے بھی واقف ہو گئے تھے...... اسی لئے تم نے چوری والی کہانی گڑھی۔"

"آپ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا۔" انور مری ہوئی آواز میں بولا اور پھر اسے پوری روداد دہرانی پڑی۔ فریدی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ضبط کرنے کی انتہائی کوشش کر رہا ہے۔ انور خاموش ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت فریدی سے نظر ملانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

"یہ ایک قطعی غیر قانونی حرکت تھی۔" اسے فریدی کی سپاٹ اور سرد آواز سنائی دی۔ "اب میں اس دوکان دار کو مجبور کروں گا کہ وہ صحیح بیان دے۔"

"میں پھنس جاؤں گا......!" انور بوکھلا گیا۔

"جہنم میں جاؤ...... میں بے ایمانی کسی کی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ میں نے تمہیں سینکڑوں بار سمجھایا ہے کہ قانون سے کھیلنے کی کوشش نہ کیا کرو...... نہیں نہیں...... میں مجبور ہوں۔ تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا اور پھر تم نے اس گدھے قاسم کو اس میں شریک کیا تھا...... تم احمق بھی ہو۔"

فریدی کے دلائل

انور خاموش بیٹھا رہا۔

فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ انور نے ایک غیر قانونی حرکت ضرور کی تھی لیکن قتل میں ہاتھ نہیں تھا۔ اگر وہ یہ حرکت نہ کرتا تب بھی صدانی قتل کر دیا جاتا کیونکہ واقعات کے اعتبار سے وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی تھی۔

"تو کیا پھر واقعی میرا غرور ٹوٹ جائے گا۔" انور بڑبڑایا اور فریدی رک کر اُسے گھورنے لگا۔ انور کہتا رہا۔ "دیکھئے...... یہ تو قریب قریب ناممکن ہے کہ میں حوالات کی شکل دیکھوں لیکن میرے راستے میں جو بھی آیا اس کی خیر نہیں۔"

"کیا یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔"

"نہیں...... مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کو چیلنج کر سکوں۔ لیکن پولیس کی دشواریاں ضرور بڑھ جائیں گی۔ آسانی سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔"

"لونڈے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم اگر اتنے ہی ذہین ہوتے تو قاسم جیسے کو اس کام میں نہ شریک کرتے۔"

"جو دل چاہے کہئے...... اب تو جو ہونا تھا ہو ہی گیا۔ اگر صدانی قتل نہ کر دیا گیا ہوتا تو اس وقت ایک سونے کی چڑیا میری مٹھی میں ہوتی۔"

"تمہیں اب بھی اپنے فعل پر ندامت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"قطعی نہیں...... آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری پوری زندگی سے واقف ہیں۔ کیا لوگوں نے قانون ہی کی مدد سے مجھے نہیں کچلا ہے۔ کیا اخلاقیات کے مقدس ہاتھ گردن تک نہیں پہنچے۔ میری نظروں میں ان دونوں کے لئے کوئی احترام نہیں۔ میں خود اپنا

قانون ہوں۔"

"تمہیں فی الحال ایک گلاس ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔" اچانک برآمدے سے آواز آئی۔

یہ سرجنٹ حمید تھا اور اس کے ساتھ ایک بکرا بھی تھا جس کے سر پر ایک پرانی فلٹ ہیٹ اور گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی۔

"تم اس وقت بالکل سہراب مودی کی طرح ڈائیلاگ بول رہے تھے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا پھر بکرے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "برخوردار بغرا خاں پہلے بھی تمہاری تعریف سن چکا ہے۔"

"کوئی خبر......!" فریدی اس کی بکواس کو نظر انداز کر کے بولا۔

"لورین بڑی پیاری لڑکی ہے۔"

"کیوں......؟" فریدی انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ حمید کوئی بہت اہم خبر لے کر آئے گا۔"

"لیکن یہ کیا فرماتے ہیں درباب اپنی موٹر سائیکل کے۔" حمید نے چہک کر کہا۔

"ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کچھ اور سوچ رہے ہیں۔"

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

"لاش ملنے کے بعد سے نئی دوڑ دھوپ شروع ہو گئی ہے اور اب انہیں اس دیو ہیکل آدمی کی تلاش ہے جو کلب میں صدانی کو گھور رہا تھا۔ منیجر سے ایک نئی بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ ساڑھے نو بجے صدانی کے لئے کسی کی فون کال آئی تھی اور صدانی نے کال ریسیو کرنے کے بعد منیجر سے کہا تھا کہ ایک قہقہہ لگا کر کسی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔"

فریدی نے سوالیہ انداز میں انور کی طرف دیکھا اور انور اثبات میں سر ہلا کر اپنی جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

"کیا مطلب......!" حمید باری باری سے دونوں کو گھورتا ہوا بولا۔

"میں اب چلوں گا۔" انور اٹھتے ہوئے بولا۔ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ حمید بھی چپ چاپ اسے جاتے دیکھتا رہا۔

"یہ کس لئے آیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ...... اس گدھے نے ایک حماقت کی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر اس
واقعات دہرا دیئے جو انور سے سنے تھے۔

"قاسم......!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مجھے حیرت ہے...... مگر نہیں چونکہ انور نے
رشیدہ کے ذریعہ بھجوایا تھا اس لئے اس کا پھنس جانا ناممکنات میں سے بھی نہیں۔"

"اب سوال یہ ہے کہ قاسم اپنی زبان بند بھی رکھے گا یا نہیں۔"

"اگر رکھتا بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔" حمید نے کہا۔ "وہ دوکاندار......!"

"اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں...... وہ ہرگز یہ نہ کہے گا کہ اس کی دوکان آ
بجے بند ہوگئی تھی۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ انور کا ہاتھ اس قتل میں بھی ہے تو میں اس کی ضر
نہ سمجھتا۔"

"بہر حال وہ صمدانی کو دھوکہ دینے جارہا تھا۔"

"لیکن اس کی اتنی زیادہ سزا بھی نہ ہونی چاہئے کہ اس پر قتل کا الزام عائد کر دیا جا
اصل مجرم تو پولیس کے ہاتھ لگنے سے رہے۔ وہ مجرم جس میں مزاح کی حس بھی ہو انتہائی ذہ
خطرناک ہوتے ہیں۔ مقتول کی کار میں گدھا ٹھونسنا ان کے اطمینان اور دیدہ دلیری کی دلیل ہے۔

"پھر آپ کیا کریں گے؟"

"قاسم کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ احمق بھی مفت ہی ما
جائے گا۔"

"اسے ٹھیک کر لوں گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن انور کو بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی ہی چاہئے۔"

"اس پر پھر غور کریں گے۔"

"اچھا تو میں چلا...... قاسم کو سیدھا کرنے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"کیا کرو گے؟"

"کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا...... ہاں...... وہ لڑکی لورین...... صمدانی کی پرائ

یکریٹری...... مجھے اس پر شبہ ہے۔"

"کس بات کا۔"

"قتل میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ یا پھر وہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہے۔"

"وہ کس طرح...... بیٹھ جاؤ۔"

"گفتگو کے دوران میں اس نے کئی غلط بیانیاں کیں۔ ظاہر ہے کہ وہ صمدانی کی پرائیویٹ
سکریٹری تھی لہٰذا اسے جتنا دخل صمدانی کے مزاج میں رہا ہوگا کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس
سے پوچھا تھا کہ کیا اس دوران میں صمدانی کچھ پریشان نظر آتا تھا۔ اس نے اس کا جواب نفی
میں دیا۔ حالانکہ کئی نوکروں کی زبانی میں یہ سن چکا تھا کہ صمدانی دو تین دن سے بہت زیادہ
پریشان تھا۔ اکثر راتوں کو اٹھ کر ٹہلتا تھا۔ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ سوتے وقت اپنے کمروں کی
کھڑکیاں خود ہی بند کرتا تھا...... اگر وہ بند ہوتی تھیں تو سونے سے قبل ایک بار اُن کے بولٹ
ضرور ٹٹول لیتا تھا۔"

"تو تم اس لڑکی کے پیچھے پڑنے کے لئے زبردستی کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈ رہے ہو۔"
فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں وہ انڈے دیتی ہے نا......!" حمید جھنجھلا گیا۔

"اس کے ورثاء کے متعلق کیا معلومات حاصل کیں۔"

"لاوارث...... یعنی کوئی اولاد نہیں...... پتہ نہیں یہ سالے زیادہ تر لاولد کیوں ہوتے
ہیں۔ بیوی عرصہ ہوا مر چکی۔ ایک بھتیجا ہے...... وہ خود بھی بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"کون......؟"

"سجاد صمدانی...... اور وہ تین سال سے یورپ میں ہے۔ یہاں اس کی کافی بڑی تجارت
ہے جسے اس کے منیجر کنٹرول کرتے ہیں۔"

"تو بس وہی ایک بھتیجا ہے۔"

"جی ہاں...... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ قاتل نہ ہوگا۔"

"میں فی الحال تمہارا خیال نہیں دریافت کر رہا ہوں......اور کوئی خبر۔"

"برخوردار بغرا خاں آج کچھ سست ہے۔" حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اسے یہاں سے ہٹا لے جاؤ ورنہ میں تمہیں پیٹوں گا۔"

"چلا جائے گا جناب......کیا آپ نے اسے یتیم سمجھ لیا ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ و
سے جلد قاسم کے پاس پہنچ کر اس کی مرمت کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ اس وقت نوکر نے ڈی۔ایس۔پی سٹی
کی اطلاع دی اور اس کی آمد دلچسپی سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حمید نے فی الحا
جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آج کل اس سے فریدی کے
تعلقات ہیں۔ کبھی ان دونوں میں کھٹک جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کی راہ میں رو
اٹکانے لگتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں شانہ بشانہ کام کرتے نظر آتے تھے۔

فریدی نے ڈرائنگ روم میں ڈی۔ایس۔پی کا استقبال کیا۔

ڈی۔ایس۔پی کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور وہ تنہا ہی تھا۔

"اس کیس نے تو چکرا کر رکھ دیا ہے۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

"بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور آپ خلاف معمول بہت زیادہ خاموش نظر آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس
میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے......بعض سیدھے سادے معاملات کی تہہ تک پہنچ
دشوار معلوم ہونے لگتا ہے۔"

"گھما پھرا کر سوچنے کی عادت ہی بُری ہوتی ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

حمید مسکرانے لگا۔ وہ اس کی گفتگو کا مقصد اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس طرح ڈی۔ایس
فریدی سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اس جملے کا کوئی جواب نہ دیا۔

"سگار......!" وہ ڈی۔ایس۔پی کی طرف سگار بڑھاتا ہوا بولا۔

ڈی۔ایس۔پی نے سگار لے کر سلگایا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

"لیکن اس کرائم رپورٹر کی موٹر سائیکل مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ وہ کوئی نیک
نام آدمی نہیں۔"

"الجھن میں ڈالنے کے لئے صرف موٹر سائیکل ہی نہیں ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔
"اس گدھے کے متعلق آپ کیا کہیں گے اور وہ لاش جو سمر ہاؤز میں پائی گئی۔ میں یہ پہلے ہی
ثابت کر چکا ہوں کہ قتل سمر ہاؤز میں نہیں ہوا تھا۔"

"ٹھیک ہے پورا کیس ہی الجھا ہوا ہے۔ صمدانی کی کار میں بھی دو ایک جگہ خون کے دھبے
ملے ہیں جن پر شاید مجرموں کی نظر نہیں پڑی تھی......حالانکہ انہوں نے حتی الامکان صفائی
کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن موٹر سائیکل کا معاملہ......بھئی وہ دوکان جہاں اس نے موٹر
سائیکل کھڑی کی تھی نہ صرف کلب سے دور ہے بلکہ ایک دوسری سڑک کے موڑ پر واقع ہے۔"

"میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سی کہا۔ "لیکن آپ کو یہ تسلیم ہے
کہ مجرموں نے کیس کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی ہے۔"

"قطعی......!"

"تو پھر وہ موٹر سائیکل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ انور کوئی گمنام آدمی
نہیں، اور بہتیرے آدمیوں کو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ وہ اکثر پولیس سے الجھتا رہتا ہے ہو سکتا
ہے کہ مجرموں نے اسی سے فائدہ اٹھا کر اسے پھنسانے کی کوشش کی ہو۔ ورنہ موٹر سائیکل لے
بھاگنے کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ جبکہ مجرموں کے پاس ایک کار اور بھی تھی۔ کار نہیں بلکہ
ٹرک کہئے۔"

"کیوں......ٹرک کیوں......؟"

"اوہو......تو کیا آپ نے سمر ہاؤز کے سامنے دوہرے پہیوں کے نشانات نہیں دیکھے۔
دوہرے پہیے صرف ٹرک یا بس میں لگائے جاتے ہیں۔ کار میں نہیں......وہ غالباً اسی ٹرک پر
لاش وہاں لے گئے تھے۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجرم گاڑیوں کی چوری اسی وقت کرتے

ہیں جب ان کے پاس کوئی گاڑی نہ ہو۔ ورنہ وہ اس قسم کا خطرہ نہیں مول لیتے۔ خصوصاً معاملہ قتل کا ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ حرکت انور کو پھنسانے ہی کے لئے کی گئی تھی۔''

''اچھا اگر میں صاف صاف یہ کہوں کہ انور بھی اس جرم میں شریک ہے تو۔'' ڈی۔ایس۔پی بولا۔

''میں اسے ہرگز نہ تسلیم کروں گا۔''

''انور آپ کا دوست ہے نا...... اور شائد وہ خود کو آپ کا شاگرد بھی کہتا ہے۔''

''دلیل! ڈی۔ایس۔پی صاحب۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں کوئی بات بغیر دلیل کہتا۔ کیا آپ انور کو احمق سمجھتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں...... وہ شیطان کا بھی چچا ہے۔''

''یعنی کافی ذہین ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''کیا کوئی ذہین آدمی...... آدمی نہیں صاف صاف مجرم کہیے...... کیا کوئی ذہین مجرم کسی ایسی جگہ کوئی اس قسم کا سراغ چھوڑ سکتا جس سے اس کی گردن پھنس جائے۔''

''جلد بازی اور گھبراہٹ میں ایسا ممکن ہے۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ ''کیا اسے آپ جلد بازی کہیں گے۔ صمدانی کو میں قتل کیا گیا پھر سیٹ پر سے خون کے دھبے مٹائے گئے۔ لاش ایک ٹرک میں لادی گئی۔ کار میں گدھا ٹھونسا گیا۔ کون اسے جلدی اور گھبراہٹ کا کام کہے گا۔ پھر پولیس کو اطلاع ہے دوسرے دن صبح۔ کیا رات بھر میں موٹر سائیکل وہاں سے ہٹائی نہیں جاسکتی تھی۔''

ڈی۔ایس۔پی ایک گہری سانس لے کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے چہرے تھکن کے آثار اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔

حمید فریدی کی ذہانت پر عش عش کر رہا تھا کہ اس نے کتنی صفائی سے انور کو اس معا- سے الگ کر دیا۔

''میں تو محض......'' ڈی۔ایس۔پی تھوڑی دیر بعد پھیکی مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ ''اس معا آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ انور اتنا احمق نہیں ہو سکتا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر نظریں جمائے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

''میں صمدانی کے ورثاء کے متعلق چھان بین کر رہا ہوں۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''شائد اس کے ایک بھتیجا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں سجاد صمدانی...... اس کا بھی کافی بڑا کاروبار ہے۔ لیکن وہ تین سال سے نہیں ...... اور نہ اس کے کسی آدمی سے اس کی ملاقات ہوئی۔''

''ملاقات سے کیا مراد ہے۔'' فریدی نے فرش سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

''پچھلے سال اس کا جنرل منیجر انگلینڈ گیا تھا۔ اسے ایک ضروری مشورہ لینا تھا۔ جب وہ گلینڈ پہنچا تو اسے سجاد صمدانی کا ایک تار ملا جو فرانس سے آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ بعض مشغولیات کی بناء پر انگلینڈ نہیں پہنچ سکتا۔ جنرل منیجر پیرس پہنچا لیکن وہاں بھی اسے ایک تار ملا جرمنی سے بھیجا گیا تھا اور اس میں تحریر تھا کہ سجاد ایک ضروری کام کے سلسلے میں جرمنی چلا گیا ہے۔ اس طرح ان دونوں کی ملاقات نہ ہو سکی اور وہ معاملہ خط و کتابت ہی کے ذریعہ طے ہو گیا تھا اس نے جنرل منیجر کو مختار کل بنا رکھا ہے اور وہی اس کی طرف سے سارے کام انجام دیتا ہے۔''

''یہ اطلاع دلچسپ ہے۔'' فریدی ڈی۔ایس۔پی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں......؟''

''کیا آپ کو یہ بات دلچسپ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کے کسی آدمی نے اسے تین سال سے نہیں دیکھا۔''

''ہے تو...... لیکن اس کیس سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔''

''ابھی اتنی جلدی تعلق کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''صمدانی کی مالی پوزیشن کیا تھی۔''

''کروڑوں کا بینک بیلنس...... کروڑوں تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور وہ جنوبی حصے کی

ایک سونے کی کان کا مالک تھا۔"

"خوب.....تو اب یہ سجاد صمدانی کا سب کچھ ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ سب معاملات بھی جنرل منیجر ہی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں یا وہ خود آتا ہے۔"

"لیکن اس سے ہماری تفتیش پر کیا اثر پڑے گا۔"

"یہ بھی بعد کی چیز ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے اس قتل کا مقصد کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔"

"کیا آپ سجاد پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"لیکن وہ تو تین سال سے انگلینڈ میں ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا.....لیکن آپ کو ماننا پڑے گا کہ قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔"

"مگر یہ تو سیدھی سی بات ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔ "اور میں آپ سے گھماؤ پھراؤ کی توقع رکھتا ہوں۔"

"کون جانتا ہے کہ اس میں گھماؤ پھراؤ نہ ہوگا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

پراسرار مسٹر براؤن

دوسرے دن سہ پہر کو صمدانی کی پرائیویٹ سیکریٹری لورین آفس سے باہر نکلی۔ چند لمحے کھڑی ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اس نے دروازہ بند کر کے اسے باہر سے مقفل کیا۔ ایک بار پھر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے تو اس نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا اور پھر آفس کے اندر داخل ہوئی اور دروازے کو مقفل کر کے چند لمحے کھڑی رہی۔

آفس میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ ایک کافی کشادہ کمرہ تھا اور یہاں کئی بڑی بڑی میزیں تھیں جن پر فائیلوں کے ڈھیر تھے۔ عمارت میں یہی ایک ایسا کمرہ تھا جسے پولیس نے مقفل نہیں کیا تھا۔ اسے اس لئے مقفل نہیں کیا تھا کہ پولیس صمدانی کے کاغذات کی چھان بین کر رہی تھی اور کچھ ہی دیر قبل کچھ آفیسر یہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ ابھی کاغذات کی بہتیری الماریاں ایسی باقی تھیں جنہیں کھولا بھی نہیں گیا تھا۔ یہ صمدانی کا نجی آفس تھا اور یہاں پرانے ریکارڈ بھی رکھے جاتے تھے۔

لورین نے دروازے پر سیاہ پردے کھینچ دیئے۔ پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھی جہاں ایک چھوٹی سی گول میز رکھی تھی۔ شائد ہی آج تک کسی کو اس گول میز کی اصل حقیقت معلوم کرنے کا خیال آیا ہو۔ اور آتا بھی کیسے..... کیونکہ وہ بظاہر اخروٹ کی لکڑی کی ایک معمولی سی گول میز تھی۔ کسی کو کیا معلوم کہ اس کا اوپری تختہ اتنا موٹا کیوں ہے اور وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتی۔

لورین نے زمین پر بیٹھ کر اوپری تختے کو نیچے سے ٹٹولا۔ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک پتلی سی تختی باہر نکل پڑی۔ پھر لورین نے تختی کی چھوڑی ہوئی جگہ میں ہاتھ ڈال کر بجلی کا ایک پلگ نکالا جس کے سرے سے تار منسلک تھا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس پلگ کو دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ میں لگا رہی تھی۔ پلگ لگتے ہی کھٹاکے کے ساتھ قریب ہی کی بڑی میز کے نیچے کا فرش ایک طرف کھسک گیا۔

لورین نے اپنے بیگ سے ٹارچ نکالی اور تہہ خانے میں اتر گئی۔ نیچے تک پہنچنے کے لئے اسے دس سیڑھیاں طے کرنی پڑیں۔

یہ جگہ بھی اوپری کمرے ہی کی طرح کشادہ تھی اور یہاں صرف ایک بڑی آہنی الماری رکھی ہوئی تھی۔ لورین بے تابی سے آگے بڑھی۔ الماری میں کوئی قفل نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی وہ بند تھی۔ لورین نے ہینڈل پر اپنی قوت صرف کر دی لیکن اس کا دروازہ ہلا تک نہیں۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چاروں طرف سے الماری کا جائزہ لیتی رہی۔ لیکن اسے کہیں کوئی ایسی

چیز نہ دکھائی دی جسے وہ الماری کھولنے اور بند کرنے کا ذریعہ سمجھ سکتی۔ آخر وہ تھک ہار کر واپس آ گئی۔

سوئچ بورڈ سے پلگ ہٹاتے ہی فرش پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

چھ سات منٹ بعد وہ آفس سے نکلی...... باہر اب بھی سناٹا تھا۔ قرب وجوار ایک متنفس بھی دکھائی نہیں دیا۔

پھر اس نے گیراج سے ایک چھوٹی سی کار نکالی۔

تار گھر کے قریب اس نے کار روک دی۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے ایک فارم طلب کیا اور پھر اس پر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگی۔ بیگ سے ٹکٹ نکال کر فارم پر چسپاں کئے اور اسے کلرک کے حوالے کر کے رسید کا انتظار کرتی رہی۔

پھر جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلی...... دوسرے دروازے سے فریدی اندر آیا...... اس نے رک کر اس کھڑکی کی طرف دیکھا جس پر لورین نے تار دیا تھا...... پھر وہ پوسٹ ماسٹر کے کمرے کی طرف گیا۔

اس نے اپنا کارڈ پوسٹ ماسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی تکلیف دوں گا۔''

''فرمایئے......!'' پوسٹ ماسٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

''کھڑکی نمبر تین پر ابھی ایک لڑکی نے تار دیا ہے...... میں ذرا وہ فارم دیکھنا چاہتا ہوں۔''

پوسٹ ماسٹر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر چپڑاسی کے لئے گھنٹی بجائی۔

تھوڑی دیر بعد لورین کا لکھا ہوا فارم فریدی کے سامنے تھا۔

تار کا مضمون تھا۔

''میں وہاں تک پہنچ گئی...... لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی...... کسی ایکسپرٹ مکینک کو بھیجو......! کرچیانا۔''

تار بھیجنے والے کا پتہ بھی خلاف توقع ہی نکلا۔ لورین صمدانی کی کوٹھی کے ایک حصے میں رہتی تھی لیکن فارم پر تار بھیجنے والے کا پتہ وہاں کا نہیں تھا۔

نمبر 13

فریدی نے اپنی نوٹ بک نکال کر دونوں پتے تحریر کئے۔

تار رام گڑھ میں کسی مسٹر براؤن کو بھیجا گیا تھا جو شیزان ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۸ میں مقیم تھا۔

''اس تار کو کم از کم چھ گھنٹے کے لئے روک لیا جائے۔'' فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔

''مجھے افسوس ہے مسٹر فریدی...... یہ صرف پوسٹ ماسٹر جنرل کے حکم سے ہی ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر مجھے فون کرنے کی اجازت دی جائے۔''

''شوق سے......!''

فریدی نے ریسیور اٹھا کر اپنے آئی۔ جی کے نمبر ڈائیل کئے اور اس سے تار رکوانے سے گفتگو کرتا رہا...... پھر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''میں پوسٹ ماسٹر جنرل کو اپروچ کر رہا ہوں۔'' فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔

''بہتر ہے۔'' پوسٹ ماسٹر نے کہا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

شاید دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ پوسٹ ماسٹر ریسیور اٹھا کر سنتا رہا۔ پھر اس نے رکھ کر ایک طویل سانس لی اور فریدی سے بولا۔ ''بہت اچھا جناب...... لیکن آپ مجھے م کی ایک تحریر دے دیجئے کہ آپ اسے چھ گھنٹے کے لئے رکوا رہے ہیں۔''

فریدی تحریر دے کر باہر آ گیا۔ برآمدے میں اس نے پبلک فون کا ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو...... آپریٹر...... لانگ ڈسٹنس پلیز...... رام گڑھ......!''

وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا پھر بولا۔ ''رام گڑھ...... انٹیلی جنس بیورو پلیز...... اوہ پلیز ت میجر نصرت...... ہیلو میجر نصرت...... میں احمد کمال فریدی بول رہا ہوں۔ تھوڑی سی ف دوں گا...... ایک آدمی کے متعلق معلومات درکار ہیں...... نام مسٹر براؤن...... سکونت نمبر اٹھائیس شیزان ہوٹل...... میں اس کی نگرانی بھی چاہتا ہوں...... مجھے گھر ہی پر فون گا...... مگر نہیں آفس کے نمبر پر۔''

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''تاکہ آپ کال کے پیسے محکمے سے وصول کر سکیں۔ اچھا بہت شکریہ۔''

اس نے ریسیور رکھ کر کال کی قیمت ادا کی۔

سرجنٹ حمید تار گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جیسے ہی اس نے لورین کو باہر آتے دیکھا
طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ لورین نے کار اسٹارٹ کرنی چاہی لیکن انجن بھر بھرا کر
حمید وہاں اس کی پریشانی دیکھنے کے لئے ٹھہر نہ سکا۔ یہ حرکت اسی کی تھی۔ فریدی نے
کہا تھا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ لورین سے بھی انتظار کرایا
جب تک وہ کار سنبھالے گی فریدی خود بھی باہر آ جائے گا۔ وہ اسے کار کے انجن میں الجھا
چھوڑ کر تار گھر میں چلا گیا۔

حمید پچھلی رات سے شرارتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے قاسم کی تو وہ گت بنائی تھی کہ
پناہ۔ اس نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے قتل کی سازش میں پھنسوا دے گا۔ قاسم کے ہا
پھول گئے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ حمید نے اُسے مرغا بنا دیا اور جب وہ مرغا بنا ہوا
بولی بول رہا تھا تو حمید نے چپکے سے اس کی بیوی کو بلا لیا...... پھر جو اس کی بیوی پر نظ
پڑا ہے تو قاسم اسی وقت پھانسی پا جانے پر آمادہ نظر آنے لگا اور بدقت تمام حمید اسے اس
سے باز رکھ سکا۔

فریدی باہر جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کی نظر حمید پر پڑی جو برآمدے میں
جگہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"میں اتنا بے درد نہیں ہوں کہ کسی عورت کو پریشان دیکھ سکوں۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔"

"آپ خود چل کر دیکھ لیجئے...... اس کی کار میں کچھ گھٹالا ہو گیا ہے۔"

"خیر میں دیکھ لوں گا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم آفس کے آپریشن روم
جا کر میری ایک کال کا انتظار کرنا۔"

"دیکھئے...... مجھ سے اس قسم کے مکھی مار کام نہ لیا کیجئے۔"

"جاؤ بکواس نہیں۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا...... پھر بُرا سا منہ بنائے ہوئے چلا گیا۔

فریدی باہر آیا...... لورین ابھی تک انجن پر جھکی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی وہ سر اٹھا کر بے بسی
سے ادھر اُدھر دیکھنے لگتی تھی۔ فریدی چپ چاپ جا کر اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔ اُسے شاید
لورین کی روانگی کا انتظار تھا۔

آخر کار کچھ دیر بعد ایک ٹیکسی ڈرائیور نے لورین کی مدد کی۔ انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

لورین کی کار تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ فریدی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر
بعد فریدی نے محسوس کیا کہ لورین یونہی ادھر اُدھر چکر لگا رہی ہے۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے اپنی
کار ہوٹل ڈی فرانس کے سامنے روک دی۔

جب وہ اندر چلی گئی تو فریدی بھی کیڈی لاک سے اُترا۔

لورین ایک کیبن میں بیٹھ چکی تھی۔ فریدی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھلے ہال میں
بیٹھ گیا۔

لورین نے کھانا منگوایا اور فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔

لورین ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ ویٹر نے اسے ایک لفافہ لا کر دیا اس نے
جلدی سے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر پڑھنے لگی۔ فریدی نے محسوس کیا جیسے کھانے میں اب وہ
دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔ اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور لفافے کو اپنے بیگ میں ٹھونستے
ہوئے ویٹر سے بل کا تقاضہ کیا۔ پھر شائد پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

فریدی پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لورین کی کار ایک اونچی سی بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔

فریدی کو فوراً یاد آ گیا کہ اس نے تار کے فارم پر اپنے پتہ میں اسی بلڈنگ کا نام لکھا تھا۔

لورین کار سے اُتر کر اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگی۔ فریدی اطمینان سے
کیڈی میں بیٹھا رہا۔ تار والے پتے کے فلیٹ کا نمبر اس کی نوٹ بک میں موجود تھا اور پھر اسے

اطمینان تھا کہ لورین ابھی پھر واپس آئے گی کیونکہ جہاں اس نے اپنی کار چھوڑی
درحقیقت کار پارک کرنے کی جگہ نہیں تھی اور کسی وقت بھی ٹریفک پولیس کا آدمی کار کے
سے باز پرس کرسکتا تھا۔

فریدی انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس دوران میں ایک کانسٹیبل نے لور
کار کا ہارن بجایا۔ پھر وہ فریدی کی کار کی طرف پلٹا۔

''آپ جانتے ہیں کہ یہاں کار پارک کرنا منع ہے۔'' اس نے فریدی سے کہا۔ جو
میں تھا۔

''جانتا ہوں دوست......!'' فریدی باہر نکلتا ہوا بولا۔ کانسٹیبل چونک کر پیچھے ہٹ گ
اس نے گڑبڑا کر فریدی کو سلیوٹ کیا۔ شاید وہ اسے پہچانتا تھا۔

''میں اوپر جا رہا ہوں......'' فریدی نے عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اگر
پانچ منٹ سے زیادہ لگیں تو تم فلیٹ نمبر چھیالیس میں آسکتے ہو...... دونوں گاڑیوں کو
رہنے دینا...... سمجھے۔''

پھر وہ اسے متحیر چھوڑ کر زینوں کی طرف بڑھا۔

تیسری منزل کی راہداری تاریک تھی۔ حالانکہ ابھی صرف نو ہی بجے تھے لیکن کسی فل
کے دروازے یا کھڑکی میں روشنی نہیں آرہی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ پھر وہ چھیالیسو
فلیٹ کے دروازے پر رک گیا۔ دروازے کے شیشوں میں روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔

فریدی نے آہستہ سے دستک دی۔ جواب ندارد...... تین بار دستک دینے کے بعد
نے آخر کار ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا...... لیکن فوراً ہی ٹارچ نہیں روشن کی...... کمرے
اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔

اس نے ٹارچ روشن کی اور جہاں تھا وہیں جم گیا۔ روشنی کا دائرہ فرش پر پڑی ہوئی لورین
لاش پر تھم گیا...... فرش پر تازہ خون پھیلا ہوا تھا اور لڑکی کی آنتیں پیٹ کے باہر نکل آئی تھیں۔

فریدی نے سوئچ بورڈ تلاش کر کے روشنی کی۔

فلیٹ میں تین کمرے تھے لیکن کہیں بھی اسے اس قسم کے کوئی نشانات نہ ملے جن سے
کسی دوسرے آدمی کی موجودگی ثابت ہوتی۔

اتنے میں پولیس مین بھی فریدی کی ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ اگر فریدی اسے
ہارانہ دیتا تو وہ چکرا کر گر ہی پڑتا۔

''جاؤ...... جلدی......!'' فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''کوتوالی فون کر دو...... کہہ دینا
نا یہاں موجود ہوں۔''

کانسٹیبل لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے واپس گیا۔

اب پھر فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ قریب ہی لورین کا بیگ کھلا ہوا پڑا تھا اور ایک
دال جس پر خون کا دھبہ تھا فریدی نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ رومال لورین ہی کا تھا کیونکہ
یدی نے اسے ہوٹل میں اس سے پسینہ خشک کرتے دیکھا تھا اور شاید قاتل نے اس سے چھرا
اف کیا تھا۔

فریدی نے قاتل کے لئے بھاگ دوڑ بے کار سمجھی کیونکہ یہاں آتے وقت ہی اس نے
ہں کیا تھا کہ دوسری طرف بھی زینے موجود ہیں جو عمارت کی پشت کی طرف جاتے ہیں۔
ار کے لئے قاتل کو کافی وقت ملا ہوگا...... اور اس نے پچھلے ہی زینے استعمال کئے ہوں گے۔

فریدی نے اس کا ہینڈ بیگ فرش پر الٹ دیا۔ اس میں صرف آرائشی مصنوعات تھیں......
رایک لفافہ۔ غالباً یہ وہی لفافہ تھا جو ہوٹل ڈی فرانس کے ایک ویٹر نے لورین کو دیا تھا۔

فریدی نے مضطربانہ انداز میں اس کے اندر رکھا ہوا خط کھینچ لیا جس پر تحریر تھا۔

''ایک جاسوس تمہارا پیچھا کر رہا تھا...... تم فوراً تھارن ہل بلڈنگ پہنچو۔''

ساری حقیقت فریدی پر روشن ہوگئی۔ مجرم انتہائی ہوشیار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی
شتبہ آدمی زندہ رہے۔ انہوں نے اس بہانے سے لڑکی کو یہاں بلا کر ختم کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی اور پوری عمارت کا محاصرہ کرلیا گیا۔ حالانکہ یہ فضول سی
کاروائی تھی۔ لیکن روزنامچے کی خانہ پری کے لئے نہایت ہی اہم۔

واپسی میں فریدی نے پچھلے زینے استعمال کیے۔ اس کی ٹارچ روشن تھی اور وہ خیالا
میں ڈوبا ہوا آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔ اچانک وہ رک گیا۔ ٹارچ کی روشنی ایک م
تڑے کاغذ پر پڑ رہی تھی جس پر خون کے دھبے تھے۔ فریدی نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔ خون
دھبوں کے علاوہ اس پر کچھ نشانات تھے جو پنسل سے بنائے گئے تھے۔ ایک گول نشان پر لکھا
تھا۔ "گول میز" اور اس پر تھوڑے فاصلے پر "سوئچ بورڈ" تحریر تھا۔ پھر ایک چوکور نشان پر "
میز" لکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا جیب میں ڈال لیا اس پر خون میں ڈوبی ہوئی انگل
کے نشانات بالکل صاف تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل ڈی فرانس پہنچ گیا۔ اس ویٹر کو تلاش کرنے میں دشواری نہ
ہوئی جس نے لورین کو خط دیا تھا۔ لیکن فریدی کو اس سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ ز
کارآمد نہیں تھیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خط اسے ایک انگریز نے دیا تھا اور اتنے سے کام
اجرت میں اس نے پانچ روپے وصول کیے تھے۔ ویٹر انگریز کا حلیہ نہیں بتا سکا اور اس نے یہ
بتایا تھا کہ وہ انگریز کم از کم روزانہ کے گاہکوں میں سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔

آج شاید ناکامیوں کا دن تھا۔ گھر پہنچ کر فریدی نے حمید کو اپنا منتظر پایا اور اس نے
اطلاع دی وہ حیرت انگیز بھی تھی اور مایوس کن بھی۔

"میجر نصرت کا پیغام ہے۔" حمید نے کہا۔ "تیزان ہوٹل کا کمرہ نمبر اٹھائیس پچھلے
سے خالی ہے اور مسٹر براؤن نام کا کوئی آدمی وہاں کبھی تھا ہی نہیں۔"

گول میز

دوسرے دن فریدی اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ صمدانی کے نجی دفتر
کاغذات کا جائزہ لے رہے تھے اور پچھلی رات والا قتل موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔

"اس بیچاری نے ہماری بڑی مدد کی تھی۔" ایک آفیسر نے کہا اور پھر وہ اس بیچاری
کی اس بیچاری
کے حسن پر اتر آئے۔

"اس قتل کا تصور ہی بڑا بھیانک ہے۔" دوسرے نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔
"آنتیں باہر نکل پڑی تھیں...... آپ کے رونگٹے تو کھڑے ہو گئے ہوں گے فریدی صاحب۔"

"اگر میرے جسم پر کھڑے ہو جانے والے رونگٹے ہوتے تو میں کسی یونیورسٹی میں لٹریچر کا
ہوتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میر و غالب یا کیٹس اور ورڈسورتھ میں سر مارتا۔"

پھر فریدی کے کارناموں کے متعلق باتیں چھڑ گئیں۔

"بھئی وہ جیرالڈ شاستری[1] والے بن مانس آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکے۔" ایک
دوران گفتگو میں بولا۔

"وہ کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آئے۔" فریدی نے کہا۔ "بہتیرے تو ان کی پیدائش کے
کو ہی غیب سمجھتے ہیں۔ کئی اخبارات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ یہ فریدی کا نیا شگوفہ ہے۔
کے ذریعے وہ سائنسدانوں میں سنسنی پھیلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بہت ہی معمولی سی
ا۔"

"میں مانتا ہوں کہ مشینوں کے ذریعے معجزے عمل میں آتے ہیں۔" آفیسر بولا۔ "لیکن
چھوٹے سے بندر کا منٹوں میں ایک گرانڈیل بن مانس کی شکل میں تبدیل ہو جانا سمجھ میں
والی بات نہیں۔"

"معجزے سمجھ میں آ جائیں تو انہیں معجزے کون کہے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"میں تو غیب ہی سمجھوں گا...... آدمی کے ننھے سے بچے کو بڑھنے کے لئے بیس سال درکار
تے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "پانی کو جمنے کے لئے سطح سمندر سے ایک مخصوص
درکار ہوتی ہے۔ خط استواء سے ایک مخصوص فاصلہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہاں مئی
کی شدید گرمی میں برف استعمال کرتے ہیں۔ کیا وہ برف ہمالیہ کی چوٹی سے حاصل کی جاتی

[1] "جنگل کی آگ" جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

ہے یا ٹنڈرا کے میدانوں سے؟ کیا برف جمانے والی مشین منٹوں میں پانی کو نقطہ انجماد پر پہنچا دیتی۔"

"لیکن کوئی مشین پانی کے بغیر برف نہیں مہیا کرسکتی۔" آفیسر بولا۔

"ٹھیک ہے...... لیکن شاید آپ یہ بھول گئے کہ جیرالڈ کی مشینوں کے ذریعے دوآدمیوں کے جسم اس بندر کے جزو بدن ہوتے تھے تب وہ ایک بن مانس کی شکل اختیار کرتا تھا۔"

"تب تو اس طرح آدمی کا بچہ بھی منٹوں میں جوان ہوسکتا ہے۔"

"قطعی ہوسکتا ہے لیکن ذہنی حالت بچوں کی سی ہوگی۔ کیونکہ ذہنی نشوونما کا تعلق تجر سے ہے۔ اس کے لئے کم از کم بیس ہی سال درکار ہوں گے۔ خیر اسے چھوڑیئے یہ ایک ا بحث ہے۔ آپ کو بندروں کے بڑھنے پر اعتراض ہے۔ اچھا یہ بتائیے کہ آدمی کا بچہ بیس میں کیسے بڑھتا ہے۔"

"اللہ کی مرضی! ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ اس ایک زوردار قہقہہ پڑا، لیکن جلد ہی ماحول نے پھر سنجیدگی اختیار کرلی۔

"اس میں قوت نما ہوتی ہے۔" اس آفیسر نے کہا جس نے بحث چھیڑی تھی۔

"قوت نما کیا چیز ہوتی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بھئی میں نے زیادہ سائنس نہیں پڑھی۔" آفیسر بولا۔

"قوت نما دراصل حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کی صلاحیت کو کہتے ہیں اور یہ صلا انہیں غذا اور بعض دوسرے خارجی اسباب سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن غذا کو بھی ان پر اثر ا ہونے کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور اس میں عرصہ لگ جاتا ہے۔ بہرحال ریشے بیس سال تک بڑھتے رہتے ہیں اور اپنی حد کو پہنچ کر بڑھنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں بیس سال میں آدمی کا قد قریب قریب پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر بڑھنے کے امکانات نہ رہتے۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ کہ حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کا دارومدار غذا پر ہے۔ اب آئیے بندر کی طرف۔ اس کے حیاتیاتی ریشوں کو آدمیوں کے جسم سے مشین کے ذریعہ تیار شد

ذا ملتی ہے اور وہ سالہا سال کی نشوونما کے عمل کو ایک جست میں طے کرلیتا ہے۔"

"دیکھئے آپ نے بھی یہاں سے جست لگائی۔" آفیسر ہنس کر بولا۔ "بندر اور آدمی کی عیت میں فرق ہے۔ بھلا بندر کا جسمانی نظام آدمی کے جسم سے حاصل کی ہوئی غذا کیسے قبول کرلے گا۔"

"بالکل اسی طرح جناب جیسے آپ کا جسمانی نظام بندر کے غدود کا آپریشن قبول کرلیتا ہے۔"

"ہیئر ہیئر......!" ایک دوسرے آفیسر نے تالی بجا کر قہقہہ لگایا۔ "ختم کرو یار...... تم فریدی سے باتوں میں جیت نہیں سکتے۔ ہم جیسے مشغول آدمیوں کو اتنی فرصت کہاں کہ دنیا بھر کے مضامین چاٹتے پھریں۔"

"فرصت پیدا کی جاتی ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "آپ لوگوں کے تو صرف چند عدد بیوی بچے ہوں گے۔ میرے پاس ساٹھ کتے ہیں۔ ساڑھے تین سو کے قریب سانپ ہیں درجنوں پرندے ہیں۔"

"لیکن افسوس ایک بیوی نہیں پالی جاتی۔" حمید آہستہ سے بولا...... اور پھر سب ہنسنے لگے۔ فریدی کا قہقہہ سب پر حاوی تھا۔

"اچھا بس بس......!" ایک بوڑھا آفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہاں کئی کنوارے بھی ہیں...... انہیں بدظن نہ کرو۔"

"میں تو برباد ہو ہی چکا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

پھر سب ہنسنے لگے۔

"یار کام نپٹاؤ......!" بوڑھے نے کہا۔ "میں تو اس مکھی مار کام سے عاجز ہو چکا ہوں۔"

فریدی ایک دوسری الماری کھولنے کے لئے اٹھا اور جلدی میں اس کا پیر اس گول میز سے ٹکرایا جو ایک گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔ فریدی نے الماری میں کنجی لگائی اور اسے گھماتے گھماتے چونک کر رہ گیا۔ وہ حیرت سے اس گول میز کو دیکھ رہا تھا جو ٹھوکر لگنے کے باوجود بھی نہیں ہٹی تھی۔ اس نے اسے پھر ٹھوکر ماری لیکن اس میں جنبش بھی نہ ہوئی اور جب اس نے

اسے اٹھانا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے پائے زمین میں دفن ہیں۔

اب اس نے غور سے میز کو دیکھا۔ اس کا اوپری تختہ تناسب سے کہیں زیادہ موٹا تھا۔ اس نے تختے کے نیچے ہاتھ ڈالا...... اور اس کا ہاتھ کسی ابھری ہوئی چیز سے ٹکرایا ہی تھا کہ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک تار لگا ہوا پلگ فرش پر گر پڑا۔

''گول میز......!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ اُسے وہ کاغذ کا ٹکڑا یاد آ گیا جو اسے تھارن ہل بلڈنگ کے زینے پر ملا تھا۔ وہ تیزی سے اپنے ہینڈ بیگ کی طرف جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ انہوں نے دھیان نہ دیا۔

فریدی کی نظریں کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ اور نشانات پر جم گئی تھیں۔ ''گول میز'' ''سوئچ بورڈ'' ''چوتھی میز'' اس نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ وہ اس آفس کا نقشہ تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ پر نظریں جمادیں جو گول میز کے اوپر ہی دیوار سے لگا ہوا تھا۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور میز کے نیچے سے پلگ اٹھا کر سوئچ بورڈ میں لگا دیا۔ فوراً ہی ہلکی سی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور ایک قریبی میز پر بیٹھا ہوا آفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس میز کے نیچے ایک تاریک خلاء تھی۔

''یہ کیا ہوا......؟'' سب لوگ بیک وقت چیخے اور ان کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں جو سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے ساتھ نہ لیجئے ورنہ کام بڑھ جائے گا۔''

''آخر یہ ہے کیا......؟'' بوڑھے آفیسر نے پوچھا۔

فریدی نے جواب دینے کی بجائے سوئچ بورڈ سے پلگ نکال لیا اور میز کے نیچے کا فرش پھر برابر ہو گیا۔

''یہ غالباً کوئی میکانکی تہہ خانہ ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر پلگ لگا دیا...... تہہ خانے کا منہ دوبارہ ظاہر ہو گیا۔

پھر جس بے تابی سے وہ سب اس تہہ خانے میں اترے اس کا بیان محال ہے۔ انہیں صرف ایک آہنی الماری نظر آئی جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن فریدی کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں تھیں۔

''ارے یہ کیا......!'' ان میں سے ایک آفیسر الماری کی طرف جھپٹا اور پھر انہوں نے اسے الماری اور دیوار کے درمیانی رخنے سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھا۔

''میرے خدا......!'' اٹھانے والے کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک اینٹ تھی جس کا وزن ایک پونڈ سے کسی طرح کم نہ تھا۔

فریدی نے ایک گہری سانس لی...... دوسرے لوگ اینٹ پانے والے آفیسر کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ لیکن فریدی خالی الماری کا جائزہ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہوئے واپس آئے تو فریدی حمید کو لے کر باہر نکل گیا۔

''چوٹ ہو گئی بیٹے حمید۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

''کیوں......؟''

''وہ یہاں سے کافی دولت نکال لے گئے۔ اس الماری میں نہ جانے کتنی اینٹیں رہی ہوں گی۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''مجھے یقین ہے! لورین کے تار کا مضمون یاد کرو...... یہی تو تھا...... میں وہاں پہنچ گئی ہوں لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی کسی ایکسپرٹ کو بھیجو۔''

''تو اس سے کیا......؟''

''الماری کا میکنزم بڑا پیچیدہ ہے۔ وہ اُسے کھول نہ سکی ہوگی۔ لیکن بیچاری کو اس کا علم نہ

رہا ہوگا کہ خود اس کی حیثیت کیا ہے۔''

''لیکن آپ نے یک بیک تہہ خانہ کیسے دریافت کرلیا۔''

فریدی نے گول میز سے ٹھوکر لگنے کا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔''وہ خون آلود کاغذ کا ٹکڑا جو مجھے تھارن ہل بلڈنگ سے ملا تھا..... اس پر دراصل اسی تہہ خانے کا نقشہ تھا ہوسکتا ہے کہ یہ نقشہ خود لورین نے ہی تیار کیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ لورین ہی نے قاتل کو اس کے متعلق سمجھایا بھی ہو..... لیکن وہ اس معاملے میں صرف مسٹر براؤن ہی کو جوابدہ تھی..... جسے اس نے تار دیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قاتل براؤن ہی رہا ہو..... ورنہ وہ آسانی سے اسے نقشہ نہ دیتی۔''

''نہ دیتی..... کمال کرتے ہیں آپ بھی..... ارے اس نے اسے قتل کرنے کے بعد نقشہ حاصل کیا ہوگا۔''

''ناممکن.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔''نقشہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ قتل کرنے سے قبل۔ اور وہ اسے ہاتھ میں دبائے ہوئے زینے تک آیا اور پھر اُسے نقشہ یاد آ گیا اس نے اسے جیب میں رکھنا چاہا لیکن وہ بے خیالی میں گر گیا۔ وہ جلدی میں یہ سمجھا کہ نقشہ جیب میں چلا گیا ہے۔ اگر قتل کرنے کے بعد نقشہ اس کے ہاتھ لگتا تو وہ اُسے ہاتھ میں لئے ہوئے زینے تک نہ آتا..... شاید نقشہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہوتا۔ وہ نقشے کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا اسی لئے اُس نے اُسے اتنی لاپرواہی سے جیب میں ڈالا کہ اس کے گر جانے کی خبر تک نہ ہوئی..... نہیں فرزند..... وہ یقیناً براؤن ہی تھا..... اور چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ جس سے کام لیتا ہے اس کے پیچھے دو آدمی اس طرح لگائے رکھتا ہے کہ انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی۔''

''تو کیا صمدانی کا قتل محض اس سونے کی وجہ سے ہوا۔'' حمید نے کہا۔

''یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سونا تو اس کی زندگی ہی میں اڑایا جاسکتا تھا۔ لورین بہرحال اس کی معتمد خاص تھی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ لورین صمدانی کے پاس کب اور کن حالات میں آئی۔''

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔''مگر وہ براؤن..... شیزان ہوٹل میں تو اس نام کا کوئی

بی بھی تھا ہی نہیں۔''

''اور اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ شیزان ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے۔''

''چلئے کچھ تو سراغ ملا.....!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

''ہم ان واقعات کا فی الحال کسی سے تذکرہ نہیں کریں گے۔''

''لیکن تہہ خانہ..... وہ اینٹ..... اُسے تو سب نے دیکھا ہے۔''

''فکر نہ کرو..... انہیں ان کے متعلق خیال آرائیاں کرنے دو۔ اخبارات میں دلچسپ ہانیاں نظر آئیں گی۔''

فریدی کا خیال درست نکلا۔ اُسی شام کے اخبارات میں صمدانی کے پرائیویٹ خفیہ تہہ نے کے متعلق نت نئی کہانیاں نظر آئیں لیکن خالی الماری اور سونے کی اینٹ کے بارے میں یب قریب سب نے ایک ہی خیال ظاہر کیا تھا اور یہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ایک ولی ذہانت کا آدمی بھی اُس کے متعلق یہی کہہ سکتا تھا کہ وہ الماری خالی نہ رہی ہوگی اور ے صمدانی کے بجائے کسی دوسرے ہی آدمی نے خالی کیا ہوگا۔ ورنہ ایک اینٹ اس طرح سے رہ جاتی۔

اُسی دن پولیس آفیسروں پر ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا۔ لیکن اُسے حالات کے اعتبار ے غیر متوقع بھی کہا جاسکتا تھا۔ لورین کے اچانک قتل سے یہ بات سامنے آ گئی۔ ایک مجسٹریٹ نے پولیس کو اطلاع دی کہ اس نے دو ماہ قبل لورین اور صمدانی کے سول میرج کے سرٹیفکیٹ پر تخط کئے تھے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ صمدانی اس شادی کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس نئی ریافت پر کیس اور بھی الجھ گیا۔

فریدی اس نئی سچویشن پر بڑی دیر سے غور کر رہا تھا..... اور سرجنٹ حمید نے اپنے ذہن کو بالکل چھٹی دے رکھی تھی۔ وہ شاید آدھے گھنٹے سے کوشش کر رہا تھا کہ اس کا بکرا منہ میں تمباکو اُٹی کا پائپ دبانا سیکھ جائے۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ دو بار اُس نے جھلا کر کرے کے منہ پر تھپڑ بھی مارے اور جب بالکل ہی تنگ آ گیا تو اسے ایک لات رسید کرکے

بولا۔ ''سالے تم بکرے ہو اور ہمیشہ بکرے ہی رہو گے۔ میں تمہیں کسی طرح بھی ریاضی پروفیسر نہیں بنا سکوں گا۔''

فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور اس نے ان دونوں کو دھکے دے کر کمرے سے باہر نکال دیا۔

لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اس کیس کے بعض پہلوؤں پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ حمید لاکھ غیر سنجیدہ سہی لیکن بارہا کے تجربات شاہد تھے کہ اس کی بے تکی باتوں ہی میں فریدی کو اکثر گتھیوں کا حل مل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی کمرے سے باہر نکلا۔ حمید بیرونی برآمدے میں تھا اور شاید اب پہلے کی طرح غیر سنجیدہ بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ اس نے خود ہی لورین کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''اس نئی دریافت کی بناء پر کیس اور زیادہ الجھ گیا ہے۔'' فریدی بولا۔ ''ظاہر ہے کہ لورین مجرموں کی آلہ کار تھی لیکن اس صورت میں اس کا قتل صمدانی کے قتل کے مقصد کو اور زیادہ تاریکی میں پھینک دیتا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں کی شادی کا مقصد لورین کے لئے حصول دولت تھا تو پھر انہوں نے اسے بھی کیوں قتل کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مجرم اس کے ذریعہ صرف اس الماری تک پہنچنا چاہتے تھے تو پھر آخر صمدانی کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام اس کے بغیر بھی ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کی بیوی ہی تھی کبھی نہ کبھی تہہ خانے کے راز سے واقف ہو جاتی۔''

''واقعی صمدانی کے قتل کا مقصد اس انکشاف سے بالکل ہی تاریکی میں جا پڑتا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''اور لورین کو زندہ رکھ کر نہ صرف وہ الماری کی دولت ہی سمیٹ سکتے تھے بلکہ صمدانی کے پورے کاروبار پر بھی قابض ہو سکتے تھے۔''

''اسی بناء پر میں فی الحال سجاد صمدانی کا خیال ذہن سے نکال دینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔''

''اس کی رائے میں نہیں دوں گا۔'' حمید بولا۔

''میں نے لفظ فی الحال استعمال کیا ہے۔ ویسے وہ میری لسٹ پر موجود ہے۔''

فریدی شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں شام کی ڈاک آ گئی۔ فریدی یکے بعد دیگرے لفافے کھولتا رہا اور پھر اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ایک لفافہ حمید کی طرف بڑھایا۔

سفید کاغذ پر ایک مختصر سی تحریر ٹائپ کی ہوئی تھی۔

''اگر موت ہی کی خواہش ہے تو میرے معاملات میں ضرور ٹانگ اڑاؤ میں کسی وقت بھی تم سے بہت زیادہ دور نہیں۔

براؤن۔''

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

انور اور آصف

کرائم رپورٹر انور نے انگڑائی لی اور چادر کو پیروں سے اچھال کر اٹھ بیٹھا۔ آٹھ بج چکے تھے لیکن ابھی تک اس کی سرخ سرخ آنکھیں نیند کے بوجھ سے دبی جا رہی تھیں۔ اس نے سرہانے والی ٹی پائی سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھایا اور سگریٹ کو ہونٹوں میں دبا کر جلانے ہی والا تھا کہ رشیدہ آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم نے بُری طرح اپنی گردن پھنسالی ہے...... سمجھے۔'' اس نے دھیمی آواز میں غصہ سے کہا۔

''کوئی نئی بات کرو...... یہ اطلاع بہت پرانی ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگا کر دیا سلائی میز پر اچھال دی۔

''آصف انتظار کر رہا ہے۔''

''جھک مارنے دو اُسے۔''

"اس کی جیب میں ہتھکڑیاں ہیں۔"

"اوہ......!" انور مسکرا کر چڑھانے والے انداز میں بولا۔ "تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔"

"دیکھو بکواس مت کرو......ایسے موقع پر اُس سے جھگڑا نہ مول لینا۔"

"فکر نہ کرو۔" انور نے پلنگ چھوڑ دیا۔ اس نے میز سے ٹوتھ پیسٹ اور برش اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میری جیب بالکل خالی ہے اور اس وقت آصف ہی ہمارے ناشتے کا انتظام کرے گا......سمجھیں۔"

دوسرے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا منتظر تھا۔ غسل خانے تک پہنچنے کیلئے اس کمرے سے گزرنا ضروری تھا۔ انور نے بڑے دوستانہ انداز میں آصف سے مصافحہ کیا۔ لیکن آصف نے اپنے چہرے پر سختی کے آثار پیدا کر رکھے تھے۔ وہ کلف دیئے ہوئے کالر کی طرح اکڑا رہا۔

"میں ایک منٹ میں آیا۔" انور نے کہا اور غسل خانے کی راہ لی۔ رشیدہ آصف کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے توقع تھی کہ آصف انور کی غیر حاضری کے دوران کچھ نہ کچھ بولے گا۔ لیکن وہ بدستور خاموش بیٹھا رہا۔ رشیدہ نے بھی اسے چھیڑا نہیں۔

انور غسل خانے سے آنے کے بعد آئینے کے سامنے بال درست کرنے لگا۔ چند لمحے بعد اس نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ "آج کل میں کچھ حسین ہوتا جا رہا ہوں......کیوں؟"

"جیل میں کبھی حجام سے ملاقات نہیں ہوتی۔" آصف اسے گھور کر بولا۔

"یہ بہت بُری عادت ہے......میں عنقریب جیل سدھارنے کے متعلق ایک مضمون لکھنے والا ہوں۔"

"شاید وہ جیل ہی میں مکمل ہو۔"

"کیوں؟ کیا مجھے جیلوں کا دورہ کرنے کا موقع دیا جائے گا۔"

"ہمیں فضول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔" آصف بولا۔ "اس بار تمہیں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تم ہی مجھے چھوڑ دو گے تو پھر پوچھے کون۔" انور نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے

"ہم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔"

"میرے پاس ہتھکڑیاں ہیں......سمجھے۔"

"تمہارے پاس ہتھکڑیاں ہیں......سمجھا......!"

"مجھے موٹر سائیکل کی چوری کی داستان پر یقین نہیں ہے۔" آصف غرایا۔

"اچھے آدمی بری باتوں پر کبھی یقین نہیں کرتے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے......"

"میں یہاں وقت برباد کرنے نہیں آیا ہوں۔" آصف نے جھلا کر بات کاٹ دی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم ہمیں چائے پلواؤ گے۔"

"تم نے صمدانی کا تعاقب کیوں کیا تھا......؟"

"اوہو......" انور سنجیدگی سے بولا۔ "تو تم اس لئے آئے ہو۔"

آصف جواب دینے کی بجائے انور کو گھورتا رہا۔

"میں خود تمہاری تلاش میں تھا......!" انور پھر بولا۔ "میرے پاس چند قیمتی معلومات ہیں۔"

"کیا......؟" آصف کے چہرے کی سختی یک بہ یک دور ہو گئی۔ لیکن یہ قطعی غیر ارادی طور پر تھا کیونکہ آصف نے احساس ہوتے ہی پھر سے خود کو سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

"نیچے چلتے ہیں......وہیں باتیں ہوں گی۔" انور نے کہا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

رشیدہ کھڑی ہو گئی اور اسی کے ساتھ آصف بھی اٹھا۔ لیکن یہ بھی غیر ارادی طور پر ہوا تھا ورنہ آصف کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار صاف پڑھ لئے تھے۔ اس لئے اس کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی۔

باہر نکل کر رشیدہ نے دروازہ مقفل کیا اور وہ نیچے آئے۔ انور قریب ہی کے ایک ریستوران میں گھس گیا۔ اب آصف کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں رہ گیا تھا کہ ان کا ساتھ دے۔

انور نے ایک لمبے ناشتے کا آرڈر دیا۔ اس کا رویہ آصف کے ساتھ بڑا دوستانہ تھا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا چچا آصف۔'' انور نے کہا۔ ''کہ اس کیس میں تمہارے لئے ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔''

''بڑی مہربانی۔'' آصف طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''لیکن تمہیں اس کیلئے نہ پریشان ہونا چاہئے۔''

''تمہیں میرے خلوص پر کبھی یقین نہ آئے گا۔''

''کام کی باتیں کرو......!'' آصف اپنی پیالی میں شکر گھولتا ہوا بولا۔

''پہلے تو جتادوں کہ موٹر سائیکل والے معاملے میں مجھے ذرا برابر بھی پریشانی نہیں۔ اگر یہاں کسی پولیس والے نے مجھے پھانسنے کی کوشش کی تو اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔''

''چلو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں......تم ہمیشہ یہی بکتے رہتے ہو۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ میں نے صرف زبان ہی سے نہیں کہا۔''

''خیر......خیر......وہ اطلاعات کیا تھیں۔''

''پہلی تو یہ کہ آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔''

''اڑنے لگے۔'' آصف بھنا کر رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''دوسری اطلاع یہ کہ فریدی صاحب سجاد صمدانی کی تلاش میں یورپ کا دورہ کرنے والے ہیں۔''

''اُسے تو بس بہانہ چاہئے۔'' آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اسی بہانے مفت کی تفریح ہاتھ آئے گی۔''

''تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اخراجات تمہارا محکمہ برداشت کرے گا'' انور نے کہا۔

''جہنم میں ڈالو......تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔''

''یہی کہ اس کا تعلق سجاد صمدانی سے ہو سکتا ہے۔''

''اور لورین کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔'' آصف نے کہا۔

''وہ سجاد ہی نے کرایا ہوگا۔ اب تو یہ بات اچھی طرح مشہور ہو چکی ہے کہ وہ صمدانی کی تھی۔''

''لیکن تھارن ہل بلڈنگ سے اس کا کیا تعلق......!''

''ارے تعلق تم معلوم کرلو...... یہ پولیس کا کام ہے۔''

''لیکن تمہارا اس معاملے میں کیا تعلق ہے۔'' آصف نے کہا۔

''تھارن ہل بلڈنگ کا کرایہ میں ہی وصول کرتا ہوں۔'' انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ ناشتہ ختم کر چکے تھے۔

''تو تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے۔''

''اور کیا بتاؤں۔''

''دیکھو میں سچ مچ تمہیں بند کرادوں گا۔''

''ابھی تک تو کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا۔'' میں نے ایسے گواہ مہیا کر لئے ہیں جنہوں نے تمہیں صمدانی کی کار کا تعاقب کرتے دیکھا تھا۔

''میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''غالباً اس خبر سے لیڈی رزجی کو بھی خوشی ہوگی۔''

رشیدہ کو اس نئے نام کے حوالے سے حیرت ہوئی اور وہ آصف کی طرف دیکھنے لگی جس کا دفعتاً پھیکا پڑ گیا تھا۔ سگریٹ کا ڈبہ کھولتے وقت اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

پھر آصف نے ایک اعصاب زدہ قہقہہ لگا کر کہا۔ ''تم دھمکیوں میں نہیں آؤ گے۔''

''ظاہر ہے کہ میری معلومات بہت وسیع ہیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ......کیا فریدی سچ مچ یورپ جائے گا۔'' آصف نے پوچھا۔

''کیا تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔ یہ خبر کل شام ہی پریس میں پہنچ گئی تھی۔''

''مجھے یقین نہیں ہے۔'' آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اگر تم فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے آئے ہو تو میں بالکل مجبور ہوں۔'' انور ...لہجے میں بولا۔

"مجھے اس سے کیا سروکار...... میں دراصل یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اپنی ٹانگ کہاں اڑاتے پھر رہے ہو۔"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موٹر سائیکل کے چور کو پکڑ سکوں۔"

"مجھے قیامت تک یقین نہ آئے گا کہ وہ چرائی گئی ہے۔"

"اچھی بات ہے تو پھر قیامت ہی کے دن اس کے متعلق مزید گفتگو کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک تم اپنی رائے بدل دو۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر آصف مسکرا کر بولا۔ "تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے مجھے پھانس کر چائے پی ہے۔ میں پہلے ارادہ کر چکا تھا۔ تمہیں دھمکانے میں مجھے لطف آتا ہے۔"

"روز صبح آکر دھمکا جایا کرو پیارے۔" انور نے بڑی لجاجت سے کہا اور رشیدہ ہنس پڑی۔ آصف بھی کھسیانی ہنسی ہنس رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ رشیدہ کو سخت حیرت تھی کہ یک بیک وہ سیدھا کیوں ہوگیا۔ کیا یہ سب لیڈی فرامرز جی کے نام کی وجہ سے ہوا تھا۔

آصف نے بل کے دام چکائے اور عدیم الفرصتی کا رونا روتا ہوا اٹھ گیا۔

انور، رشیدہ اس کے جانے کے بعد بھی بیٹھے رہے۔

"کیا تم نہیں سمجھیں کہ لیڈی فرامرز جی کے حوالے پر اس کی روح فنا ہوگئی تھی۔"

"لیکن کیوں......!"

"لیڈی فرامرز جی کو جانتی ہو۔"

"نہیں......!"

"ایک مال دار بیوہ ہے۔ آصف نے پچھلے ماہ اپنی نگرانی میں اس کا حمل ساقط کرایا تھا۔"

"ارے...... یہ آصف......!"

"تم غلط سمجھیں...... حمل آصف کا نہیں تھا۔ وہ تو صرف لیڈی فرامرز جی کا دوست ہے۔"

"خدا غارت کرے۔"

"اور اسی لئے وہ سیدھا ہوگیا۔" انور نے کہا۔ "اگر ضرورت پڑے تو میں اس ڈاکٹر کو بھی جیل میں کھینچ سکتا ہوں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر انور بولا۔ "میں تو ایک ماہ کی چھٹی لے رہا ہوں۔"

"کیوں......؟"

"مجھے کام مل گیا ہے...... اور اجرت توقعات سے زیادہ ملنے کی امید ہے۔"

"کیا کام......؟"

"سجاد صمدانی کا جنرل منیجر چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے اس کیس کی تفتیش کروں۔"

"آخر وہ کیوں چاہتا ہے۔"

"کیوں؟ کیا سجاد کی حیثیت مشتبہ نہیں ہے اور پھر صمدانی کا سارا کاروبار اس کی طرف منتقل ہونے والا ہے۔ اس لئے جنرل منیجر کی تشویش بالکل قدرتی ہے۔"

"لیکن میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔ اس طرح تمہیں فریدی صاحب سے ٹکرانا پڑے گا۔"

"اس کا سوال ہی پیدا نہ ہونے پائے گا۔ اگر میں نے یہ دیکھا کہ اس معاملے میں سجاد یا اس کے آدمیوں ہی کا ہاتھ ہے تو میں الگ ہوجاؤں گا۔"

"تو کیا فریدی صاحب سچ مچ یورپ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں......!"

"تم نے فریدی صاحب کو اس سے مطلع کیا یا نہیں۔"

"ضروری نہیں سمجھتا۔"

"ارے یہ کمبخت کہاں سے آمرا۔" رشیدہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

قاسم سڑک پار کر کے ریستوران کی طرف آرہا تھا۔ اس نے انور اور رشیدہ کو یہاں بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ وہ شاید انور کے فلیٹ میں گیا تھا اور اُسے مقفل دیکھ کر جا رہا تھا کہ اس کی نظر ان دونوں پر پڑ گئی۔

"یہ کیا مصیبت آ گئی۔" انور بڑبڑایا۔

"اخاہ...... آپ لوگ یہاں ہیں۔" قاسم نے دروازہ ہی سے ہانک لگائی اور دو
لوگ چونک کر اسے گھورنے لگے۔

جب وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تو انور نے آہستہ سے کہا۔ "یار تم کچھ دنوں کے لئے
سے علیحدہ ہی رہو۔"

"کیوں......؟"

"ابھی تک پولیس کو اُس گرانڈیل آدمی کی تلاش ہے۔"

"تو میرے چہرے پر ڈاڑھی کہاں ہے۔"

"ڈاڑھی صاف بھی تو کی جاسکتی ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا...... تم ہی نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔"

"ذرا آہستہ......!" انور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"قاسم صاحب! بہت اچھے آدمی ہیں۔" رشیدہ نے جلدی سے کہا۔ "اگر تم کہو تو وہ
سے نکلنا بھی چھوڑ دیں گے۔"

"ابھی ابھی ایک سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔" انور بولا۔

"تو کیا پھر میں چلا جاؤں۔" قاسم نے بڑی مغموم آواز میں پوچھا اور رشیدہ کی طرف
دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔

"عقل مندی کا تقاضا یہی ہے۔"

"حمید کو معلوم ہو گیا ہے۔" قاسم آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

"فکر نہ کرو...... وہ خاموش ہی رہے گا۔ اب تم جاؤ۔"

قاسم بادل ناخواستہ اٹھا تھا اور لڑکھڑاتا ہوا ریستوران سے نکل گیا۔

انور اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "واقعی میں بہت بڑا احمق
ہوں۔ مفت کی بلا گلے لگالی۔ لیکن وہ محض تمہاری وجہ سے آتا ہے۔"

"تم گدھے ہو۔" رشیدہ جھینپ کر بولی۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر انور نے کہا۔ "میں آج رام گڑھ کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"کیوں...... رام گڑھ کیوں؟"

"میرا خیال ہے کہ وہیں بدمعاشوں کا ہیڈ کوارٹر ہے...... لورین نے قتل ہونے سے چند
پیشتر رام گڑھ میں شیزان ہوٹل کے پتہ پر ایک تار روانہ کیا تھا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

بس معلوم ہو گیا۔ تار گھر میں میرے کئی دوست ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ فریدی
ب نے کوئی تار چھ گھنٹوں کے لئے رکوایا ہے۔ اس تار کے فارم کو میں نے بھی جا کر دیکھا۔
ا کرسچیانا نے تھارن ہل بلڈنگ سے روانہ کیا تھا اور جب تھارن ہل بلڈنگ کے اسی فلیٹ
لورین کی لاش ملی جو تار کے پتے میں موجود تھا تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ "کرسچیانا" لورین
ہوسکتی تھی...... تار کسی مسٹر براؤن کے نام پر بھیجا گیا تھا۔ مضمون یہ تھا...... میں وہاں پہنچ گئی
لیکن کچھ سمجھ نہیں سکتی...... کسی ایکسپرٹ مکینک کو بھیجو۔"

"پھر تم نے اخبارات میں صدانی کے پوشیدہ تہہ خانے اور الماری کے متعلق بھی پڑھا
...... اور وہ سونے کی اینٹ...... خبر میں یہ بھی تھا کہ الماری کا میکنزم بڑا پیچیدہ خیال کیا
رہا ہے۔ لہٰذا اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ ہوسکتا ہے لورین نے اسی الماری کو کھولنے
لئے کسی ایکسپرٹ مکینک کو طلب کیا ہو۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی براؤن اسی ہوٹل میں مقیم ہوگا۔"
یدہ نے کہا۔

"یہ مسئلہ غور طلب ہے۔"

"خیر...... میں بھی چلوں گی...... اس طرح میں اس حیرت انگیز عجوبے کو بھی دیکھ سکوں گی۔"

"کس حیرت انگیز عجوبے کو۔"

"اوہو...... یہ خبر تو ریڈیو پر بھی آئی تھی۔"

"کون سی خبر......!"

"رام گڑھ ہی کے متعلق تھی۔ وہاں ایک حیرت انگیز آدمی دیکھا گیا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی پر کمر سے گردن تک گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں۔ اور وہ گھوڑوں ہی کی طرح گھاس کھاتا ہے اور خود کو سلیمان پیغمبر کا گھوڑا کہتا ہے اتنا تیز دوڑتا ہے کہ ابھی تک اسے کوئی پکڑ نہیں سکا۔"

"بنڈل......!" انور منہ بنا کر بولا۔ "سرے سے بکواس...... ایک اخبار سے منسلک ہونے کے باوجود ابھی تک ان لغویات پر یقین رکھتی ہو۔ کیا ہم خالی جگہوں کو ایسی ہی حیرت انگیز خبروں سے نہیں بھرتے...... چار پیروں والا چوزہ...... ہاتھی نے انڈے دیئے...... لاٹھی بولنے والا گدھا...... وغیرہ وغیرہ۔"

خوفناک چہرہ

حمید بالکنی میں کھڑا دور کی پہاڑیوں میں غروب ہوتے ہوئے سورج کا منظر دیکھ رہا تھا۔ آج صبح وہ رام گڑھ پہنچا تھا اور شیزان ہوٹل ہی میں مقیم تھا۔ اُسے خوشی تھی کہ فریدی سے دور کر تفریح کا ایک موقع ہاتھ آیا۔ فریدی نے اُسے تنہا ہی اس مہم پر روانہ کیا تھا۔ حالانکہ حمید اسے تضیع اوقات ہی سمجھتا تھا لیکن اس نے فریدی کی مخالفت نہیں کی۔ ورنہ وہ اس بات پر اڑ سکتا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ یورپ جانا پسند کرے گا۔

یورپ والی بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سجاد کی تلاش...... اور وہ بھی کسی شہر یا ملک میں نہیں بلکہ ایک براعظم میں۔ بڑا احمقانہ خیال تھا اور پھر آخر سجاد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اُسے تو صرف اُس پراسرار انگریز براؤن کی تلاش ہونی چاہئے تھی جو سازش کا سرغنہ تھا۔ اگر بفرض محال فریدی سجاد تک پہنچ بھی جاتا تو وہ اسے مجرم کس طرح ثابت کرے گا جب تک کہ براؤن نہ ہاتھ آجائے اور پھر یہ بھی ضروری ہی نہیں تھا کہ براؤن سجاد ہی کا آدمی رہا ہو۔

ہرحال بات حمید کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے فریدی کم سے کم وقت میں اس کیس کو نپٹانا چاہتا ہو اسی لئے خود سجاد کی تلاش میں جا رہا ہو اور اسے براؤن کے لئے رام گڑھ بھیج دیا ہو۔ مگر سوال تو یہ تھا کہ کیا سجاد ہی قتل کی سازش کا محرک ہوسکتا ہے؟ امکانات موجود تھے مگر پیش آئے ہوئے واقعات کی بناء پر ایک بہت ہی اہم نکتہ اس کی تردید کردیتا تھا۔ اگر ان حادثات میں سجاد کا ہاتھ تھا تو لورین کا وجود اس سارے سٹ اپ میں بھرتی کی چیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ فضول اور بے مصرف...... ظاہر ہے کہ سجاد صمدانی کے ترکے کیلئے لورین کیوں آلہ کار بنائی گئی اور پھر چوری کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قاتلوں کو صرف اس الماری کی ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے لورین کو بھی ختم کردیا۔ لورین صمدانی کی بیوی تھی اور قانوناً صمدانی کے ترکے کے کچھ حصے کی مالک بھی ہوسکتی تھی۔ بہرحال ان حالات کی بناء پر سجاد کو مشتبہ سمجھنا صحیح الدماغی کی دلیل نہیں تھی۔ حمید کی دانست میں صمدانی کا قتل صرف سونے کی اینٹوں کیلئے ہوا تھا۔

سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا اور افق میں شوخ رنگوں کے لہریئے نظر آنے لگے۔

حمید بارجے پر کہنیاں ٹیکے خیالات میں غرق رہا۔ صبح سے اب تک اسے ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں نظر آئی تھی جو اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیتی۔ البتہ وہ دن بھر اس عجیب الخلقت آدمی کے تذکرے سنتا رہا تھا جو ارجن گھاٹی میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ جس کی پشت پر گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں اور جو خود کو حضرت سلیمان کا گھوڑا کہتا ہے اور زیادہ تر بگڑی ہوئی فرانسیسی زبان بولتا ہے۔

حمید نے کچھ دن پہلے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا تھا لیکن اسے غپ سے زیادہ وقعت نہ دی تھی اور اب بھی اُسے غپ ہی سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ اس نے کئی آدمیوں کو "چشم دید" واقعات دہراتے سنا تھا۔ لیکن وہ ایسے آدمیوں کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف تھا۔ ایسے لوگ جب اپنی داستان گوئی کے فن میں ناکامی کی صورت دیکھ لیتے ہیں تو انہیں اس پر "چشم دید" کا لیبل چپکاتے دیر نہیں لگتی۔

بہر حال حمید سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت اچھا گزرے گا شیزان ہوٹل اعلیٰ قسم کے ہوٹلوں میں سے تھا اور اونچے ہی طبقے کے لوگ یہاں قیام کرتے تھے۔ اس نے کئی خوبصورت لڑکیاں آتے ہی دیکھ لی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ افق میں رنگوں کے لہریئے گہرے ہوتے جا رہے تھے اور ڈھلوانوں میں رینگنے لگے تھے۔

دفعتاً حمید چونک پڑا۔ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے والی ایک کار سے انور اور رشیدہ اتر رہے تھے۔

ان دونوں کی آمد نہ صرف غیر متوقع بلکہ حیرت انگیز بھی تھی۔ حمید تیزی سے نیچے آیا۔ ہال میں اس نے ایک پورٹر کو ان کا سامان اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچھے وہ دونوں تھے۔ دونوں حمید کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر کلرک کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے اُسے نہیں پہچانا کیونکہ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا ہی نہیں۔ فریدی ہی نے اس کا میک اپ کیا تھا اور اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام کیپٹن پرکاش لکھا تھا۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ آخر یہ دونوں یہاں کیسے پہنچے۔ انہیں شیزان ہوٹل کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔ کیا فریدی نے انور کو براؤن کے متعلق بتا دیا تھا اگر یہ بات تھی تو اس نے اس سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

انور نے ہوٹل کی رجسٹر میں دستخط کئے اور پورٹر انہیں ان کا کمرہ دکھانے کیلئے ساتھ لے گیا

اتنے میں دو لڑکیاں ہال میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے اپنے کاندھوں سے ناشتے تھیلے اور تھرماس لٹکا رکھے تھے۔ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے۔ حمید نے انہیں صبح ہی دیکھا تھا۔ وہ شیزان ہی میں مقیم تھیں۔ انہیں دیکھ کر ایک بوڑھی عورت ان کی طرف بڑھی۔

"اوہ ممی......!" ان میں سے ایک بولی۔ "بالکل سچ ہے! ہم نے اسے دیکھا...... گھاس چرتے دیکھا...... وہ بے تکان چھلانگیں مارتا ہوا اونچی اونچی چٹانوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔"

وہ قریب ہی کی میز پر بیٹھ گئیں۔

"کیا وہ کپڑے نہیں پہنتا۔" بوڑھی نے پوچھا۔

"صرف ایک پتلون۔" لڑکی کاندھے سے تھیلا اور تھرماس اتارتی ہوئی بولی۔ "کتھئی رنگ کی پتلون۔ پیٹھ ننگی، جس پر بڑے بڑے بالوں کی لکیر کمر سے گردن تک پھیلی ہوئی ہے۔ اوہ ممی...... دیو ہے دیو...... ایسے ابھرے ہوئے مسلس میں نے آج تک نہیں دیکھے۔"

"گھاس چرتا ہے۔" بوڑھی نے پوچھا۔

"ہاں ممی...... بہت تیزی سے۔ آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کتنا تیز دوڑتا ہے اُف نوہ...... کئی آدمی اس کے پیچھے دوڑے تھے۔ مگر اسے نہ پا سکے۔ وہ پہاڑیوں پر اس طرح دوڑتا ہے جیسے سپاٹ میدان میں دوڑ رہا ہو۔"

"کیا وہ پائپ بھی پیتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

لڑکیاں ہنس پڑیں۔ لیکن بوڑھی حمید کو گھورنے لگی۔ حمید گڑبڑا گیا۔

"دخل دہی کی معافی چاہتا ہوں......" حمید نے مودبانہ کہا۔ "بات یہ ہے کہ میں نے ابھی اسے نہیں دیکھا۔"

"ضرور دیکھئے۔" وہی لڑکی بولی جو بہت زیادہ بول رہی تھی اور بولتے وقت اس کی آنکھیں جوش سے چمکنے لگتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے پورے وجود سے بے پرواہ ہو۔ علاوہ ملتے ہوئے ہونٹوں کے۔

"میں ضرور دیکھوں گا......" حمید نے کہا اور وہاں سے ہٹ ہی جانے میں عافیت سمجھی کیونکہ بوڑھی عورت اُسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

حمید کو بے ساختہ اپنا بکرا یاد آ گیا۔ اگر برخوردار بغرا خاں ہوتا تو یہ بوڑھیا بھی اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتی۔

رات کو رقص گاہ میں حمید رشیدہ سے ٹکرا گیا۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہیں تھا اس لئے وہ منمناتی ہوئی آواز میں شروع سے آخیر تک انگریزی میں گفتگو کرتا رہا۔

اس نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی.... جو بلا حیل و حجت منظور کر لی گئی۔ حمید نے رقص کے فرش پر ہلکورے لیتے ہوئے رشیدہ سے پوچھا۔

''کیا آپ وہ گھوڑا دیکھنے آئی ہیں۔''

''کیا آپ نے دیکھا ہے۔'' رشیدہ نے سوال کیا۔

''جی ہاں مجھے بہت ہی قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔''

''کیا وہ باتیں بھی کرتا ہے۔''

''جی ہاں...... بالکل اخبار کے رپورٹروں کی طرح بڑنگ کرتا ہے۔''

اس بات پر رشیدہ بُری طرح چونکی اور کچھ مضطرب سی بھی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے
سوال نہیں کیا۔ حمید کی بکواس پر صرف ''ہاں......ہوں'' کرتی رہی اور پھر راؤنڈ ختم ہوتے ہی
تیر کی طرح اس میز کی طرف گئی جہاں انور بیٹھا تھا۔

پھر حمید نے کنکھیوں سے دیکھا کہ انور اُسے بُری طرح گھور رہا تھا۔ وہ شراب کے کاؤ
کی طرف گھوم گیا۔ یہاں اسے وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں جو شام کو حضرت سلیمان
گھوڑے کی ''زیارت'' کر کے آئی تھیں۔

ان میں سے ایک دوسری کو کہہ رہی تھی۔ ''اگر آنٹی آ گئی تو۔''

''نہیں وہ نہیں آئیں گی۔'' دوسری نے کہا۔ ''میں انہیں دوا دے کر آئی ہوں۔ دوا پ
وہ سو جاتی ہیں۔ بس ڈارلنگ تھوڑی سی...... اتنی کہ سرور آ جائے۔''

''نہیں......نہیں......!''

''بڑی ڈرپوک ہو تم......!'' دوسری بولی۔ ''شیری میں تو بالکل نشہ نہیں ہوتا...... بس
سا سرور۔''

''شیری بڑی عمدہ چیز ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

دونوں چونک کر مڑیں اور پھر جھینپی ہوئی ہنسی ہنسنے لگیں۔

''میں تو طالب علمی کے زمانے میں اپنے باپ کے سامنے پیتا تھا...... اور انہیں آج تک
نہ معلوم ہو سکا۔''

''کیسے......!'' اس نے پوچھا جس نے شراب پینے کی تجویز پیش کی تھی۔

''کہیں اطمینان سے بیٹھیں تو بتاؤں۔'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ ایک خالی
ز پر چلے گئے۔

''بڑی عمدہ ترکیب تھی۔'' حمید نے کہا۔ ''میں ڈرائی جن کی آدھی بوتل میں اتنا ہی عرق
ڑی ملا کر بوتل پہ عرق مصفٰی کا لیبل چپکا دیا کرتا تھا اور بوتل اعلانیہ میرے کمرے میں رکھی
تھی اور والد صاحب خوش ہوتے تھے کہ مجھے اپنی صحت کا اتنا خیال ہے۔''

لڑکیاں ہنسنے لگیں...... اور حمید نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔

''ایک بوتل شیری...... اور ایک لارج وہسکی...... اسکاچ لانا۔''

''نہیں......نہیں......!'' ایک لڑکی نے پھر مخالفت کی۔

''آپ بڑی دقیانوسی معلوم ہوتی ہیں۔'' حمید نے کہا اور وہ لڑکی کچھ نہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد تینوں شغل کر رہے تھے۔

حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ساری دنیا کی حسین لڑکیوں کا ٹھیکیدار ہو۔

بہت زیادہ بولنے والی لڑکی کی زبان اب قینچی کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کے برخلاف
ری لڑکی جس نے شراب کی مخالفت کی تھی بالکل خاموش تھی۔ وہ حلق سے گھونٹ اتارتے
ت ایسا منہ بناتی تھی جیسے کوئی مار مار کر اسے پلا رہا ہو۔

''کیا آپ پہلی بار پی رہی ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں...... دوسری بار...... مجھے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔''

''واہ ڈیئر سٹ......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''آپ الیکشن تو لڑ نہیں رہی ہیں کہ کسی سے ڈریں۔''

حمید کبھی کبھی انور کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو بظاہر تو رشیدہ سے گفتگو میں مشغول تھا لیکن
یقت میں اس کی نظریں بھی حمید ہی پر تھیں۔

حمید نے سوچا کہ شاید انور کو اس پر شبہہ ہو گیا ہے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں
ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اسے کم از کم فریدی نے یہاں نہ بھیجا ہوگا۔ پھر آخر اس کی موجودگی کا
طلب؟ کیا حقیقتاً اس نے موٹر سائیکل کی چوری کی داستان گڑھی تھی۔ لیکن پھر دوسری طرف

اسے قاسم کا خیال آیا۔ قاسم میں سازش کی صلاحیت نہیں اور وہ اتنے فنکارانہ انداز میں جھوٹ نہیں بول سکتا پھر آخر یہ سب کیا تھا۔ اس نئی الجھن نے تفریح کا سارا مزہ کرکرا کر دیا اور یہ حقیقت اس کے ذہن میں کچوکے لگانے لگی کہ وہ یہاں محض تفریح کے لئے نہیں آیا ہے۔

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی تھی اور لوگ آہستہ آہستہ اٹھ کر فرش کی طرف جارہے تھے۔ حمید نے سب سے زیادہ بولنے والی لڑکی سے رقص کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ دوسرے لمحے میں حمید نے انور کو اٹھ کر اپنے ساتھ کی دوسری لڑکی کی طرف آتے دیکھا۔ حمید کی ہم رقص نے اس کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ بڑی رومان انگیز گفتگو کر رہی تھی شیری کے ایک گلاس نے اسے بہت زیادہ باتونی بنا دیا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کورنیلیا......!''

''میں تمہیں نیلی کہوں......بُرا تو نہ مانو گی۔''

''ہائے......نیلی......!'' لڑکی نے سسکی سی لی۔ ''نہیں کبھی نہیں۔''

''اور ان کا کیا نام ہے......'' حمید نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو انور کے ساتھ ناچ رہی تھی۔

''سونیا......وہ میری کزن ہے۔''

''تم بہت اچھی ہو......ستمبر کی راتوں کی طرح خوشگوار۔''

''تم دسمبر کی دوپہر کی طرح......!'' پھر وہ ہنس پڑی۔

حمید کو شرارت سوجھی۔ انور کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اس کی ہم رقص کو مخاطب کیا۔ ''سونیا......ذرا ہوشیاری سے......تم زیادہ باتیں نہیں کرو گی۔''

سونیا نے نشیلی آنکھوں سے دیکھا اور مسکرا دی۔ شاید شیری کے ایک ہی گلاس نے اس کے بھی چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

حمید انور کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں

ہا تھا۔

اس راؤنڈ کے اختتام پر اس نے انور اور رشیدہ کو رقص گاہ سے جاتے دیکھا۔

بہر حال اس سے حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ضرور کسی چکر میں ہیں۔ کیا یہاں ان کی دگی کا بھی وہی سبب ہے جو اس کی موجودگی کا تھا۔ لیکن آخر کس طرح۔ انور اتنا مال دار تھا کہ محض سراغ رسانی کے شوق میں شیزان ہوٹل جیسی جگہ قیام کرتا۔ اگر فریدی کی ایماء پر آیا ہوتا تو کم از کم اس کے حال سے ضرور واقف ہوتا اور اس طرح بھاگنے کی بجائے اس الجھ پڑتا۔ تو کیا وہ مجرموں کے لئے کام کر رہا تھا......؟ اس سوال کا جواب اس کا ذہن ن میں نہ دے سکا۔ وہ جانتا تھا کہ انور کم از کم فریدی کا راستہ کاٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

سچ مچ اس کی ساری تفریح غارت ہو چکی تھی اور وہ اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے ان ان لڑکیوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن شیری کے دوسرے گلاسوں نے انہیں آسمان پر پہنچا دیا اور اب تو خاموش طبع سونیا بھی چہکنے کے موڈ میں آ گئی تھی۔

''ڈیرسٹ ہنی......'' وہ حمید کی گردن میں ہاتھ ڈالے کہہ رہی تھی۔ ''میں چاندنی ہوں......اور تم سائبان......!''

''نہیں میں چار دیواری ہوں۔'' حمید نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگی۔

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ نشے میں بہکی ہوئی عورتیں اسے بور لگتی تھیں۔

''اب تم اسے قتل بھی کر دو تو اسے کوئی اعتراض نہیں......!'' کورنیلیا اپنا منہ دبا کر ہنسی۔

حمید ان سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑا کر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اس نے اس سے قبل انور اور رشیدہ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہیں ملے تھے۔

حمید نے لباس تبدیل کیا اور پلنگ پر گر گیا۔ اس نے دو بڑے پیگ وہسکی کے پیئے تھے اس لئے اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہوا جا رہا تھا...... حالانکہ وہ ابھی سونا نہیں چاہتا تھا...... انور کے متعلق...... لیکن اسے پلنگ سے اٹھ کر روشنی بجھانے کی بھی مہلت نہ ملی...... اور وہ گہری نیند سو گیا۔

اور پھر رات گئے شاید وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جس نے اُسے جگادیا۔ بستر پر لیٹے ہی لیٹے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں...... اور پھر بڑھتی ہوئی خنکی نے اُسے کمبل تان لینے پر مجبور کردیا۔ آواز پھر آئی اور اس نے منہ کھول دیا...... کھٹ...... کھٹ...... کھٹ...... چرر......!" کوئی دوسری طرف شائد کھڑکی پر زور لگا رہا تھا۔ مگر کھڑکی......؟ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا...... وہ کھڑکی تو ہوٹل کی عمارت کی پشت پر کھلتی تھی، اور یہ کمرہ تیسری منزل پر تھا...... نیچے تک بالکل سپاٹ دیوار چلی گئی تھی۔ حمید پلنگ سے اتر ہی رہا تھا کہ دونوں پٹ زوردار کھٹاکے کے ساتھ کھل گئے اور حمید کو کھڑکی میں ایک بڑا خوفناک چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا دہانہ نصف رخساروں تک پھٹا ہوا تھا...... ناک لمبی لیکن پھولی ہوئی تھی۔ آنکھیں کافی بڑی اور وحشت ناک تھیں۔

"تہے سوئی ہارس دے سالومن[1]" پھٹے ہوئے ہونٹوں سے غرائی ہوئی سی آواز نکلی۔

حمید کا ہاتھ بے اختیار تکئے کے نیچے گیا جہاں ریوالور رکھا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ حمید تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹا لیکن باہر اندھیرا تھا...... اس نے پلٹ کر ٹارچ اٹھائی۔ پھر اس نے دیکھا پائپ کے سہارے ایک طویل القامت آدمی بڑی تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ اس نے پھر شاید دس گیارہ فٹ کی بلندی ہی سے زمین پر چھلانگ لگادی اور تیزی سے بھاگتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہوگیا۔ اس کی ننگی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔

خونی چٹان

وہ حمید کی ٹارچ کی روشنی کی پہنچ سے دور ہو چکا تھا۔ حمید کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ بات یہ تھی کہ ابھی تک اس کا ذہن نیند کے اثر سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا اور اس کی کیفیت کچھ اُسی قسم

[1] میں سلیمان کا گھوڑا ہوں۔

13

...جیسے کان کے قریب اچانک کسی دھماکے سے آنکھ کھل جائے۔

"شائیں......!" کوئی جلتی ہوئی چیز اُس کے الجھے ہوئے بالوں سے گزرتی ہوئی پچھلی ...ے ٹکرائی...... اور حمید نے پلاسٹر ادھڑنے کی آواز صاف سنی اور پھر اسے اچھی طرح ہوش ...وہ کھڑے ہی کھڑے دھڑام سے فرش کی طرف گرا۔ اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا ...ر گولی ایک انچ اور نیچے کی طرف جھکی ہوتی تو اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

اس کے جسم کے مسامات نے بیک وقت بہت سا ٹھنڈا پسینہ اگل دیا اور شاید ایک منٹ ...ں کا ذہن بالکل ہی مفلوج رہا۔

پھر حمید نے کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں کی۔ وہ رینگتا ہوا اُس میز کے پہنچا جس پر فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر بزر پر انگلی رکھ دی اور اسے متواتر ...ا چلا گیا۔ شاید دو منٹ تک یہی کرتا رہا۔ پھر اسے راہ داری میں قدموں کی آہٹ سنائی ...ی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ڈیوٹی کلرک تھا اور ...حرکت پر جھلایا ہوا خود ہی دوڑ آیا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت اور غصہ کے ملے جلے ...تھے۔

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید نے جلدی جلدی پورا واقعہ دہراتے ہوئے اپنے جھلسے ...بال اور دیوار کا ادھڑا ہوا پلاسٹر دکھایا۔

"حیرت...... سخت حیرت......!" کلرک پاگلوں کی طرح بڑبڑایا۔ پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ ...ئے کپتان صاحب میرا خیال ہے کہ ہم خاموشی سے اس کی چھان بین کریں ورنہ دوسرے ...دل پر بُرا اثر پڑے گا۔ میں ابھی خانگی سراغ رساں کو لاتا ہوں۔"

"کچھ بھی کرو......!" حمید غضیلی آواز میں بولا۔ "لیکن مجھے اسی وقت ایک ایسا کمرہ ...ئے جس کی کھڑکیاں باہر کی طرف نہ کھلتی ہوں۔"

"ٹھہریئے...... مجھے سوچنے دیجئے...... ہاں بے شک میں آپ کو ایسا کمرہ اسی وقت ...سکتا ہوں۔"

پھر تھوڑی دیر بعد خانگی سراغ رساں کی موجودگی میں اس کا سامان دوسرے کمرے میں منتقل کردیا گیا۔ حمید نے بقیہ رات جاگ کر ہی گزار دی اور ہوٹل کے ذمہ دار لوگ تفتیش پر مشغول ہوگئے۔ انہوں نے حمید سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ مسافروں سے نہ کرے ویسے وہ پولیس کو اطلاع دے سکتا ہے۔ دوسری صبح حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ فریدی کی ہدایات کے سلسلے میں لکیر کا فقیر نہ بنا رہے گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ اُسے اپنی زندگی ہی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میجر نصرت سے مل کر اُس سے اس مسئلے پر گفتگو کی جائے میجر نصرت محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ تھا اور حال ہی میں ٹیکم گڑھ سے تبدیل ہوکر یہاں آیا تھا۔ فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھا اور حمید کا بڑا خیال کرتا تھا۔

میجر نصرت حمید کو کیپٹن پرکاش کے بھیس میں پہچان نہیں سکا...... اور پھر جب حمید نے بتایا تو اُسے حیرت بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریدی میک اپ کا ماہر ہے اور سراغ رسانی کے اُس پرانے طریقے پر صرف وہی اب تک کاربند ہے لیکن اس میں بھی اس نے جدتیں کی ہیں۔

اور پھر جب حمید نے سارے واقعات دہراتے ہوئے اپنی ملاقات کا مقصد بیان کیا تو میجر نصرت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"وہ آدمی......!" اس نے کہا۔ "ہاں میں نے بھی اسے ارجن گھاٹی میں دیکھا ہے۔ لیکن...... یہ خبر بڑی حیرت انگیز ہے کہ وہ اب آبادی میں داخل ہونے لگا ہے۔ لیکن تمہارے ہی کمرے میں کیوں؟"

"آپ کو مسٹر براؤن والی بات تو یاد ہوگی۔"

"ہاں...... اور میں نے اس کے متعلق اطلاع بھی دی تھی۔ بعد کو فریدی نے اس کے بارے میں پوچھا تھا لیکن وہ بھی واپس کردیا گیا تھا۔"

"سیٹھ صمدانی اور اس کی سیکریٹری کے قتل میں اسی مسٹر براؤن کا ہاتھ ہے۔" حمید نے اور اُس کے واقعات بھی فریدی کے دلائل سمیت دہرائے۔

"مائی گڈنس......!" میجر نصرت انگلی سے اپنا داہنا گال کھجاتا ہوا بولا۔ "تب تو ان افواہوں کو اہمیت دینی ہی پڑے گی۔"

"کن افواہوں کو......!"

"بھئی بات یہ ہے وہ آدمی عجیب الخلقت ہے۔ اس لئے لوگ اس کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں۔ لہٰذا سننے میں آیا ہے کہ اُس کے پیچھے جانے والوں میں سے اکثر واپس نہیں آتے اور ابھی تک تقریباً تیس یا چالیس آدمیوں کی گمشدگی کی رپورٹ درج ہوچکی ہے۔"

"آپ نے اُسے پکڑنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"ارے یار...... وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ...... جس حیرت انگیز تیزی سے وہ چٹانوں پر چڑھتا ہے کسی آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن اب ہم اُس پر فائر کریں گے۔"

"کیوں نہ آج ہم اس کی تلاش میں چلیں۔" حمید نے تجویز پیش کی۔

"قطعی...... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں...... ویسے میرا خیال ہے کہ اب تم اس ہوٹل کی سکونت کو ترک کردو۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مسٹر براؤن کا کچھ نہ کچھ تعلق اس ہوٹل سے ضرور ہے۔"

"اور وہ تمہیں اس بھیس میں بھی پہچانتا ہے۔"

"حملے کا تو یہی مطلب ہوسکتا ہے۔" حمید بولا۔

"اور پھر ایسی صورت میں بھی تم وہاں قیام کروگے۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر روانگی کی تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ پولیس کی ایک لاری میں دس مسلح کانسٹیبلوں سمیت وہ ارجن گھاٹی کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب گھاٹی کا فاصلہ دو میل رہ گیا تو انہیں لاری چھوڑ دینی پڑی کیونکہ آگے چل کر دشوار گزار راستہ شروع ہوگیا تھا۔ یہاں کوئی سڑک نہیں تھی۔ چاروں طرف بے ترتیب چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

راہ میں انہیں اور لوگ بھی ملے جو اس حیرت انگیز آدمی کی تلاش میں نکلے تھے۔ میجر
نصرت نے حمید کو بتایا کہ وہاں کافی بھیڑ ہوجاتی ہے۔ لیکن بہت کم آدمی گھاٹی میں اترنے کی
ہمت کرتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے کافی نشیب میں اور پھر راستہ بھی دشوار گزار ہے۔ دراصل کبھی
وہ بہت بڑی جھیل رہی تو ہوگی لیکن کسی وجہ سے اس کا پانی خشک ہوجانے کی بناء پر اب وہاں
سبزہ زار نظر آتا تھا...... اور ارجن گھاٹی کو بس چپکے چپکے بونے ہی سے تشبیہہ دی جاسکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں وہ کھڑے تھے۔ وہاں سے گھاٹی کی گہرائی
تین سو فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ نیچے کی زمین قریب قریب برابر تھی اور اس پر سبزہ
لہلہاتا نظر آرہا تھا۔ چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور چٹانوں کے درمیان میں وہ
وادی شاید ایک میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔

"دیکھو......!" میجر نصرت نے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔ "تم سب چٹانوں کی اوٹ
لے کر نکلنے کی کوشش کرو۔ خیال رہے کہ اس کی نظر تم پر نہ پڑنے پائے۔ پہلے اُسے گھیر کر زندہ
پکڑنے کی کوشش کرنا۔ جب ہاتھ سے نکلنے لگے تو پھر فائر کرنا۔"

مسلح سپاہی ایک ایک کر کے دور تک پھیل گئے اور پھر انہوں نے نیچے اترنا شروع کر دیا۔
میجر نصرت نے تماشائیوں سے کہا۔ "آپ لوگ براہِ کرم پیچھے ہٹ جائیے اور کوئی صاحب نیچے
جانے کی کوشش نہ کریں ورنہ اگر کسی کی جان گئی تو پولیس ذمہ دار نہ ہوگی۔"

لوگوں نے حیرت سے اس کی بات سنی۔ کچھ لوگ وجہ بھی پوچھنے لگے لیکن میجر نصرت نے
کوئی جواب نہ دیا۔ اب اس نے حمید سے کہا۔

"آؤ...... اب ہم نیچے چلیں...... تمہارے پاس ریوالور تو ہوگا ہی...... ہمیں دراصل یہ بھی
دیکھنا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے؟"

دونوں ایک دراڑ میں اتر گئے۔ لیکن تیس یا چالیس فٹ سے زیادہ دور نہیں جاسکے کیونکہ
آگے چل کر راستہ خط مستقیم کی طرح سیدھا ہوگیا تھا۔ وہ پھر اوپر آگئے اور اب انہیں دوسرے
راستے کی تلاش ہوئی۔

"بس راستوں ہی کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔ "ورنہ یہ گھاٹی اب تک
نا نہ رہتی۔"

انہیں جلد ہی دوسرا راستہ مل گیا۔ لیکن یہ بھی اتنا دشوار گزار تھا کہ وہ آدھی مسافت تقریباً
گھنٹے میں طے کر پائے۔

"وہ دیکھو...... وہ رہا۔" دفعتاً میجر نصرت نے کہا۔ حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ فاصلہ کافی
ر بھی اسے سامنے کی چٹانوں میں ایک آدمی نظر آیا جو اچھلتا کودتا ہوا نیچے کی طرف آرہا تھا۔

"یعنی یہ اس کا معمول ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"قطعی...... وہ روزانہ اسی وقت گھاس چرنے آتا ہے۔" میجر نصرت نے ہنس کر کہا۔ پھر
گی سے بولا۔ "اگر اس کے جسم پر پتلون نہ ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ وہ شاید کسی قدیم ترین
کا آدمی ہے جو کسی غار میں پڑا رہتا ہوگا لیکن اب حالات کی بناء پر میں یہ بھی باور کر لینے
یار ہوں کہ وہ کسی شاطر ترین آدمی کا آلہ کار ہے۔ آخر ان آدمیوں کے غائب ہوجانے
کیا مطلب لیا جائے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی بڑی چٹانیں پھلانگتا ہوا
ی سے دوڑتا ہوا نیچے کی طرف آرہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ وادی میں اتر آیا۔ حمید نے
اہٹ کی آواز سنی جو ہو بہو کسی گھوڑے کی آواز تھی۔ پھر وہ عجیب الخلقت آدمی گھٹنوں کے بل
ل ہاتھوں پر رینگ رینگ کر گھاس چرنے لگا۔

کبھی کبھی وہ رک رک کر گھوڑوں کی طرح منہ اٹھاتے ہوئے ہنہنانے لگتا تھا۔

"یہ بھی عجیب بات ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔ "آدھی انگریزی آدھی فرانسیسی بولتا ہے۔"

"حالانکہ اس کو دونوں زبانوں کا عالم ہونا چاہئے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ میجر نصرت
نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگا۔

"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم سارجنٹ حمید ہو...... مسخرے۔" اُس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ فریدی کا تو ناطقہ بند رہتا ہوگا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تم میری سفید

موچھوں کا خیال رکھو گے۔"

حمید نے ایک سعادت مند برخوردار کی طرح مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"پتہ نہیں...... ہمارے آدمی نیچے پہنچے بھی یا......" میجر نصرت کچھ اور کہتے کہتے رک گیا...... حمید کی نظر بھی اٹھ گئی...... نیچے وادی میں کھڑا وہ ہاتھ ہلا کر چیخ رہا تھا۔ غالباً وہ اوپر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر شاید ان دونوں کو نیچے آتا دیکھ کر اُس نے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور دوبارہ گھاس پر منہ مارنے لگا۔

انہوں نے اپنی رفتار تیز کردی...... ابھی تک شاید دوسرے سپاہی نیچے نہیں پہنچ سکے تھے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر سپاہی اُسے گھیرے میں کیسے لیں گے۔ چاروں طرف سے گھیرنا تو بالکل ہی ناممکن تھا۔ کیونکہ راستے دشوار گزار تھے۔ اگر سپاہی کسی نہ کسی طرح نیچے پہنچ گئے تو ان میں اتنا دم نہیں ہوگا کہ وہ دوڑ کر وادی کا پورا چکر لگا سکیں۔ حمید صرف سوچتا رہا۔ اُس نے یہ بات میجر نصرت سے نہیں کی۔ فی الحال تو اس کا مقصد صرف اس انسان نما حیوان کو قریب سے دیکھنا تھا۔

ان کے ساتھ ہی سپاہی بھی ایک ایک کر کے نیچے پہنچ گئے اور وہ سب ایک ہی جگہ اکٹھے ہوگئے تھے۔ اب شاید میجر نصرت کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہوا دوسری طرف وہ حیوان انسان جو اُن سے ڈیڑھ فرلانگ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ چوکنا نظر آنے لگا تھا۔ اُس۔ گھاس چرتے چرتے منہ اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا اور ہونٹوں سے فرفراہٹ کی آوازیں نکالتا ہوا دولتیاں جھاڑنے لگا۔

"فائر کرو۔" میجر نصرت نے جلدی سے کہا۔

دس رائفلیں اٹھیں لیکن باڑھ مارنے سے پہلے ہی وہ اچھل کر بھاگا...... باڑھ ماری گئی...... وہ لڑکھڑا کر گرا لیکن پھر بھاگنے لگا۔ اس بار اس کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ چٹانوں تک پہنچ گیا۔ حمید اور اس کے ساتھیوں نے بھی دوڑنا شروع کردیا۔ لیکن ابھی انہوں نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ وہ سامنے والی چٹانوں پر

کودتا ہوا نظروں سے غائب ہوگیا۔

"یہ تو ناممکن ہے۔" میجر نصرت ہانپتا ہوا بولا۔ "کہ اسے ایک بھی گولی نہ لگی ہو۔"

پھر اس نے سپاہیوں سے کہا: "بھاگتے چلو...... آج ہم اُسے تلاش کر کے ہی دم لیں گے۔"

چٹانوں کے سلسلے تک پہنچتے پہنچتے وہ گدھوں کی طرح ہانپنے لگا اور حمید نے جب ان چٹانوں کو قریب سے دیکھا تو اُس کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ انہیں چٹانوں پر بندروں کی طرح اچھل کود کر رہا تھا۔ یہ چٹانیں تو ایسی تھیں کہ ان پر چلنا بھی دشوار تھا۔

وہ نیچے ہی ٹھہر کر دم لینے لگے۔

"وہ دیکھیے وہ رہا۔" اچانک ایک سپاہی چلایا اور سب کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ وہ اپنے بڑے بڑے دانت نکالے کافی بلندی پر چٹانوں سے جھانک رہا تھا۔

"آؤ...... شیطان کے...... گدھے کے بچو۔" اس نے انگریزی اور فرانسیسی ملی جلی زبانوں میں چیخ کر کہا اور پھر جلدی سے اپنا سر پیچھے کھینچ لیا کیونکہ ادھر رائفلیں سیدھی ہوگئی تھیں۔

"کیا اسے گولیاں نہیں لگیں۔" میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ تماشائیوں کو بھی وادی میں اترتے دیکھ رہا تھا۔

"میں آج اس کے ٹھکانے کا پتہ لگا کر ہی دم لوں گا۔" میجر نصرت نے پھر کہا۔

سپاہیوں نے چٹانوں پر چڑھنا شروع کردیا۔ حمید اور میجر نصرت بھی آگے بڑھے۔

"میرے خیال سے آپ یہیں نیچے انتظار کیجیے۔" حمید نے میجر نصرت سے کہا۔

"اوہو...... برخوردار...... اب میں اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوں۔" میجر نصرت ہنس کر بولا۔

ایک چٹان سے دوسری چٹان پر پہنچنا بڑا دشوار تھا۔ سپاہیوں نے اپنی رائفلیں کاندھے سے لٹکا لی تھیں اور بڑی عرق ریزیوں کے ساتھ اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید سب سے آگے تھا اور اس کے ساتھ دو پھرتیلے سپاہی تھے جو بلیوں کی طرح چستی دکھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو بہت ہی پرجوش معلوم ہو رہا تھا اور وہ حمید پر بھی سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اوپر پہنچنے کے لئے آخری چٹان بڑی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوئی تھی۔ وہ کافی طویل و

عریض تھی۔ دس فٹ کی بلندی پر ایک بڑے سائبان کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ
کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس سلسلے کی دوسری چٹانیں دیوار کی طرح سیدھی کھڑی ہوئی تھ
اور کہیں سے بھی ان کی اونچائی پچاس فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ حمید کے ساتھ وا
پرجوش سپاہی نے نیچے کی ایک چھوٹی چٹان پر کھڑے ہو کر چھلانگ لگائی اور اوپر نکلی ہ
سائبان نما چٹان کا کنارہ پکڑ کر جھول گیا۔ پھر اس نے بندروں کی طرح اپنی ٹانگیں اوپر اٹھا
اور دوسرے لمحے میں چٹان پر تھا...... لیکن وہ چیخ...... شاید حمید اُسے کبھی نہ بھلا سکے۔

چیخ ہی کے ساتھ حمید نے اس سپاہی کو ہوا میں اڑتے دیکھا اور اب وہ بلندی سے پ
ہوئی ایک کنکری کی طرح نیچے وادی میں جا رہا تھا۔ ایک چیخ اور سنائی دی...... اور پھر
چھا گیا۔

پوری وادی شور سے گونج رہی تھی اور وہ سب بے تحاشہ نیچے کی طرف بھاگ ر
تھے...... گرتے پڑتے...... حمید بھی وہاں نہ ٹھہر سکا۔ حالانکہ اوپر بالکل سناٹا تھا۔

نیچے پہنچ کر انہیں ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑوں کا ایک ڈھیر نظر آیا جس کے قرب و ج
کی زمین سرخ ہو رہی تھی۔ تماشائی چیخ رہے تھے۔ میجر نصرت پر بدحواسی طاری تھی اور سپاہ
اس طرح کانپ رہے تھے جیسے کچھ دیر بعد ان کا بھی یہی حشر ہو گا۔

"یہ ہوا کیسے......" میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم۔" حمید نے چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "وہ اوپر چلا
تھا...... پھر میں نے اسے اچھل کر نیچے جاتے دیکھا۔"

"کیا اس نے پھینک دیا۔" میجر نصرت بولا۔

"نہیں......!" تماشائیوں کے مجمعے سے ایک بوڑھے مگر قوی الجثہ انگریز نے آگے بڑ
کر کہا۔ "چٹان پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔"

مشتبہ انگریز

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔

"ہم نیچے سے صاف دیکھ رہے تھے۔" انگریز پھر بولا۔ "وہ چٹان پر تنہا تھا...... اور اس
خود ہی چھلانگ لگائی تھی۔"

دوسرے تماشائیوں نے بھی اس کی تائید کی۔ ان سب نے بھی وہی دیکھا تھا۔ چٹان پر
ی کے علاوہ انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

"عجیب بات ہے۔" میجر نصرت مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

حمید کی نظریں اب بھی انگریز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا ذہن نہ جانے کیوں براؤن
ہن کی گردان کر رہا تھا۔

اس نے تماشائیوں کی بھیڑ میں انور اور رشیدہ کو بھی دیکھا جو اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھ
ہے تھے۔

"آخر وہ خود ہی فائرنگ کیوں کرنے لگا۔" حمید نے میجر نصرت کی آواز سنی جو منہ اوپر
ٹے اس خطرناک چٹان کو گھور رہا تھا۔

"اسے یقیناً دھکیلا گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" انگریز بولا۔ "اس کے قریب کوئی بھی نہیں تھا۔"

"آخر آپ لوگ نیچے کیوں آئے جب منع کر دیا گیا تھا۔" حمید الٹ پڑا کسی نے کوئی
اب نہیں دیا۔

"چھوڑو بھئی...... بحث رہنے دو۔" میجر نصرت نے مضطرانہ انداز میں کہا۔

"اب ہمیں کو کیا کرنا چاہئے۔"

پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک سپاہی کی مڑی تڑی لاش اٹھانے کے مسئلے پر گفتگو کرتے

رہے لیکن کوئی اسے ہاتھ لگانے پر بھی رضا مند نہیں نظر آتا تھا۔ کافی دیر بعد فیصلہ ہوا کہ لاری کی
ایک سیٹ نکالی جائے اور لاش کو اسی پر ڈال کر اوپر لے جایا جائے۔

ان کی واپسی بڑی اندوہناک تھی۔ راستے بھر کوئی کچھ نہ بولا۔ ان کے ذہن بوجھل سے
ہو رہے تھے اور دل کی دھڑکنیں سروں میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔

شہر پہنچ کر حمید نے اس واقعے کے بارے میں میجر نصرت سے گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ
بہت زیادہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اس لئے پھر حمید ٹال ہی گیا۔

ہوٹل آیا تو یہاں اور ہی شگوفہ کھلا ہوا دیکھا۔ ہال میں انور اور رشیدہ کے ساتھ قاسم بھی
موجود تھا۔ حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ انور نے مسکرا کر اُسے اشارہ کیا اور اپنے ساتھ بیٹھنے کی
دعوت دی۔ حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔

"آپ بھی تو تھے شاید ارجن گھاٹی میں۔" انور نے کہا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔"

"میرا تعلق تمہارے باپ کے جنازے سے ہے۔" حمید ناک کے بل بولا۔

"کیا مطلب......!" انور کی بھنوئیں تن گئیں۔

"کیا تم کرائمز رپورٹر انور نہیں ہو۔"

"ہوں تو پھر......!"

"کیا صمدانی والے معاملے میں تمہارا نام نہیں لیا جاتا۔" حمید نے کہا۔

لیکن اس بار بے خیالی میں اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکا۔ انور اسے گھورنے لگا پھر منہ بنا کر بولا۔

"تو یہ تم ہو۔"

"ہاں میں ہوں......اور وہ شخص یہاں موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے تم اب تک بچے
رہے ہو۔ میں اب دیکھوں گا تمہیں۔"

"کیا کرو گے؟"

"بند کروں گا تم دونوں کو۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ قاسم ابھی تک کچھ نہیں
...فا تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔

"جھک مارتے ہو۔" انور بولا۔

"کیوں بے! تم کیوں دکھائی دیئے یہاں۔" حمید نے قاسم سے پوچھا۔

"بے......کیا مطلب!" قاسم بگڑ کر بولا۔ "میں آپ سے واقف نہیں ہوں اور آپ مجھ
اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔"

"صمدانی کا تعاقب تم نے کیا تھا تم نے۔"

"ارے......ار......نن نہیں تو......آپ کو حساب فہمی ہوئی ہے۔" قاسم بوکھلا کر اپنی
...وپڑی سے نکل گیا۔

"حساب فہمی نہیں غلط فہمی۔" حمید دانت پیس کر بولا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

قاسم بُری طرح گڑبڑانے لگا۔

حمید نے انور سے پوچھا۔ "تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

"تم سے مطلب......!"

"تم براؤن کے آلہ کار ہو۔ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور ابھی ہیڈ کوارٹر کو فون کرتا
...ں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"حمید بھائی خدا کے لئے......" رشیدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"حمید بھائی......!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"تم دخل نہ دو......!" حمید نے رشیدہ سے کہا۔ "مجھے تم سے بہت محبت ہے۔"

"کیا......!" قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

"بیٹھ......نہیں تو ابھی چھرا مار کر تیزی تو ند برابر کر دوں گا......لم ڈھنگ......!" حمید
نے قاسم سے کہا۔

"تم محبت کرتے ہو ان سے۔" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"چلو اٹھو...... یہاں سے۔" انور نے رشیدہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"جاؤ...... لیکن رات حوالات میں ہی گزرے گی۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

انور اور رشیدہ اٹھ کر چلے گئے۔ قاسم نے بھی جانا چاہا لیکن حمید نے اسے روک لیا۔

"اب بتاؤ بیٹا تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

"میں گارت ہو گیا...... حمید بھائی۔" قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

"عشق کا چکر ہے۔"

"یہ سالا انور نہیں چاہتا کہ میں اس سے ملوں...... چپ چاپ اسے لے کر یہاں آیا۔ میں نے بڑی مشکل سے پتہ لگایا کہ وہ مجھے بے حد پسند کرتی ہے۔"

"کون رشیدہ......!"

قاسم نے جواب میں سر ہلا دیا۔

"ابے کیوں شامت آئی ہے؟"

"نہیں حمید بھائی...... اللہ قسم وہ بھی مجھ سے موحبت کرتی ہے۔ مگر یہ سالا انور۔"

"تو تم اسے اپنا سالا بناؤ گے۔ ابے وہ تیرے پرخچے اڑا دے گا۔ رشیدہ نے تمہیں ا بنایا ہے۔"

"نہیں...... وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔" قاسم نے کہا۔

"خیریت اسی میں ہے کہ تم واپس جاؤ۔"

"نہیں جاؤں گا...... چاہے جان چلی جائے۔ میں سب سمجھتا ہوں۔"

"کیا سمجھتے ہو......؟"

"تم نے کہا تھا کہ تمہیں اس سے موحبت ہے۔"

"اچھا ہے تو پھر......!"

"تو پھر......!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "دیکھ لینا۔"

حمید نے رشیدہ کو دیکھا جو تنہا اسی کی طرف آ رہی تھی۔

"ذرا...... ادھر آؤ۔" اس نے حمید کو الگ بلایا اور قاسم اندر ہی اندر کھولنے لگا۔

حمید اٹھ کر رشیدہ کے قریب چلا گیا۔

"میں نے انور کو منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانا۔" رشیدہ نے کہا۔ "وہ دراصل سجاد کے جنرل کے لئے کام کر رہا ہے۔"

"گویا فریدی صاحب سے ٹکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔ "کیا نہیں معلوم کہ وہ سجاد کی تلاش میں ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم لوگ اسی ہوٹل میں کیوں ٹھہرے۔"

اس پر رشیدہ نے تار والا واقعہ بتاتے ہوئے کہا۔ "اسی سے انور نے اندازہ لگایا کہ ں کا کچھ نہ کچھ تعلق شیزان ہوٹل سے ضرور ہو سکتا ہے۔"

"لیکن انور کی یہ حرکت اسے بڑی مہنگی پڑے گی۔ فریدی صاحب اُسے ہرگز نہ پسند یں گے۔"

"میں نے بھی یہی کہا تھا...... لیکن اس نے کہا کہ ایسا موقعہ آیا تو وہ الگ ہو جائے گا۔"

"لیکن انور نے مجرموں کو ہوشیار کر دیا ہے۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ پچھلی رات مجھ پر ہو چکا ہے۔" حمید نے رات والے واقعات دہرائے۔

"یہ تو خطرناک بات ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"اسی لئے اب میں میک اپ کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا۔ ویسے میں اسے برقرار ں گا اس لئے کہ ہز ہارڈنس کا یہی حکم تھا۔"

وہ بھی اسی میز پر آ گئے جہاں قاسم بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

"لیکن وہ چٹان والا حادثہ میری سمجھ میں نہ آ سکا۔" رشیدہ بولی۔

"اس پر گولیاں بھی چلائی گئی تھیں۔" حمید نے کہا۔

"ہم اس وقت وہیں تھے...... آخر یہ آدمی ہے کیا بلا۔"

"قاسم کا چچا......!" حمید نے کہا۔

"میں بھی اس سالے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" قاسم بولا۔

"اب آ ہی گئے ہو تو میں تمہاری اور اس کی کشتی کراؤں گا۔"

"مروڑ کر رکھ دوں سالے کو......" قاسم نے سینہ تان کر کہا۔

اچانک حمید کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور اس نے اسی انگریز کو ہال ؛ داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس نے ارجن گھاٹی میں سپاہی کے گرنے کے متعلق ایک حیرت اَ بات بتائی تھی۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

حمید کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ انگریز نے کاؤنٹر پر رک کر ادھر اُدھر دیکھے بغیر کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا جس کے جواب میں کلرک نے ایک طویل سانس لی اور رجسٹروں کے ڈھیر سے ایک رجسٹر نکال کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس دوران میں انگریز نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور سگریٹ رول کرتا رہا۔

اس کی عمر پچاس ساٹھ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ چہرہ بھاری اور کھوپڑی انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھی۔ جبڑوں کی مخصوص بناوٹ اس کی سخت گیری کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ قوی مضبوط تھے اور حرکات وسکنات سے پھرتیلا پن ظاہر ہوتا تھا۔ اس نے حمید وغیرہ اچٹتی سی نظر ڈالی اور رول کئے ہوئے سگریٹ کے سرے کو ہونٹوں میں گھما کر نم کرنے لگا۔ اس کی انگلیاں کثرت تمباکو نوشی سے بھوری نظر آ رہی تھیں۔

کلرک نے رجسٹر بند کر کے کچھ کہا اور انگریز اسے گھورنے لگا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا ک سوچتا رہا پھر ہال سے نکل گیا۔

حمید اٹھ کر کاؤنٹر کلرک کے پاس آیا۔

"کیپٹن پرکاش کی کوئی فون کال تو نہیں تھی۔" اس نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔

"جی نہیں...... لیکن ٹھہریئے...... کیا نام بتایا تھا آپ نے...... کیپٹن پرکاش...... آپ ایک ایروگرام ہے۔"

"اوہو...... ٹھیک...... میں اس کا منتظر ہی تھا۔"

کاؤنٹر کلرک نے ڈرائر سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی کا ایروگرا

ہیڈرڈ سے روانہ کیا گیا تھا۔ پیغام تھا کہ حمید وہیں مقیم رہے۔ فریدی بہت جلد واپس آئے

ید نے لفافے کو توڑ مروڑ کر جیب میں ٹھونس لیا۔ پھر وہ کاؤنٹر کلرک سے بولا۔

"یہ صاحب جو ابھی یہاں تھے، میرا خیال ہے کہ میں انہیں جانتا ہوں...... یہ مسٹر پارکر تھے۔"

"جی نہیں...... مسٹر مورگن......!" کلرک نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ پارکر ان کا پہلا نام ہے۔ میں انہیں بچپن میں انکل پارکر کہا کرتا تھا۔ ے والد کے بڑے گہرے دوستوں میں سے تھے اور اس وقت ان کے سر پر گھونگھریالے بال رتے تھے۔ مجھے صدمہ ہے کہ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں۔ کس نمبر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"اڑتالیس میں۔" کلرک نے جان چھڑانے کے سے انداز میں کہا اور اپنے رجسٹروں کی ں متوجہ ہو گیا۔

"کب سے ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"یہ بتانا مشکل ہے۔" کلرک نے رجسٹر پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "آپ انہیں سے یافت کرلیں تو بہتر ہے۔"

پھر شاید اچانک اسے یاد آ گیا کہ قیام کرنے والوں کی اوٹ پٹانگ گفتگو میں دلچسپی لینا ی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ اس نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر دانت لتے ہوئے کہا۔

"کپتان صاحب! بات یہ ہے کہ یہ بات وہی کلرک بتا سکتا ہے جس نے اندراج کیا ہ۔ قدرتی بات ہے کہ مسٹر مورگن سے آپ ضرور ملاقات کریں گے...... وہ آپ کے پرانے نا سا ہیں۔"

"ضرور ضرور...... میں ان سے ضرور ملوں گا۔" حمید نے ہنس کر کہا اور وہاں سے ہٹ آیا۔

یہاں قاسم رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔ "اجاڑ راتوں میں...... میرا دم نکل جاتا ہے۔ ہائے ہاں کی سرسبز پہاڑیاں...... آسمان میں چاند تارے ہوائیں سسکیاں بھرتی ہیں۔"

حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا۔

''ہوائیں سسکیاں بھرتی ہیں۔'' حمید اسے گھور کر بولا۔ ''بیمار ہیں ہوائیں۔ ہواؤں کا معدہ خراب ہوگیا ہے۔ کہیں تیرا دماغ نہ خراب ہوجائے۔''

رشیدہ ہنس پڑی اور قاسم تاؤ کھا کر رہ گیا۔ رشیدہ کچھ دیر اور بیٹھی پھر اٹھ کر چلی گئی۔

''تم بہت واہیات آدمی ہو۔'' قاسم نے حمید سے کہا۔

''سچ مچ تمہاری بربادی کے دن قریب آ گئے ہیں۔''

''تم کیوں میرے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہو۔''

''میں تمہیں آدمی بنانا چاہتا ہوں...... تم نے آج تک رشیدہ کو کوئی تحفہ دیا۔''

''نہیں کوئی نہیں۔''

''بس خالی خولی...... زبانی خرچ...... محبوباؤں کی خدمت میں کم از کم پھول ہی پیش کردیتے ہیں۔''

''پھول...... صرف پھول...... یہ تو......!''

''ہاں...... پھول...... رشیدہ گوبھی کے پھولوں پر جان دیتی ہے۔''

''گوبھی کے پھول......!'' قاسم نے حیرت سے کہا۔

''ہاں...... پسند ہے اپنی اپنی۔''

''نہیں تم مذاق کررہے ہو۔''

''اچھا جی...... میں آپ سے مذاق کروں گا۔'' حمید غصیلی آواز میں بولا۔

مذاق سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے تم میں۔

''نہیں حمید بھائی...... ٹھیک ٹھیک بتاؤ...... الاقسم میں مغموم ہوں۔''

''فریدی صاحب کو تم جانتے ہو...... آخر انہیں سانپوں سے کیوں عشق ہے کوئی بھی اچھا بھلا آدمی مداری بننا پسند کرے گا۔ مگر شوق کی وجہ سے مجبوری ہے۔ اسی طرح رشیدہ بھی...... گوبھی کا پھول پسند کرتی ہے جتنا بڑا پھول ہوگا اتنا ہی خوش ہوگی۔''

''ایک پھول کافی ہوگا۔'' قاسم نے پوچھا۔

''ایک میں کیا ہوگا...... کم از کم پانچ عدد کافی وزنی پھول۔ ایک کشتی میں ریشمی رومال ...کر پیش کردینا۔''

''مجھے افسوس ہے......'' قاسم غمزدہ آواز میں بولا۔ ''میں تو اس کی خدمت میں ایک جڑاؤ ...رنا چاہتا تھا۔''

''وہ تم مجھے پیش کردو...... مجھے زیورات کا شوق ہے۔ میں اکثر تنہائی میں انہیں پہن کر آئینے کے سامنے کھڑا رہتا ہوں۔''

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا...... اس دوران میں حمید نے مورگن کو دوبارہ ہال میں ...تے اور اوپری منزل کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔ اس لئے اب وہ قاسم سے پیچھا چھڑانا ...... اور وہ اس میں جلد ہی کامیاب بھی ہوگیا۔

اڑتالیس نمبر کا کمرہ دوسری منزل پر راہداری کے سرے پر واقع تھا۔

راہداری سنسان پڑی تھی اور سارے کمرے بند تھے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی حماقت ...ن پھر بھی حمید مورگن کے کمرے میں جھانکنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ اس نے ...ے کے بل فرش پر بیٹھ کر کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگادی۔

مورگن کمرے کے فرش پر بیٹھا ایک چھوٹی سی سیمی مشین گن میں میگزین چڑھا رہا تھا۔ ...ے فارغ ہونے کے بعد اس نے اسے ایک چمڑے کے سوٹ کیس میں رکھ دیا۔

اور پھر حمید نے اسے لباس تبدیل کرتے دیکھا۔ شائد وہ باہر جانے کی تیاری کررہا تھا۔ ...ٹھ گیا۔

شاید پندرہ منٹ بعد وہ پھر ہال میں دکھائی دیا اور اس کے ہاتھ میں وہی سوٹ کیس تھا ...ں اس نے مشین گن رکھی تھی۔

چوہیا اور جہاں پناہ

دوسری صبح سرجنٹ حمید، میجر نصرت اور تین دوسرے مقامی آفیسروں کے ساتھ ایک
کوپٹر میں ارجن گھاٹی پر پرواز کررہا تھا۔ حمید نے اپنی پچھلی رات بڑی بے چینی سے گز
تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس نے مورگن کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن وہ اسے دھوکا دے کر صا
غائب ہوگیا۔ ایسے موقع پر حمید بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔

اس نے مورگن کے متعلق میجر نصرت کو کچھ نہیں بتایا تھا اس نے سوچا ممکن ہے فر
اس کو پسند نہ کرے۔

ہیلی کاپٹر وادی سے گزر کر انہیں چٹانوں کی طرف جارہا تھا جہاں وہ عجیب الخلقت آ
غائب ہوگیا تھا۔ وہ اس چٹان سے گزر گئے جو ایک سپاہی کی ہلاکت کا باعث بنی تھی۔

دوسری طرف میلوں تک خشک اور بھورے رنگ کی چٹانوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ک
بھی کسی ذی روح کا کوئی نشان نہیں تھا۔ آفیسروں نے دو تین چھوٹے چھوٹے دستی بم چٹا
میں پھینکے اور ہیلی کاپٹر نے آدھے میل کے رقبے میں ایک چکر لگایا لیکن اس حیوان نما انسا
کوئی نشان نہ ملا۔ دو چار بم ادھر اُدھر پھر پھینکے گئے لیکن نتیجہ وہی صفر۔ آخر ایک آفیسر نے
نصرت سے کہا۔

"کیا ہیلی کاپٹر کو اتارا جائے۔"

"میں اس کی ہرگز رائے نہ دوں گا۔" حمید بولا۔

"کیوں......؟"

"مجھے وہ آدمی تنہا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی پشت پر کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"ارے جناب! اگر گولی ذرا کچھ اور نیچے آتی تو میرے سر کے ٹکڑے اڑ گئے ہوتے۔"

"ہوسکتا ہے کہ آپ پر گولی بھی اسی نے چلائی ہو۔" آفیسر نے کہا۔

"ہرگز نہیں......وہ خالی ہاتھ تھا اور میں اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔"

"تب تو پھر اس طرح اس کا ملنا محال ہے۔"

"نہیں......آپ کے ساتھ زیادہ تعداد میں مسلح آدمی ہوں تو آپ نیچے بھی اتر سکتے

" حمید بولا۔

"زیادہ آدمی......یہ بھی محال ہی ہے۔ ہیلی کاپٹر صرف ایک ہے۔"

ویسے اس کے علاوہ ان چٹانوں کو پار کرنے کا کوئی اور دوسرا طریقہ بھی نہیں ہے۔ اگر
ے تھوڑے آدمی پہنچائے جائیں تب بھی آپ کا بیان کردہ خطرہ تو باقی ہی رہتا ہے جب
آدمیوں کی دوسری کھیپ آئے گی وہ پہلی کھیپ کا صفایا کرچکے ہوں گے۔

"بھئی میں کہتا ہوں......جلدی کی ضرورت ہی نہیں۔" میجر نصرت نے کہا۔

"ہاں لیکن ہم اس چٹان کو ضرور دیکھیں گے۔"

ہیلی کاپٹر پھر گھاٹی کی طرف موڑ دیا گیا۔

"فریدی کے متعلق کچھ معلوم ہوا۔" میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

"ہاں کل میڈرڈ سے ان کا ایروگرام آیا ہے۔ وہ جلدی ہی واپس آئیں گے۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ سجاد کی تلاش فضول ہے۔ قاتل یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی
آجاتا تو سجاد کی بھی گرفت ممکن ہوجاتی۔ لیکن فریدی کے طریقے حیرت انگیز ہیں۔ ہاں اچھا
خصوص اجازت نامے کے متعلق کیا ہوا جو ایک زمانے میں منسوخ کردیا گیا تھا۔"

"وہ تو کبھی کا بحال کردیا گیا ہے۔ جیرالڈ کے خلاف جرم ثابت ہوتے ہی......ورنہ
ی اب تک مستعفی ہوچکے ہوتے۔"

ہیلی کاپٹر اس چٹان کے اوپر فضا میں پہنچ کر معلق ہوگیا اور انہوں نے کھڑکیوں سے سر
ل کر نیچے جھانکا۔ چٹان اوپر سے بالکل سپاٹ تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر بیک وقت کئی ہیلی
ر اتر سکتے تھے۔ پائلٹ نے رسیوں کی سیڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ارادہ ہے۔" حمید چونک کر بولا۔ "کیا کوئی صاحب اس پر اتریں گے۔"

ایک آفیسر نے کوئی جواب دیئے بغیر سیڑھی نیچے لٹکا دی۔

"دیکھئے میں ہرگز مشورہ نہ دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"آپ تو کسی بات کا مشورہ نہیں دیتے۔" آفیسر ہنس کر بولا۔

"یہ چٹان خطرناک ہے۔"

"اب اتنی بھی نہ ہوگی کہ مجھے دھکیل دے۔ میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ پائ
توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر گرا ہوگا۔"

"نہیں وہ اچھی طرح سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"تب وہ ایکروفوبیا کا شکار رہا ہوگا۔" آفیسر مسکرا کر بولا۔

"یہ کیا بلا ہوتی ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"بلندی سے خوف کا مرض...... بعض لوگ بہت زیادہ بلندی سے نیچے کی طرف نہیں دیکھ
سکتے اور اگر انہیں دیکھنا ہی پڑے تو وہ محسوس کرتے ہیں جیسے نیچے گرے جا رہے ہوں اور بعض
اوقات ایک قسم کی اضطراری کیفیت کے تحت چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں۔"

"اتنی نفسیات میں نے بھی پڑھی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن کبھی کبھی بہت ہی ٹھوس قسم کے
سائنسی حقائق سے بھی دوچار ہوا ہوں۔"

پھر حمید نے اپنی ایک حیرت انگیز اچھل کود کا سابقہ تجربہ بیان کیا۔[1]

"اجی چھوڑیئے کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔" آفیسر نے کہا اور لٹکی ہوئی سیڑھی سے
اترنے لگا جس کا نچلا سرا چٹان سے ایک فٹ اوپر جھول رہا تھا۔

"خدا مغفرت کرے۔" حمید بڑبڑایا۔

وہ سب بڑی توجہ اور دلچسپی سے آفیسر کو نیچے اترتے دیکھ رہے تھے۔ اس کا ایک پیر سیڑھی
پر تھا اور دوسرا اس نے چٹان پر رکھا تھا کہ ہیلی کاپٹر کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ پائلٹ اگر اسے فو
ہی حرکت میں نہ لے آتا تو وہ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے آفیسر کی چیخیں سنیں اور چٹا
خالی پڑی تھی۔

[1] اس داستان کے لئے حیرت انگیز ناول "پرہول سناٹا" جلد نمبر 11 ملاحظہ فرمائیے۔

بقیہ لوگ بدحواس ہو کر چیخنے لگے۔ اینگلو انڈین پائلٹ گالیاں بک رہا تھا۔

"اتارو...... اتارو...... جلدی کرو۔" میجر نصرت چیخا۔

ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا اور پھر وہ زمین پر ٹک گیا۔

وہ سب نیچے کود کود کر آفیسر کی لاش کی طرف دوڑے لیکن وہاں اب تھا ہی کیا...... پچکا ہوا
جس سے خون آلود مغز بہہ رہا تھا۔ گوشت کے لوتھڑے اور شکستہ ہڈیاں۔

حمید کو چکر سا آ گیا۔ پتہ نہیں اس کے دوسرے ساتھیوں پر کیا گزری۔

پھر سہ پہر تک اس کے حواس درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنے پیشے سے بُری طرح بیزار
رہا تھا۔ گھاٹی سے لوٹنے کے بعد وہ شام تک شیزان ہوٹل کے کمرے میں پڑا رہا۔

چار بجے وہ کمرے سے باہر نکلا اور اسے اپنے اعصاب کو آرڈر میں لانے کے لئے ایک
ہسکی پینی پڑی۔ وہ اس کچلی ہوئی کھوپڑی، گوشت کے لوتھڑوں اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو بھی
بول جانا چاہتا تھا۔ دل بہلانے کے لئے اس نے قاسم کی تلاش شروع کی لیکن وہ غائب تھا۔
ار اور رشیدہ کے کمرے بھی مقفل تھے۔ شاید وہ دونوں بھی باہر گئے ہوئے تھے۔

حمید ہوٹل سے باہر آ گیا۔ اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور شہر کے چکر لگانے لگا۔
ے دو ایک بار اُس پراسرار انگریز مورگن کا بھی خیال آیا لیکن اُس نے اسے اس طرح اپنے
ن سے جھاڑ دیا جیسے جسم پر رینگتی ہوئی چیونٹی بے خیالی میں جھاڑ دی جاتی ہے۔ اس وقت
ف یہ چاہتا تھا کہ اس کے دو ایک احباب ہوں اور وہ ان میں بیٹھ کر خوب قہقہے لگائے۔

راستے میں اُسے ایک کافی ہاؤز نظر آیا اور وہ ٹیکسی میں سے اتر کر اس کی طرف بڑھا۔
دروازے پر ایک مجہول سا آدمی ایک کنارے اسٹول ڈالے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ حمید کی
ہٹ پر چونک کر خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔ "نمونہ کا پرچہ مفت نہیں بھیجا جاتا سمجھے۔"

پھر اس نے ہوا میں مکا لہرا کر کسی کو خیالی دھمکی دی۔ حمید رک کر اسے گھورنے لگا۔ وہ
د کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ وہ پھر بڑبڑایا۔

"مضامین خوشخط اور صاف لکھئے...... جواب طلب اُمور کے لئے جوابی لفافہ یا پوسٹ

کارڈ آنا ضروری ہے سمجھے۔"

پھر حمید نے اپنے پیچھے قہقہے کی آواز سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ ایک دبلا پتلا نوجوان کھڑا ہنس رہا تھا۔

"یہ بیچارا......!" اس نے کہا۔ "ایک رسالے کا ایڈیٹر تھا......اور دن رات کافی ہاؤز میں بیٹھا مضامین لکھا کرتا تھا۔ آخر کار یہ اپنے سارے سرمائے کی کافی پی کر قلاش ہوگیا۔ لیکن کافی ہاؤز اس سے پھر بھی نہ چھوٹا۔ اس نے یہاں کی دربانی کر لی۔ دیکھئے کس پیار سے اندرونی میزوں کا جائزہ لے رہا ہے۔"

حمید ہنستا ہوا آگے بڑھا اور جب وہ دربان کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے اسے کہتے سنا۔ "سالے یہ کتابت ہے یا چیونٹیاں سیاہی میں ڈوب کر چلی ہیں۔"

کافی ہاؤز کافی آباد نظر آرہا تھا۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں کی فضا کھنکتے ہوئے سریلے قہقہوں اور سینٹ کی خوشبو کی لپٹوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گداز شانوں سے ریشمی ساڑیوں کے آنچل سرک رہے تھے۔

حمید نے ویٹر کو کافی کا آرڈر دے کر کہا۔ "ایک کافی ان کے لئے بھی۔ وہ ایڈیٹر صاحب جو وہاں اسٹول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

ویٹر ہنستا ہوا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کی میز پر کافی کی ٹرے رکھ دی۔ حمید نے ایک پیالی اس ایڈیٹر کے لئے بنائی اور ویٹر اسے لے کر دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے حمید کو بتایا کہ اکثر گاہک ایڈیٹر کو کافی پلاتے رہتے ہیں۔

ویٹر نے ایڈیٹر کو کافی دیتے وقت حمید کی طرف اشارہ کیا۔ حمید اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایڈیٹر نے مسکرا کر اسے بڑے "انٹلکچوئیل انداز" میں سلام کیا اور کان پر رکھی ہوئی پنسل اتار کر کافی کے کپ پر کچھ لکھنے لگا۔

حمید پائپ سلگا کر کافی کی چسکیاں لینے لگا تھا اور اس کی نظریں مختلف میزوں پر گردش

تھیں۔

ایک اینگلو انڈین جوڑا اس کے قریب کی میز پر آکر "آباد" ہوگیا۔ لڑکی بڑی خوش شکل تھی۔ حمید نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور مخصوص انداز میں گردن ٹیڑھی کرکے پائپ ...۔ پھر وہ دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ لیکن جلد ہی اسے پھر اُس جوڑے میں دلچسپی لینی ... لڑکی نے جیسے ہی اپنا بیگ کھولا اس میں ایک چھوٹی سی چوہیا پھدک کر میز پر آگئی۔ اس ... ٹانگوں میں ننھے ننھے گھونگرو پڑے ہوئے تھے۔

حمید بُری طرح چونکا...... اسے اپنی پالتو چوہیا یاد آگئی۔ گھونگروں کی طرف غور کیا تو اس ...ے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ مخصوص وضع کے گھونگرو تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس نے ...یا کے لئے خاص طور پر چاندی کے بنوائے تھے۔

کیا یہ وہی چوہیا تھی۔ حمید کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ لیکن وہ ...... وہ چوہیا تو جیرالڈ شاستری کی زمین دوز دنیا میں رہ گئی تھی اور وہ زمین دوز دنیا...... وہ زبردست دھماکے کے ساتھ تباہ ہوگئی تھی......! لوگوں کا خیال تھا کہ جیرالڈ اور اس کے ...ی کے ساتھ فنا ہوگئے ہوں گے۔

حمید نے اینگلو انڈین جوڑے کو گھور کر دیکھا۔ کیا جیرالڈ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ اگر ...ا زندہ ہوسکتی ہے تو پھر ان کے مرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حمید غیر ارادی ...یٹی میں وہی دھن بجانے لگا جس پر اس کی چوہیا ناچا کرتی تھی...... اور پھر اس کی حیرت انتہا نہ رہی جب اس نے چوہیا کو سیٹی کی دھن پر تھرکتے دیکھا۔

اینگلو انڈین جوڑا ہنسنے لگا۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی حمید کی طرف دیکھا تک نہیں۔

...ا روک کر کافی کی طرف متوجہ ہو گیا جواب ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ اس نے ...رح کپ خالی کیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور دل کی دھڑکن خدا کی پناہ...... ایسا معلوم ہوتا ...زندگی کی بقیہ دھڑکنیں اسی وقت پوری ہو جائیں گی۔

کیا جیرالڈ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ وہ خوفناک چٹان وہ عجیب الخلقت آدمی۔ اُسے

وہ خوفناک بن مانس یاد آ گئے جن کا تجربہ اسے چھ ماہ پیشتر ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا جو لوگ ا
معمولی سے بندر کو بن مانس کی شکل میں تبدیل کر سکتے ہوں ان کے لئے ایک حیوان نما ا
کی تخلیق کیا مشکل ہو سکتی ہے اور وہ چٹان...... ہو سکتا ہے کہ اس پر بجلی کے باریک بار
تاروں کا جال بچھا دیا گیا ہو اور ان میں کرنٹ رہتا ہو تو کیا وہ پراسرار انگریز براؤن دراص
جیرالڈ ہی ہے۔ یقیناً وہ جیرالڈ ہی ہوگا۔ ایسا سوچنا قدرتی امر تھا۔ اگر اس حیوان نما انسان
سلسلے میں حمید پر فائر نہ کیا گیا ہوتا تو شاید وہ ان دونوں معاملات کو الگ ہی تصور کرتا مگر
صورت دوسری تھی۔ اُسے یقین آ گیا تھا کہ میز پر تھرکتی ہوئی چوہیا اسی کی تھی۔

لیکن اب وہ کیا کرے؟ سوال بڑا ٹیڑھا ہے...... اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا
کہنے لگا۔

حمید نے دوسری کافی کا آرڈر دیا۔ وہ اس اینگلو انڈین جوڑے کے اٹھنے سے پہلے
طرح اٹھ سکتا تھا۔

اندھیرا پھیل گیا۔ پھر تقریباً سات بجے وہ دونوں اٹھے۔ حمید بھی ان کے پیچھے باہر نکلا
وہ اپنی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ شاید آدھے گھنٹے تک تعاقب جاری ر
پھر اگلی کار ایک عمارت کے سامنے رک گئی جو ایک چھوٹی سی شاداب پہاڑی کے دامن میں واق
تھی۔ یہاں اور بھی عمارتیں تھیں مگر دور دور پر۔

حمید نے ٹیکسی رکوائی اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا...... اور اس وقت تک کھڑا رہا جب
تک ٹیکسی واپس نہیں چلی گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ عمارت کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے نیچے پہنچ
کی کوشش کرے گا۔ اس طرح وہ عمارت کی پشت پر ہوگا اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہاں سے عمارت
کے مکینوں کا جائزہ لینے کی کوئی صورت نکل آئے۔

وہ آہستہ آہستہ پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ چاروں طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی اور
فضا پہاڑی جھینگروں کی ''جھائیں جھائیں'' سے مکدر ہو رہی تھی۔ درختوں اور پودوں کی شاخوں

ے شمار جگنو جھلملا رہے تھے۔ اگر حمید کو یہ مہم درپیش نہ ہوتی تو وہ بچوں کی طرح دو چار جگنو
نے کی کوشش ضرور کرتا۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کی رفتار بہت سست تھی لیکن وہ ٹارچ
ن کرنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

ایک جگہ وہ ٹھوکر کھا کر سنبھل ہی رہا تھا کہ اچانک اس پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ حمید نے
وجہد کرنا چاہی مگر فضول۔ وہ بُری طرح جکڑا جا چکا تھا اور کسی کا ہاتھ اس کے منہ پر بھی تھا اور
ی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ سانس لینے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا۔

پھر اسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کب؟ کس طرح اور کہاں لے جایا گیا؟

پھر تیز قسم کی روشنی کے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اُسے فرش پر کھڑا
ردیا گیا اور اس کے گرد تین قوی الجثہ آدمی کھڑے تھے اور سامنے اینگلو انڈین جوڑا تھا۔

''خوش آمدید......!'' مرد مسکرا کر بولا۔ ''تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔''

''قطعی نہیں۔'' حمید لاپروائی سے شانے جھٹک کر بولا۔ ''اس نے دلیر بننے کی کوشش
روع کر دی تھی۔''

''ایک خاص تقریب کے سلسلے میں تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''بات یہ
ہے کہ آج ہمارے شہنشاہ کی سالگرہ کا دن ہے۔ اس تقریب میں کئی طرح کے تماشے ہوں
گے۔ ہمارے شہنشاہ کو وہ چوہیا بہت پسند ہے جسے تم نے کافی ہاؤز میں اپنی سیٹی پر نچایا تھا۔ وہ
سے ناچتے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔''

''میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس مبارک موقع پر یاد کیا گیا۔ میں تم سب کا دل اچھی
طرح خوش کر دوں گا۔'' حمید نے اسے آنکھ ماری۔

''جہاں پناہ کیا کر رہے ہیں۔'' مرد نے ایک آدمی سے پوچھا۔

''اپنے جوتے گانٹھ رہے ہیں۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور کے ہونٹوں پر خفیف
سی مسکراہٹ بھی نہ دکھائی دی۔

''میں اس مداری کو اسی وقت ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے حمید کو دھکا دیا اور وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ حمید کو یقین تھا کہ اب اس کی ملاقات جیرالڈ سے ہوگی۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں ایک آدمی سچ مچ ایک صوفے پر بیٹھا جوتا گانٹھ رہا تھا۔ لیکن یہ جیرالڈ تو کسی طرح بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی اور حمید نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ وہ نقلی نہیں تھی۔ اسکے سر پر بال نہیں تھے۔ آنکھیں بھوری تھیں اور اس طرح چندھیائی سی لگ رہی تھی جیسے وہ زیادہ تر تاریکی ہی کی عادی ہوں۔

"تم آگئے گدھو......!" اس نے جوتا ایک طرف رکھ کر کہا۔

"جہاں پناہ......!" سب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بیک وقت جھکتے ہوئے کہا۔

دوسرا آدمی

حمید بڑی حیرت زدہ نظروں سے اس "جہاں پناہ" کو دیکھ رہا تھا جو صورت ہی سے خاصا خبطی معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے جسم پر لباس تو بڑا ٹھاٹھ دار تھا لیکن جوتے گانٹھنا..... کیا وہ صحیح الدماغ تھا۔

"یہ کون ہے۔" اس نے حمید کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

"مداری ہے...... یور میجسٹی......!" لڑکی کے ساتھی نے کہا۔

"اس نے ہمیں سلام نہیں کیا۔"

حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا پھر سیدھا ہو کر بولا۔ "خدا حضور کی ڈاڑھی دراز کرے۔"

"ہاہا......!" وہ ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔ "ہم خوش ہوئے...... تمہارا نام کیا ہے۔"

"خادم کو ڈمباسٹر کہتے ہیں۔"

"بکواس......!" اس نے پھر ران پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تمہارا نام نل نل فلوس ہے۔"

"ہاں ہاں! نل نل فلوس ہے۔" اس کے "درباریوں" نے بیک وقت ہانک لگائی۔

"تم سب گدھے ہو۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"ہاں ہم سب گدھے ہیں۔" انہوں نے یک زبان ہو کر دہرایا۔

"تو پھر آدمیوں کی طرح کیوں بول رہے ہو۔" وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا۔

اس کے جواب میں وہ سب گدھوں کی طرح رینکنے لگے۔

حمید بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب پاگل ہیں۔ اصل بات اس کے ذہن ل گئی تھی۔ اب نہ اُسے جیرالڈ یاد تھا اور نہ براؤن۔

"خاموش......!" خبطی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

"نل نل فلوس اپنے کرتب دکھاؤ۔" اس نے حمید سے کہا۔

لڑکی نے بیگ سے چوہیا نکالی اور اسے میز پر چھوڑ دیا۔

"اوہو! یہ تو ریٹا ہیورتھ ہے۔" خبطی بولا۔

پھر حمید نے میز کے قریب آ کر سیٹی بجانی شروع کر دی۔ چوہیا تھرکنے لگی۔

"ہاہا......!" خبطی بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنسا۔ "واقعی تم سچے مداری ہو۔"

جب تک حمید نے سیٹی بند نہیں کی چوہیا تھرکتی رہی۔

"آؤ ادھر آؤ...... نل نل فلوس میرے پاس بیٹھو۔" خبطی اپنی رانیں پیٹتا ہوا بولا۔ "یں ے تمہیں اپنا ولی عہد بناتا ہوں۔"

حمید اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔

"بول کیا مانگتا ہے۔"

"مجھے وہ لڑکی پسند ہے۔" حمید نے اینگلو انڈین لڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہا اور اس ئی بار اس کے ساتھی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار دیکھے وہ اسے قہر آلود نظروں سے نے لگا تھا۔

"ہم نے تمہیں لڑکی بخش دی...... جولی ادھر آؤ۔"

"مگر...... یور میجسٹی......" لڑکی کے ساتھی نے احتجاج کیا۔

"بکواس بند کرو...... یہ ہمارا حکم ہے...... جولی ادھر آؤ۔"

لڑکی بھی شاید الجھن میں پڑ گئی تھی۔

"نہیں سنا تم نے۔" خبطی ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔

جولی بادل نخواستہ صوفے کی طرف بڑھی...... لیکن دوسرے ہی لمحے میں کمرے کی روشنی گل ہوگئی۔ خبطی حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ کسی نے حمید کی گردن پکڑ لی اور اسے دھکیلتا ہوا دروازے تک لایا۔ پھر حمید نے دروازہ بند ہونے اور کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

وہ سب اس کمرے کے باہر تھے۔ اندر خبطی چیخ رہا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی طرف سے قطعی لاپرواہ نظر آرہے تھے۔

"تم آرام کرو۔" لڑکی کے ساتھی نے لڑکی سے کہا۔ لڑکی چلی گئی اور وہ حمید سے مخاطب ہوا۔

"تفریح تو بہت ہوئی میرے دوست! اب تم میرے ساتھ آؤ۔ لیکن اس بات کی وضاحت کردوں کہ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو دوسرے لمحے میں زندہ نہیں رہو گے۔"

"کیا واقعی تم سب پاگل ہو۔" حمید نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"یہی سمجھ لو۔"

وہ ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" لڑکی کے ساتھی نے کہا۔" حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔ ڈرامے کے ان بدلتے ہوئے سین نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

"تم یہ مت سمجھو کہ ہم تمہیں پہچانتے نہیں۔" لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ "اور شاید اب ہمیں بھی پہچان گئے ہو گے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔

"وقت برباد نہ کرو...... ہمیں صرف فریدی کی تلاش ہے۔ اگر تم اس کا پتہ بتادو تو

چھوڑ دیں گے۔"

حمید نے اب جھوٹ بولنا فضول سمجھا اور یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آ گئی کہ یہ لوگ اسی کے ذریعے اس کو پھانس کر یہاں لائے تھے۔ اس نے انہیں دھوکا نہیں دیا تھا بلکہ خود دھوکا کھایا تھا۔

"فریدی یورپ کے دورے پر ہیں۔" حمید نے کہا۔

"بکواس ہے...... ہمیں اس پر یقین نہیں۔"

"کل ہی میڈرڈ سے ان کا ایک ایروگرام موصول ہوا تھا۔"

"ہمیں معلوم ہے۔" لڑکی کے ساتھی نے سر ہلا کر کہا۔ "لیکن یہ چیز فریدی جیسے آدمی کے لئے مشکل نہیں۔ وہ یہیں بیٹھے بیٹھے یورپ کے کسی مقام سے بھی تمہارے نام ایروگرام منگوا ہے۔"

"لیکن آخر تم فریدی کا کیا کرو گے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اس کا قیمہ بنائیں گے۔"

"تو تم اتنے دنوں تک کیا کرتے رہے۔ پہلے ہی کیوں نہیں ٹھکانے لگا دیا۔" حمید نے کہا۔

"اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے ہم کئی بار کوشش کر چکے ہیں لیکن وہ لومڑی کی اولاد معلوم ہے۔"

"جیرالڈ کہاں ہے؟"

"فضول بکواس مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔"

"ہوسکتا ہے کہ فریدی صاحب کے متعلق تمہارا خیال صحیح ہو لیکن اگر وہ یہیں موجود ہیں تو ان کا پتہ نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"بے اعتباری کا تو علاج ہی نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا ان کا پتہ تو اپنی گردن نہ پھنسواتا۔"

"تم مکار ہو۔"

"اگر یہ جملہ کسی لڑکی نے کہا ہوتا تو میں اس کا منہ چوم لیتا۔" حمید نے غضب ناک ہوکر کہا۔

"تم نہیں باز آؤ گے۔"

"شیزان میں مجھ پر گولی کیوں چلائی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے ہمیں تمہاری پوجا کرنی چاہئے تھی۔"

"اچھا یہ مسخرہ کون ہے۔"

"ہمارا بادشاہ......!" لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ "تم اس کی حالت دیکھ ہی چکے ہو۔ اگر اس نے تمہاری موت کا حکم دے دیا تو ہم مجبور ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ ہم پوچھتے ہیں بتا کر جلد سے جلد جان چھڑالو۔"

"سنو دوست......!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میں اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم لوگ مجھے ٹھکانے لگادو اور رہا فریدی کا معاملہ تو جو کچھ میں نے ابھی بتایا ہے اس کے علاوہ اور مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ تمہارا یہ خیال بھی ٹھیک ہوسکتا ہے کہ وہ سرے سے یورپ گئے ہی نہیں۔"

"ہاں ہم یہی سمجھتے ہیں۔"

"لیکن میں یہاں تنہا آیا تھا۔" حمید بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ "خیر تمہیں اس وقت تک یہاں رہنا ہے جب تک کہ فریدی ہمارے ہاتھ نہ آجائے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ اب وہ شاستری تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائے گا۔"

"آہ......شاستری۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "بڑی پیاری شخصیت ہے۔"

"تمہاری پچھلی مکاریاں ہمیں یاد ہیں......مگر ہم عموماً معاف کردیتے ہیں......ہمارے لئے دنیا کی کوئی بات ناممکن نہیں۔ خیر اب تم ہماری قید میں ہو اور یہ بھی بتادوں کہ یہاں تمہاری رہائی ناممکن ہے۔ اگر تم نے شور وغل بھی مچایا تو قرب و جوار کے لوگ کان نہ دھریں گے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اس عمارت میں ایک پاگل آدمی رہتا ہے۔"

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "اسے لے جاؤ۔"

"ٹھہرو......کیا مجھے تنہا رہنا پڑے گا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں دو چار خادم بھی ملیں گے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"کیا مجھے میری چوہیا واپس مل سکتی ہے۔ صرف اس وقت تک کے لئے جب تک کہ میں یہاں ہوں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر جولی کا ساتھی ہنس کر بولا۔ "تم نے ہماری قوت دیکھ لی ہم نے چوہیا کو بھی مرنے نہیں دیا وہ جولی کو پسند تھی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ بچے کس طرح۔" حمید نے کہا۔ "اس دھماکے نے تین چار میل کا رقبہ تباہ کردیا تھا۔"

"اپنی جدید ترین سائنسی ایجادات کی بناء پر ہمارے پاس ایسے راکٹ موجود ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اوپر جاتے ہیں۔ جس وقت دھماکہ ہوا ہم تین میل کی بلندی پر تھے۔"

"اور اب تم ارجن گھاٹی کو اپنا اڈہ بنا رہے ہو۔"

"تم بہت کچھ جانتے ہو......" وہ حمید کو گھور کر بولا۔ "اور یہ بہت بُرا ہے۔ بہت بُرا صرف تمہارے لئے......ویسے ہمیں یقین ہے کہ وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ایک چٹان کا کرشمہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ہم چاہیں تو ساری چٹانوں کو وہی خصوصیت بخش سکتے ہیں......کیا سمجھے۔"

"اور وہ گھوڑا......!"

"فریدی کی ٹانگیں وہی چیرے گا۔"

"تم نے صدانی اور اس کے پرائیویٹ سیکریٹری کو کیوں قتل کیا۔"

"تم تو اس طرح سوالات کررہے ہو جیسے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال چکے ہو۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اچھا یہی بتادو کہ اس بادشاہ کا کیا مطلب ہے؟"

"یہ بادشاہ ساری دنیا پر حکومت کرے گا اور اگر یہ اس وقت تک زندہ نہ رہا تو پھر ہم کسی پاگل کتے کو ساری دنیا کا بادشاہ بنا دیں گے۔" جولی کے ساتھی نے ہنس کر کہا۔ "کیا تمہیں قدیم یونانی تاریخ میں ایک ایسے گھوڑے کا تذکرہ نہیں ملتا جو ایک صوبے کا گورنر تھا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید کو اس کی چوہیا واپس مل گئی اور وہ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرہ کیا اسے کوٹھری کہنا مناسب ہوگا۔ صرف ایک دروازہ تھا۔ فرش کی حالت بتاتی تھی کہ اسے بھی گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہوگا۔"

ایک بستر ایک چھوٹی سی میز اور کرسی...... یہی کل یہاں کا سامان تھا۔ چھت سے ایک بلب لٹک رہا تھا جس کا سوئچ بھی شاید باہر ہی تھا۔

حمید نے کوٹ اتار کر میز پر ڈال دیا اور چوہیا کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔

"مری جان! آخر تم مل ہی گئیں۔ میں تو تمہاری یاد میں بالکل دیوداس ہو رہا تھا۔ مگر شاید یہ ہمارا آخری سفر ہو۔"

پھر حمید نے اسے بھی میز پر ڈال دیا۔ وہ چوہے کی موت تو نہیں مر سکتا تھا۔ اسے بہرحال رہائی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا لیکن ایک گھنٹے کی جانفشانیوں کے باوجود بھی وہ یہاں سے نکل جانے کی کوئی صورت نہ پیدا کر سکا۔

سردی کافی تھی اور بستر بھی ایسا نہیں تھا کہ جسے ناکافی کہا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی حمید کو نیند نہ آئی۔ تلوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ لیکن اس میں حقیقت کتنی تھی کیا وہ سچ مچ اسے چھوڑ دیں گے۔ ناممکن کیونکہ جیرالڈ شاستری کو سب سے زیادہ نقصان اسی کی ذات سے پہنچا تھا۔ محض اس کی مکاری کی بناء پر اس کی وہ زمین دوز دنیا تباہ ہو گئی تھی۔

حمید نے گھڑی دیکھی۔ دو بج چکے تھے۔ دیا سلائی جلا کر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ کسی نے گیارہ ہی بجے کمرے کی روشنی بجھا دی۔

اچانک اس نے باہر دروازے پر ایک ہلکی سی آواز سنی۔ دروازہ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر دوبارہ پٹ بھیڑ دیئے۔ حمید نے جلدی سے دیا سلائی جلائی۔ آنے والے نے اپنے

نمبر 13

...انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید نے دوسری دیا سلائی روشن کی۔ اس کے سامنے ایک سیاہ فام ننگ دھڑنگ آدمی تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک پتلی سی لنگوٹی تھی جس میں ایک تھیلا اڑسا ہوا اس کی ٹانگوں ...درمیان جھول رہا تھا۔

"آپ سارجنٹ حمید ہیں۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں......لیکن تم......!"

"کچھ نہیں خاموش رہیئے۔" اس نے کہا اور کمر سے لٹکے ہوئے تھیلے سے ٹارچ نکال کر ...دالان والی دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی سردی میں لباس کے بغیر زندہ ہے؟ اور وہ ہے کون؟

پھر اس نے کمر سے تھیلا نکال کر اسے فرش پر رکھ دیا۔ تھیلے سے ایک بوتل نکالی جس میں سیال چیز تھی۔ پھر وہ اس سیال کے چھینٹے دیوار پر مارنے لگا اور فرش کے قریب دیوار کا ...حصہ اس سے اچھی طرح بھگو دیا۔ چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر تھیلے سے ایک اوزار نکالا ...وقت ہتھوڑی اور کلہاڑی کا کام دے سکتا تھا۔ اس نے وہ اوزار دیوار کے بھیگے ہوئے ...رکھا اور وہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ دیوار کا پلاسٹر گیلی مٹی کی طرح بے حقیقت ہو گیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ پھر شاید بیس منٹ کے بعد حمید نے دیوار میں ایک اتنا بڑا ...دیکھا جس سے ایک آدمی لیٹ کر بآسانی نکل سکتا تھا۔

اس نے حمید کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ حمید کوٹ پہننے لگا اور اس عجیب و غریب آدمی نے ...شراب کی بوتل نکالی اور غٹ غٹ کئی گھونٹ چڑھا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ جیرالڈ کی کوئی دوسری چال تو نہیں۔

وہ دونوں باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔ اندھیرا کافی گہرا تھا اور اب جھینگر بھی نہیں چیخ ...تھے اور درختوں میں جگنوؤں کی جھلملاہٹ ایسی لگ رہی تھی جیسے وہی سناٹے کی آواز ہو۔ ...ہٹ بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید کا ننگ دھڑنگ ساتھی بے تکان راستہ طے کر رہا تھا۔

دفعتاً وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور قریب ہی
سے کسی نے اُس کا جواب دیا دوسرے لمحے میں ایک دوسرا آدمی حمید کے سامنے کھڑا تھا۔ اس
نے حمید کا ہاتھ پکڑا اور وہ حمید کا ساتھی نقب زن ہنستا ہوا چٹانوں میں غائب ہو گیا۔ اب حمید اس
دوسرے آدمی کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اس تبدیلی پر کچھ نہ بولا۔ بس چپ چاپ چلتا رہا۔ اس
کا ساتھی اس کا ہاتھ پکڑے اونچی اونچی چٹانیں پھلانگتا ہوا تیزی سے چل رہا تھا۔ حالانکہ حمید کی
سانس پھولنے لگی تھی لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔ فی الحال اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم
چھوڑ دیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اب جیرالڈ کون سی چال چلنے والا ہے۔ شاید اب وہ وہ اُ
اپنے اعتماد میں لے کر فریدی کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

حمید کے ساتھی نے اس کی حالت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی رفتار کم کر
لیکن وہ اسے ایک اجاڑ حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں حمید کو دور تک بکھر
ہوئی چٹانیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''بھئی میں تھک کر چور ہو گیا ہوں۔'' حمید بالآخر بولا۔ ''اگر ہم تھوڑی دیر ستالیں تو ک
حرج ہے۔''

اس کا ساتھی جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ حمید نے اس سے ذرا ہٹ کر ایک بڑے سے پتھ
سے ٹیک لگائی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بھی جیرالڈ ہی کا کوئی آدمی ہے۔ اس نے سوچا ک
کیوں نہ اس سے نپٹ لے۔

اس نے دوسرے ہی لمحے میں اس پر چھلانگ لگا دی۔

''ابے پاگل ہوا ہے کیا؟'' اس کے ساتھی نے اسے دبوچتے ہوئے کہا اور حمید کے ہاتھ
پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

آواز فریدی کی تھی۔

ترغیب

حمید نے تحیر آمیز نظروں سے اس چھوٹے سے غار کا جائزہ لیا۔ یہاں وہ ساری چیزیں
تھیں جو ایک آدمی کی معمولی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ مٹی کے تیل کا ایک
روشنی دینے والا لیمپ روشن تھا اور اسٹوو کی مسلسل سنسناہٹ غار میں گونج رہی تھی اور اس
اتھ ہی کافی کے برتن سے اٹھنے والی خوشبودار بھاپ، حمید کی بھوک چمک اٹھی اور اس نے
ی کی طرف دیکھا جو ہونٹوں میں سگار دبائے کھڑا کافی کے برتن کو گھور رہا تھا۔

''کیا آپ میڈرڈ ہی سے واپس آ گئے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں گیا ہی نہیں...... جیرالڈ کے ساتھی نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ہی
ے کے لئے روانہ ہوا تھا۔''

''آپ ہمیشہ مجھے موت کے منہ میں جھونک دیتے ہیں۔''

''اور اتنی ہی آسانی سے پھر نکال بھی لیتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''وہ آدمی کون تھا......؟''

''یہاں کا ایک ماہر نقب زن......!'' فریدی نے کہا۔ ''میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ لوگ
ا اس بھیس میں پہچان گئے ہیں تو میں نے اپنی جدوجہد اور تیز کر دی۔ میں جانتا تھا کہ وہ
ا میرے لئے پکڑیں گے ضرور...... مگر افسوس میں ان پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔''

''کیوں؟ اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ آپ انہیں اسی وقت پکڑ سکتے تھے۔''

''بیکار...... جیرالڈ ان میں نہیں تھا...... اور وہی میرا شکار ہے۔''

''ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے بھیس میں رہا ہو۔''

''نہیں میں اُسے ہر بھیس میں پہچان سکتا ہوں۔ وہ اپنی آنکھیں نہیں بدل سکتا اور اس کی
یں لاکھوں میں پہچانی جا سکتی ہیں۔''

''مگر وہ پاگل آدمی...... آخر وہ کون ہے اور اس کا کیا مقصد ہے۔''

"فی الحال میں نہیں بتا سکتا۔ میں سمجھ ہی نہیں سکا۔ لیکن اتنی بات جانتا ہوں کہ وہ کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ورنہ یہ لوگ ایسے نہیں کہ اس قسم کی تفریحات میں وقت ضائع کریں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔

"تو پھر اب تو یہ بات صاف ہوگئی کہ صمدانی اور اس کی سیکریٹری کا قتل اسی الماری کی وجہ سے ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس میں کروڑوں کا مال رہا ہوگا۔"

"مگر صمدانی کا قتل کیوں!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان کا یہ مقصد اُس قتل کے بغیر بھی حل ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ صمدانی اس دفتر میں سوتا نہیں تھا اور اس کی سیکریٹری کسی وقت بھی دفتر میں داخل ہوسکتی تھی۔ اس کی عدم موجودگی میں اپنے ساتھ آدمی بھی لے جاسکتی تھی۔ کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوتا۔"

"ہوسکتا ہے صمدانی کچھ بھانپ گیا ہو۔" حمید نے کہا۔

"ہاں یہ ممکن ہے۔" فریدی نے کہا اور اسٹوو پر سے کافی کے برتن اتارنے لگا۔

پھر وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ اچانک حمید کو انور یاد آگیا۔

"انور سجاد کے جنرل منیجر کے لئے کام کررہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے...... اور وہ جو کچھ بھی کررہا ہے اُسے کرنے دو۔"

"قاسم بھی یہیں آگیا ہے اور اُسے رشیدہ سے عشق ہوگیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

"میجر نصرت وغیرہ بیکار وقت اور جانیں ضائع کررہے ہیں۔ وہ اس نیم وحشی آدمی کا ٹھکانہ نہیں معلوم کرسکیں گے۔"

"اوہ...... اُسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "آخر یہ حیرت انگیز آدمی؟ اس کا مقصد بھی میں نہیں سمجھ سکتا۔ آخر اس کی پیٹھ پر لمبے لمبے بال کیسے اُگ آئے۔"

"کیا تم اُن بن مانسوں کو بھول گئے۔"

"لیکن اس گھوڑے کا کیا مقصد ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ اتنی معمولی سی بات تمہاری سمجھ میں نہ آسکی۔" فریدی سگار سلگا کر

"وہ محض لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے ہے۔ ایک عجوبہ! لوگ اس کا

ب کرتے ہیں اور تعاقب کرنے والے لاپتہ ہوجاتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جیراللہ کی وہ

دوز دنیا چند آدمیوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ جیراللہ ارجن گھاٹی میں دوسری

دوز رہائش گاہیں تعمیر کرا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے بہت سے کام کرنے والوں کی

ت پیش آئے گی اور اس کے لئے روپیہ حاصل کرنے کا طریقہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔

ی کی الماری۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ نیم وحشی تعاقب کرنے والوں کو کس راستے سے چٹانوں کی

ی کی طرف لے جاتا ہے۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہ آسان ہی

ہوگا ورنہ لوگ کیوں اس کے پیچھے سر مارتے پھیریں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور میں اُسی راستے کی تلاش میں ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ راستہ بھی انتہائی خطرناک ہوگا۔" حمید نے کہا۔ "اُس خونی چٹان

رح...... اور وہ کہہ بھی رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ وہاں کی ساری چٹانوں کو اتنا ہی

بنا سکتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے کافی ختم کی اور حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر

ں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب اُن چٹانوں پر بمباری کی جائے گی۔"

"ان کے لئے ایٹم بم چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر خیر...... یہ فضول کاروائی بھی

ے لئے مفید ثابت ہوگی۔"

"بہتیری باتیں ہیں...... مگر میرا خیال ہے کہ اب تم تھوڑا سا سولو۔"

"ناممکن...... شائد ہی نیند آئے۔ جولی بڑی حسین لڑکی تھی ...... ان کم بختوں نے

گڑبڑ کر دی ورنہ میں اُسی وقت اس سے شادی کر لیتا۔''

''اونہہ......!'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کام کی باتیں کرو...... اب تمہارے
یہ پروگرام ہے کہ تم دو دن تک شیزان ہوٹل میں نہیں جاؤ گے...... اور اب یہ کیپٹن پرکاش وا
حیثیت ختم کرو۔ تم دوسرے میک اپ میں شہر جاؤ۔ اپنے لئے دوسرا سامان خریدو...... دو
تک کسی دوسرے ہوٹل میں قیام کرو۔ پھر وہاں سے شیزان منتقل ہو جاؤ۔ انور رشیدہ اور قا
سے ملنے کی ضرورت نہیں...... ان سے الگ ہی رہو۔''

''اور مجھے کرنا کیا ہوگا۔''

''مکھی مارنا...... جب ضرورت ہوگی طلب کرلوں گا۔''

اچانک حمید کو وہ پُر اسرار انگریز مورگن یاد آ گیا جو سوٹ کیس میں ایک سیمی مشین گ
لئے پھرتا تھا۔ اُس نے فریدی سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر ہے چالاک...... مَی
ایک بار بھی اس کا تعاقب کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔''

فریدی کچھ سوچنے لگا...... پھر اس نے کہا۔ ''کام بڑھتا ہی جا رہا ہے...... مورگن کے
متعلق تم میجر نصرت کو مطلع کر دو۔ اُس سے کہو کہ وہ اس کی نگرانی کرائے۔ لیکن فی الحال پکڑنے
کی ضرورت نہیں۔''

''کیا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔'' حمید بولا۔

''نہیں...... میں نہیں چاہتا کہ اب کی وہ لوگ تمہیں ختم ہی کر دیں۔''

''پھر میں کیا کروں گا۔''

''تفریح...... ویسے تم مورگن پر نظر رکھ سکتے ہو۔ لیکن کسی کے تعاقب کے چکر میں نہ پڑنا سمجھے۔''

''کیا آپ مستقل طور پر اسی غار میں رہیں گے۔''

''ہاں...... یہ ارجن گھاٹی سے نزدیک ہے لیکن تم کبھی خود سے یہاں آنے کی حماقت نہ
کرنا...... مجھے جب ضرورت ہوگی کسی نہ کسی ذریعے سے بلوا لوں گا یا خود ہی تم تک پہنچ جاؤں گا۔''

''اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو اس معاملے میں جیرالڈ کا خیال کب اور کیسے ہوا۔''

بعض طریقہ کار کی بناء پر۔ اس نیم وحشی آدمی کی شخصیت اور تعاقب کرنے والوں کی
ی۔ تم پر اس وحشی کا حملہ...... وہ عجیب و غریب چٹان...... اس صدی میں جیرالڈ کے علاوہ
ایسا پیدا ہوا ہے جو اتنے سائنسی طریقے اختیار کر سکے۔''

حمید اونگھنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے جھنجھوڑ کر کہا۔ ''اچھا اب میں تمہیں کسی
بگہ چھوڑ آؤں جہاں سے تم بآسانی شہر تک پہنچ سکو۔ لیکن اس سے پہلے میک اپ
...... بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور میں ایسے موقع پر تمہیں رومان لڑانے کی اجازت ہرگز
گا۔''

میک اپ میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شاید فریدی نے سامان پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔
چلتے وقت اس نے حمید سے کہا۔ ''جناب اپنی اس چہیتی چوہیا کو یہیں چھوڑ جائیں تو بہتر
نہ ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ یہ کمبخت بھی بڑی سخت جان نکلی۔''

حمید بدقت تمام اس پر راضی ہوا۔ ''لیکن دیکھئے۔'' اس نے کہا۔ ''اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔
ی زندگی کا بیمہ کرانے والا ہوں اور پھر برخوردار بغرا خاں سے اس کی شادی کروں گا۔''

''بعض اوقات تمہاری بکواس بڑی غیر دلچسپ ہوتی ہے۔ ہنسانے کے چکر میں احمق
جا رہے ہو۔''

اس ریمارک پر حمید کچھ جھینپ سا گیا اس لئے اُس نے یک بیک سنجیدہ بننے کی کوشش
نہ ہوئے کہا۔ ''کیا میں میجر نصرت کو یہاں آپ کی موجودگی سے مطلع کر سکتا ہوں۔''

''نہیں...... اس کی ضرورت نہیں۔''

''پھر میں مورگن کی نگرانی کے لئے کس حوالے سے کہوں گا۔''

''مارو گولی...... میں چاہتا ہی نہیں کہ اب تم میجر نصرت سے ملو۔ مورگن کو بھی جہنم میں
...... مجھے تو جیرالڈ کی تلاش ہے۔''

''ہو سکتا ہے مورگن ہی جیرالڈ ہو۔''

''کیا وہ تاریک چشمہ لگاتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

"نہیں......!"

"تب تو وہ جیرالڈ نہیں ہوسکتا......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"لیکن کیپٹن پرکاش کے سامان کا کیا ہوگا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں نے نقدی اپنے پا
ہی رکھی تھی۔"

"اب تم کھسکو......!" فریدی دانت پیس کر اُسے گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔

حمید کو شہر پہنچتے پہنچتے صبح ہوگئی۔ اس نے سب سے پہلے احتیاطاً ایک تاریک شیشوں والی عی
خریدی پھر روزانہ کی ضرورت سے متعلق سامان خرید کر ایک متوسط درجہ کے ہوٹل میں مقیم ہوگیا۔

اسی دوپہر اس نے خبر سنی کہ ارجن گھاٹی میں ایک سرکاری طیارے سے بمباری کی گئ
لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پھر شام ہوتے ہوتے اس عجیب وغریب چٹان کے متع
طرح طرح کی خبریں گشت کرنے لگیں۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ خبر تھی کہ جیسے ہی طیا
اس چٹان پر سے گزرنے لگا۔ اس میں خود بخود آگ لگ گئی اور وہ گر کر تباہ ہوگیا۔

لیکن دوسرے دن کے اخبارات نے اس کی تردید کردی۔ وہ سو فیصدی افواہ تھی۔ لیک
اس سلسلے میں صحیح خبر بھی کم حیرت انگیز نہ تھی۔ اس چٹان پر دس پونڈ وزنی کئی بم گرائے گئے لیک
اس سے ایک معمولی سا ٹکڑا بھی الگ نہیں ہوا۔ وہ جوں کی توں قائم رہی اس کے برعکس دوسر
بہتیری چٹانوں کے کافی حصے تباہ ہوگئے۔ آگے چل کر لکھا کہ اس بمباری کے نتیجے میں ٹو
پھوٹ کے باوجود بھی چٹانوں کو پار کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں بن سکا۔ اسی کے ساتھ یہ
خبر بھی تھی کہ پچھلے دو دنوں سے وہ نیم وحشی آدمی نظر نہیں آیا۔

اسی دن کے اخبار میں حمید کو ایک دوسری حیرت انگیز چیز نظر آئی۔ یہ کسی مسٹر فیلڈ کے
بنگلے میں نقب زنی سے متعلق تھی۔ خبر کے مطابق مسٹر اور مسز فیلڈ جو اپنے ایک نیم دیوانے بچے
کے علاج کے سلسلے میں رام گڑھ میں مقیم ہیں۔ اپنا بہت سا سرمایہ کھو بیٹھے۔ چوری نقب کے
ذریعے ہوئی۔ مسروقہ چیزوں میں مسز فیلڈ کی پالتو چوہیا بھی تھی جسے موصوفہ نے بڑی محنت سے
ٹرین کیا تھا اور وہ کئی طرح کے کرتب دکھاتی تھی۔

پولیس میں رپورٹ درج کرادی گئی ہے۔

حمید کو ان لوگوں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہونے لگی۔

حمید اور فریدی کے لئے یہ ایک کھلا ہوا چیلنج تھا یعنی وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ رہی
ہا تو حمید اُسے کسی عدالت میں بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں نہیں پیش کرسکتا تھا۔ بہر حال
ان لوگوں پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ فریدی یا حمید اُن کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہیں
کیں گے۔

حمید ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کے فرار ہوجانے کے بعد وہ لوگ اس عمارت میں نہ
کیں گے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا۔

دو دن گزرنے کے بعد حمید نے پھر شیزان ہوٹل کی راہ لی اور اُسے ایک خالی کمرہ مل ہی
یا۔ سب سے پہلے اس نے مورگن کی خبر لی۔ وہ بدستور وہاں مقیم تھا...... انور، رشیدہ اور قاسم
ا تھے۔ لیکن حمید کو انور کی مصروفیت کے متعلق کچھ نہ معلوم ہوسکا۔

البتہ اسی شام کو وہ قاسم کی ایک حماقت سے کافی محظوظ ہوا۔

ہوا یہ کہ رشیدہ ایک خالی کیبن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ حمید کھلے ہال میں کیبن کے
امنے والی میز پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا کہ قاسم اپنے ہاتھ میں گٹھری سی لٹکائے ہوئے
اکے قریب سے گزرا اور رشیدہ والے کیبن میں چلا گیا۔ اُس نے وہ گٹھری میز پر رکھ دی۔

"یہ کیا ہے؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"گوبھی کے تازہ ترین پھول۔" قاسم نے سعادت مندی سے کہا۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئے۔" رشیدہ جھنجھلا گئی۔ "کل بھی تم نے یہی حرکت کی تھی۔ مگر میں
ل کر ٹال گئی تھی۔"

"تو کیا وہ پھول باسی تھے۔" قاسم نے پوچھا۔

"آخر یہ ہے کیا بدتمیزی...... اور آج تم انہیں یہاں سب کے سامنے اٹھا لائے۔"

"کمرے میں پہنچا دوں......!" قاسم نے بڑی لجاجت سے کہا۔

''میں کہیں تمہارے سر پر چائے دانی نہ توڑ دوں۔'' رشیدہ آپے سے باہر ہوگئی۔

''مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تمہیں گوبھی کے پھول پسند ہیں۔'' قاسم رونی شکل بنا کر بولا۔

''کس گدھے نے کہا۔''

''حمید بھائی نے......!''

''اوہ......!'' رشیدہ خاموش ہوگئی پھر ہنسنے لگی اور اس نے کہا۔ ''تم آخر اتنے بیوقوف کیوں ہو۔''

''اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے۔'' قاسم بُرا مان گیا۔ ''تم کبھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ۔ ایک بار تم نے کہا تھا کہ میں بالکل بے وقوف نہیں ہوں اور اب بیوقوف ہوں۔''

رشیدہ کی ہنسی تیز ہوگئی۔ آخر بدقت تمام وہ سنجیدگی اختیار کرنے میں کامیاب ہوئی اور اس نے پوچھا۔

''دو دن سے حمید صاحب نہیں دکھائی دیئے۔''

''دکھائی تو دے سالا......!'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''میں اسے کچا چبا جاؤں گا۔''

حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار معلوم ہو رہا تھا اس لئے وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

قاسم بھی طرح طرح کے منہ بناتا ہوا کیبن سے نکل آیا۔ اگر اسے واقعی حمید مل جاتا تو وہ اُسے مار بیٹھنے سے بھی نہ چوکتا۔ وہ حمید کو دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔

شام کافی خوشگوار تھی اور ہال میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ لڑکیوں کی بہتات تھی۔ قاسم اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا ایک ایک کو گھورنے لگا۔ پھر اس کی نظریں ایک اینگلو انڈین عورت پر جم گئیں جو کافی لحیم شحیم تھی اور عمر اٹھائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اس نے بھی قاسم کی طرف دیکھا اور پھر بڑی ادا سے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

قاسم کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس عورت کو گھورے جا رہا تھا۔ اب کی بار اس نے قاسم کو آنکھ ماردی۔ بس پھر کیا تھا...... قاسم کی روح اس کے جسم کے اندر سر کے بل کھڑی ہوگئی۔ اس

کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اس کو آنکھ مار دے۔ لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ اُسے آنکھ مارنا آتا ہی نہیں تھا۔ وہ اکثر آئینہ سامنے رکھ کر آنکھ مارنے کی مشق کیا کرتا تھا۔ مگر اس کی دونوں آنکھیں بند ہو جاتی تھیں اور اوپری ہونٹ سکڑ کر ناک سے جا ملتا تھا۔

عورت بار بار اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ قاسم نے سوچا کہ اسے بھی کم از کم جواب میں مسکرانا تو ضرور چاہئے ورنہ وہ جانے کیا خیال کرے۔ قاسم کو اپنی مسکراہٹ پر بھی قابو نہیں تھا۔ اس کے بتیسوں دانت نکل آئے پھر اس نے عورت کو باہر جاتے دیکھا اور تعاقب کا بھوت اس کے سر پر سوار ہو گیا۔

جب آنکھ کھلی

باہر نکل کر وہ عورت ایک کار میں بیٹھی اور ایک طرف روانہ ہوگئی۔ وہ خود ہی کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

قاسم نے بھی ایک ٹیکسی لی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اگلی کار شہر سے نکل کر ایک ویران سڑک پر ہولی۔ قاسم نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اور چٹانوں پر نارنجی رنگ کی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ اچانک ایک جگہ اگلی کار رک گئی۔ قاسم کی ٹیکسی کافی فاصلے پر تھی۔ عورت کار سے نکل کر سڑک کے کنارے کھڑی ہوگئی اور اس طرح ہاتھ ہلانے لگی جیسے ٹیکسی کو رکوانا چاہتی ہو۔ ڈرائیور نے مڑ کر قاسم کی طرف دیکھا۔

''روک دو پیارے۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ اسے توقع نہ تھی اس کی۔

ٹیکسی رک گئی اور عورت اس کی طرف بڑھی۔ قاسم کے سارے جسم پر پسینہ چھوٹ پڑا۔ معلوم نہیں وہ اس سے کس طرح پیش آئے۔

''اوہ......تم آ ہی گئے ڈارلنگ۔'' عورت نے سریلی آواز میں کہا اور قاسم اپنے ہوش و
حواس کھو بیٹھا۔

''جاؤ تم جاؤ۔'' قاسم ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے دو نوٹ ٹھونستا ہوا بولا اور اناج
سے بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی سے نیچے لڑھک گیا۔

ٹیکسی واپس چلی گئی اور قاسم وہیں کھڑا ہانپتا رہا۔ عورت اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔

''تم بڑے پیارے ہو ڈارلنگ......!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''مم......میں...... ہاں میں بڑا پیارا ہوں۔'' قاسم نے جلدی سے کہا اور پھر غلطی کا
احساس ہونے پر اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں۔'' عورت نے کہا۔

اور نہ جانے کیوں قاسم نے جھینپ کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

اس کی آنکھیں بھی جھک گئیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

''بڑی خوشگوار شام ہے۔'' عورت بولی۔ ''آؤ ہم تھوڑی دیر کسی چٹان پر بیٹھ کر دنیا کے غم
بھول جائیں۔''

''بھول جائیں غے۔'' قاسم ہکلایا۔

''آؤ تم میری مدد کرو۔'' عورت نے کہا اور اپنی کار سے ایک ٹوکری نکالی جس میں
کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ تھرماس اٹھایا...... قاسم نے ٹوکری اور تھرماس لے لئے۔ پھر د
دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

وہ دو چٹانوں کی ایک درمیانی دراڑ میں آ بیٹھے۔

''میں تمہیں خواب میں دیکھا کرتی تھی۔'' عورت بولی۔

''میں بھی دیکھتا تھا۔'' قاسم نے کہا۔ اب اس کی بدحواسی کچھ دور ہو گئی تھی۔

''تم بڑے اچھے ہو۔'' عورت اٹھلائی اور اس نے ناشتے کی ٹوکری سے دو گلاس نکالے۔

''ہم ایک دوسرے کا جام صحت پئیں گے۔'' اس نے کہا۔

''ضرور پئیں گے۔'' قاسم بولا اور وہ ناشتے کی ٹوکری خالی کرنے میں اس کا ہاتھ بھی
نے لگا۔ پائیاں، چاپیں، تلے ہوئے چوزے دسترخوان پر رکھ دیئے گئے۔ قاسم کو اور چاہئے
یا تھا۔ عورت...... اور کھانے پینے کا سامان، تلے ہوئے چوزے دیکھ کر پہلے ہی اس کی
ٹپکنے لگی تھی۔

تھرماس سے گلاسوں میں شراب انڈیلی گئی۔ دونوں نے گلاس ٹکرائے اور قاسم ایک ہی
ں میں اپنا گلاس خالی کر گیا۔ اس نے آج زندگی میں دوسری بار شراب پی تھی اور اُسے اپنا
تجربہ بھی یاد آنے لگا تھا۔ اچانک اسے اپنے باپ کا ہنٹر بھی یاد آ گیا لیکن اس کے کان پر
تک نہ رینگی کیونکہ آج پہلی بار اُس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی تھی یعنی ایک
ڑی'' سی عورت کا قرب نصیب ہوا تھا۔

حالانکہ صرف اس نے ایک ہی گلاس پیا تھا اور ظاہر ہے کہ کمزور اعصاب کا آدمی بھی
تھا۔ مگر پھر بھی اُس کا دماغ الٹ گیا۔

''جان من......!'' وہ عورت کی گردن دبوچ کر بولا۔ ''میں دنیا کا سب سے زیادہ طاقت
دی ہوں...... میں لوہے کی بڑی بڑی بلاخیں...... بلاخیں...... نہیں سلاخیں موڑ سکتا ہوں۔
ے گوہے کے لولے نکال سکتا ہوں۔''

''گوہے کے لولے کیا چیز۔'' عورت نے ہنس کر گردن سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''گوہے کے لولے نہیں، لوہے کے گولے۔'' قاسم نے کہا۔

''تم واقعی ایسے معلوم ہوتے ہو...... لو اور پیئو۔'' اس نے تھرماس سے اس کے گلاس میں
نڈیل دی۔

قاسم دوسرا گلاس خالی کر کے اٹھا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھانے لگا۔ اتنا بڑا کہ تین آدمی بھی
ے اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتے۔ اس نے اسے اٹھا کر چار پانچ گز کے فاصلے پر اچھال دیا۔
ت حیرت سے منہ پھاڑے اُسے گھور رہی تھی۔ لیکن اب شراب اپنا کام کر چکی تھی۔ قاسم کو
ڑے ہی کھڑے بڑے زور کا چکر آیا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

عورت کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ اس نے اپنا گلاس جس سے ابھی تک ایک گھونٹ بھی نہیں پیا گیا تھا اٹھایا اور زمین پر الٹ دیا۔

قاسم کئی گھنٹے تک بے ہوش رہا اور جب اُسے ہوش آیا تو وہ یہی سمجھا کہ شاید وہ اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔ اس نے کروٹ بدلی اور اس کے نیچے خشک گھاس کرکرا کر رہ گئی۔ وہ اونگھ رہا تھا اور اسی اونگھنے کے دوران میں اسے وہ تنگڑی سی سورت یاد آئی اور اس کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے نیچے سوکھی ہوئی گھاس کا ڈھیر تھا اور وہ جہاں بھی تھا وہاں سے اُسے آسمان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے آنکھیں ملیں اور چندھیایا ہوا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی غار میں تھا اور وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ اس غار میں بجلی کا بلب روشن دیکھ کر بوکھلا نہ جاتا۔

آہستہ آہستہ اس کے حواس خمسہ بیدار ہوتے جا رہے تھے اور اب اُسے اس شور کا احساس ہوا جو اُسے پہلے بھی مسلسل سنائی دیتا رہا تھا۔ مگر اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پتھر توڑے جا رہے ہوں۔

وہ گھبرا کر غار کے دہانے سے نکل آیا۔ پہلے تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ اندھیرے سے دھوپ میں آ گیا ہو لیکن پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ بجلی کی بہت ہی تیز قسم کی روشنی تھی اور اس کے سامنے بے شمار آدمی چھینیوں اور ہتھوڑیوں سے پتھر کی دیواریں تراش رہے تھے۔

ایک پستہ قد اور موٹا سا انگریز اس کی طرف جھپٹا۔

''تم جاگ پڑے...... بدمعاش...... سور...... کمینے۔'' وہ قاسم کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

''زبان سنبھال کے ذرا......!'' قاسم کو غصہ آ گیا۔

''تم میری عورت کو خراب کرنا چاہتے تھے۔'' انگریز نے چیخ کر کہا اور قاسم اردو میں ہکلانے لگا۔

''ارے توبہ...... ارے پیارے...... نہیں تو اللہ قسم......!''

''میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔''

قاسم کانپنے لگا۔ اب اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آخر اُس نے بہت سوچ کر کہا۔

''نہیں میں تو تمہاری بیوی کو اپنی طاقت کا نمونہ دکھا رہا تھا۔''

''بکتے ہو......!'' انگریز چیخا۔

''اس سے پوچھو کیا میں نے اُسے ایک بڑا وزنی پتھر اٹھا کر نہیں دکھایا تھا۔ کوئی دس بارہ من رہا ہوگا۔''

''دس بارہ من......!'' انگریز بگڑ کر بولا۔ ''اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہوگا۔''

''نہیں اللہ قسم...... یعنی کہ بائی گاڈ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔''

''ابھی امتحان ہو جاتا ہے۔'' انگریز نے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ اُسے ایک ایسی جگہ لایا جہاں پتھر کی بہت بڑی بڑی سلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ''ان میں سے کوئی ایک اٹھا سکتے ہو۔'' انگریز نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں......؟''

''اچھا تو جہاں میں کہوں ایک اٹھا کر لے چلو۔''

قاسم نے جھک کر ایک سل اٹھائی اور انگریز کے ساتھ چلنے لگا۔ اُسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔

''یہیں ساری سلیں اٹھا لاؤ۔'' انگریز بولا۔

''کیوں اٹھا لاؤں...... تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔''

''گردن توڑ دی جائے گی۔'' انگریز اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''یہی کیا کم ہے کہ میں نے تمہیں زندہ رہنے دیا...... تم میری بیوی کو پھانس رہے تھے۔''

''وہ خود مجھے پھانس کر لائی تھی۔''

''بکواس ہے...... جو کام کہا جائے چپ چاپ کرو...... ورنہ مار ڈالے جاؤ گے۔''

''واہ اچھی زبردستی ہے۔''

''چلو...... ورنہ تمہارا قیمہ کر دیا جائے گا۔''

قاسم نے سوچا بُرے پھنسے...... نہ جانے یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اس نے

چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ لوگ بڑے انہماک سے اپنا کام کررہے تھے لیکن سب انگر
نہیں تھے۔ انکی حالت تباہ تھی اور ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ان سے بھی زبردستی کام لیا جارہا تھا۔
قاسم چپ چاپ سلیں ڈھونے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں سچ مچ اسے پولیس کے حوالے
کردیا جائے اور اگر اس عورت نے بھی اسی کے خلاف شہادت دی تو پھر مصیبت ہی آجائے
گی۔ سلیں ڈھو چکنے کے بعد وہ چپ چاپ کھڑا ہوگیا۔

یہاں اس پستہ قد کے علاوہ دو انگریز اور بھی تھے مگر وہ کام نہیں کررہے تھے۔

"اے ٹم ایڈھر سنو......!" انگریز نے ایک مزدور کو مخاطب کرکے کہا۔ "اس موٹے آدمی کو
کام بتاؤ۔"

مزدور نے قاسم کو اشارہ کرکے پاس بلایا۔

"یہ سب کیا ہورہا ہے۔" قاسم نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" مزدور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "آپ آج ہی پھنسے ہیں کیا۔"

"پھنسا ہوں......کیا مطلب۔"

"کیا آپ اس حرامزادے کا پیچھا کرتے نہیں آئے تھے۔"

"کس حرامزادے کا۔"

"وہی......حضرت سلیمان کا گھوڑا۔"

"ارے......!" قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "کیا وہی تمہیں لایا تھا۔ تو کیا تم
لوگ وہی ہو جو اس کے پیچھے دوڑے تھے۔"

"جی ہاں......اور اب ہم قیدی ہیں۔ ہم سے زبردستی یہ کام لیا جارہا ہے۔ اگر ہم میں
سے کوئی انکار کرتا ہے تو وہ ظالم اسے مارتے مارتے ادھ موا کردیتا ہے۔"

"کون مارتا ہے؟"

"وہی جانور......گھوڑا۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ قاسم نے گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز سنی اور پھر اسے دہ

انسان دکھائی دیا۔ جس کی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔ وہ اس وقت بھی
کے بل چل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کام کرنے والوں کے ہاتھ پیر تیزی سے چلنے
گھٹنوں کے بل چلتا ہوا گویا کام کی نگرانی کررہا تھا۔ اس کے آتے ہی وہاں سے
لوگ چلے گئے۔ کام بڑی تیزی سے ہورہا تھا۔ دفعتاً اس حیوان نما انسان نے گھٹنوں
چلتے ہوئے ایک مزدور کو دولتی جھاڑ دی وہ بے چارہ سامنے والی دیوار سے جاٹکرایا اور
زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا لیکن کام بدستور جاری رہا۔ کسی نے مڑ کر اس
دیکھا تک نہیں۔ کام کرنے والوں کی نظریں سامنے تھیں اور ان کے ہاتھ مشینوں کی
رہے تھے لیکن چہرے تو مشین تھے نہیں کہ ان پر خوف کے آثار نظر نہ آتے۔

اسم گرے ہوئے مزدور کو اٹھانے دوڑا۔

"ٹم کام نہیں کرٹا سالا......!" وحشی نے دہاڑ کر کہا۔

قاسم اس کی پرواہ کئے بغیر اُسے اٹھانے کے لئے جھکا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے
ی دولتی پڑی۔ اگر قاسم نے اپنے ہاتھ زمین پر نہ ٹیک دیئے ہوتے تو اس کے چہرے کا
بن گیا ہوتا۔

قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ غصے کی آگ اس کے سارے جسم میں بھڑک اٹھی۔

"ہم سالومن کا گھوڑا......مالم......!" وحشی نے ہنہنا کر کہا۔

"تیری دم میں نمدا باندھوں سالے......میں ہاتھی ہوں۔" قاسم اس پر ٹوٹ پڑا۔

وحشی بڑی پھرتی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔ اب وہ بھی سیدھا کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کا
ہت زیادہ خوفناک نظر آنے لگا۔ ہونٹ کانوں کی لوؤں تک پھٹے معلوم ہورہے تھے۔ قاسم
ہ سے دیوانہ ہورہا تھا اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ اُسے اس کی شکل نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ پھر اس
پٹ پڑا۔ لیکن قاسم نے دوسرے ہی لمحے محسوس کیا کہ اس کا سارا جسم لوہے کی طرح سخت
دونوں زور کرنے لگے۔

اچانک کام رک گیا اور کام کرنے والے چیخ چیخ کر قاسم کا دل بڑھانے لگے اور پھر تین

جار انگریز بھی آ گئے۔ انہوں نے تحیر آمیز نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور کشتی ختم کرانے کے
لئے زور زور سے چیخنے لگے۔

لیکن وہ کسی طرح بھی الگ نہیں ہوئے۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ دوسرے کو زمین
پر گرا دے لیکن ابھی تک کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ ''سانوٹے ہٹ جا...... ورنہ بہت مار کھائے گا۔''

اس آدمی میں نہ جانے کیا تھا کہ وحشی کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اور وہ یکلخت اچھل کر پیچھے
ہٹ گیا۔ قاسم اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسی آواز نے کہا۔

''ٹھہرو......!''

قاسم نے رک کر آواز کی طرف دیکھا۔

ایک دراز قد انگریز سامنے کھڑا تھا جس کے چہرے کے دوسرے خدوخال اور آنکھوں میں
ہم آہنگی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آنکھیں اس کے چہرے سے بالکل ہی الگ ہوں

قاسم اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ جیرالڈ شاستری تھا۔

''ارے آپ شاستری صاحب۔'' قاسم چیخ کر اس کی طرف بڑھا۔

''ہاں میں ہوں۔'' جیرالڈ نرم لہجے میں بولا۔ ''تم تو پہلے بھی ہمارے دوست تھے۔''

''اب بھی دوست ہی ہوں۔'' قاسم بولا۔

کام پھر شروع ہو گیا تھا۔ جیرالڈ وحشی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''سانوٹے اپنے غار میں جاؤ۔''

وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' جیرالڈ نے قاسم سے کہا۔

وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جو مکمل ہو چکا تھا۔ یہ کمرہ قاسم کو ویسا ہی معلوم ہوا
تھا جیسے اس نے جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا میں دیکھے تھے۔

جیرالڈ اُس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور اس سے اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ اس
کی شادی کسی تگڑی سی عورت سے کر دے گا۔ پھر اس نے پوچھا۔

''فریدی اور حمید کہاں ہیں!''

''فریدی کا پتہ نہیں......!'' قاسم نے کہا۔ ''لیکن حمید شیزان ہوٹل میں ہے۔ اس نے
اپ کر رکھا ہے اور وہ خود کو کیپٹن پرکاش کہتا ہے۔ لیکن دو دن سے دکھائی نہیں دیا۔ اُسے
پکڑوایئے...... میں اس کی مرمت کرنا چاہتا ہوں...... لاحول ولا قوۃ گوبھی کے پھول
ہی۔''

قاسم کی گھڑی

شیزان کے منیجر کے کمرے میں ایک پولیس انسپکٹر منیجر کا بیان درج کر رہا تھا۔ انور اور
بھی موجود تھے۔ بیان ختم ہو جانے کے بعد پولیس انسپکٹر کاغذ پر نظر ثانی کرتا ہوا فاؤنٹین
جیب میں رکھنے لگا۔

''شیزان میں ایسے واقعات پہلی بار ہوئے ہیں۔'' منیجر بولا۔ ''پہلے کیپٹن پرکاش غائب
پھر یہ قاسم صاحب......!''

''اس دوسرے آدمی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے سامان
کر بھاگ گیا۔ اس کے سوٹ کیس میں تیس ہزار کے نوٹ موجود ہیں۔'' پولیس انسپکٹر نے کہا۔

''وہ کوئی مفلس آدمی تو نہیں ہے۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا
''

''اوہ ٹھیک ہے۔'' پولیس انسپکٹر جیب سے دوبارہ فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔ ''آپ نے
کا پتہ تو لکھوایا ہی نہیں۔''

رشیدہ نے قاسم کا پتہ لکھوادیا کچھ دیر بعد انور اور رشیدہ منیجر کے آفس سے نکل آئے۔ وہ
دل کافی دیر خاموش رہے پھر رشیدہ بولی۔

''انور ...... اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے۔''

''کیوں......!''

''بس یونہی...... اب میں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتی۔''

''تم شوق سے جاسکتی ہو۔''

''ہم آج ہی شام کی گاڑی سے واپس جائیں گے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''تم جاؤ......! مجھے مجبور نہ کرو...... کہ......!''

''خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔ تم اب تک یہاں جھک ہی تو مارتے رہے ہو۔ تم نے کیا معلوم کیا اب تک...... کیا کیا......!''

''کچھ بھی نہیں...... لیکن ارجن گھاٹی والا واقعہ مجھے روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں۔''

''میں تمہیں اس معاملے میں ٹانگ نہیں اڑانے دوں گی۔ سمجھے۔'' رشیدہ بولی۔

''تب تمہیں آج ہی یہاں سے سفر کرنا ہوگا...... معلوم ہوتا ہے کہ قاسم کے بغیر دل نہیں لگ رہا ہے۔''

''میں تمہارا منہ نوچ لوں گی...... سُوَر......!''

''ارر...... تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔''

''تم کتے ہو۔'' رشیدہ بپھر گئی۔ ''کیا اس کی دولت اس حکومت کا عشر عشیر بھی ہے جو میرے ہاتھ آرہی تھی۔''

انور نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس کی نظریں مورگن کا تعاقب کررہی تھیں جو اوپری منزل سے نیچے آکر صدر دروازے کی طرف جارہا تھا۔

''اس آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔'' اس نے رشیدہ سے پوچھا۔

رشیدہ بدستور جھلائی بیٹھی رہی۔ انور نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ حمید بھی اس کے چکر میں تھا۔ نہ جانے کیوں یہ پچھلے تین دنوں سے تاریک شیشوں کی عینک لگانے لگا ہے۔ پہلے نہیں لگاتا تھا۔''

''تو میں کیا کروں......؟'' رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

''اس کے حرکات وسکنات مشتبہ ہیں۔'' انور نے اس کی جھلاہٹ پہ دھیان نہ دے کر ''یہ روز شام کو ایک سوٹ کیس لے کر باہر جاتا ہے اور شاید رات بھر واپس نہیں آتا۔''

''تو کیا یہی...... وہ مسٹر براؤن ہے۔'' رشیدہ نے پوچھا۔

پراسرار خبطی آدمی جسے اس کے ساتھی، بادشاہ کہتے تھے، دریچے کے قریب کھڑا خواب آنکھوں سے افق میں گھور رہا تھا۔ اس کے جسم پر بڑے بڑے پھولوں والا ریشمی لبادہ تھا اور ں میں مخمل کے کامدار جوتے تھے۔

دفعتاً وہ کسی کی آہٹ پر دروازے کی طرف مڑا۔

دروازے میں فیلڈ کھڑا تھا۔ وہ نہایت ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور پھر سیدھا را ہوگیا۔

''کیا ہے۔'' دیوانے نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''یور میجسٹی...... اس حکم نامے پر دستخط کریں گے۔''

''نہیں بھاگ جاؤ...... نکلو یہاں سے۔ ہم بہت مشغول ہیں۔''

''عالم پناہ...... یہ بہت ضروری ہے۔''

''اچھا تو جولی...... کو یہاں بھیج دو۔''

فیلڈ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن وہ جھک کر بولا۔ ''اچھا جیسی جہاں پناہ کی مرضی۔'' ر پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

دیوانہ بدستور وہیں کھڑا رہا اور تاریکی پھیل گئی۔ ایک آدمی نے کمرے میں آکر روشنی کی اور دیوانہ چونک کر مڑا...... آدمی باہر جانے لگا۔

''ٹھہرو......!'' دیوانہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ آدمی رک گیا۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرا نام کیا ہے۔'' دیوانے نے کہا۔

"شہنشاہ عالم......!" وہ آدمی تعظیماً جھک کر بولا۔ "آپ ساری دنیا کے بادشاہ ہیں
مختلف ملکوں میں آپ کے مختلف نام ہیں۔ ہم آپ کو عالم پناہ کہتے ہیں۔"

"لیکن میرا نام کیا ہے۔" دیوانہ جھنجھلا کر بولا۔

"جس کا جو دل چاہتا ہے کہتا ہے۔"

"تم گدھے ہو۔" دیوانے نے چیخ کر کہا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔"

وہ آدمی ایک بار پھر تعظیماً جھکا اور کمرے سے نکل گیا۔

دیوانہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ د... ہاتھ سے اپنی پیشا
رگڑنے لگتا اور پھر اچانک وہ چیخ کر ایک صوفے پر گر گیا۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں اس وحشی پر
ہوئی تھیں جو گھٹنوں کے بل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ صوفے کے قریب پہنچ کر
رک گیا۔ اس کی بڑی بڑی اور خوفناک آنکھیں دیوانے کو گھور رہی تھیں۔ اچانک وہ تیزی۔
پلٹا اور اتنی ہی پھرتی سے صوفے پر دولتی جھاڑ دی۔ صوفہ الٹ گیا۔ دیوانہ دوسری طرف گرا لیکن
اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ وحشی نے اچھل کر اُسے دبوچ لیا...... دوسرے لمحے میں
وہ اپنے خونخوار دانتوں سے دیوانے کا لبادہ پھاڑ رہا تھا اور دیوانہ اس طرح سہا ہوا ہانپ رہا
جیسے وہ کوئی ننھی منی سی چڑیا ہو اور ایک بڑا سا شکرا اسے نوچ رہا ہو۔ وحشی نے اس کے با
بھنبھوڑ ڈالے تب بھی دیوانے کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ اس نے اس کے بازو اس طرح چبا
کہ خون بہنے لگا۔ لبادہ پہلے ہی تار تار ہو رہا تھا۔ وحشی ایک ہلکی سی ہنہناہٹ کے ساتھ پیچھے
اور اپنی براؤن رنگ کی میلی پتلون کے جیب سے کاغذات کا ایک پلندہ اور فاؤنٹین پن نکالے
پھر اس نے زخمی دیوانے کو گود میں اٹھا کر لکھنے کی میز پر بٹھا دیا۔

اور پھر دیوانے کے ہاتھ میں دبا ہوا فاؤنٹین پن تیزی سے کاغذات پر چلنے لگا۔

وحشی ایک ایک کاغذ الگ کرتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سارے کاغذات سمیٹ کر اپنی جیب میں ٹھونسے اور فرانسیسی
دریچے سے باہر چھلانگ لگا کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

وانہ کرسی پر بیٹھا جھومتا رہا۔ پھر دھڑام سے نیچے چلا آیا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔
س کے گرتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور فیلڈ اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ایک آدمی

"ڈاکٹر...... اسٹیڈی میں بیٹھا ہے۔" فیلڈ نے مڑ کر دوسرے آدمی سے کہا۔

"اسے بلا لاؤ......!"

وسرا آدمی چلا گیا...... فیلڈ نے دیوانے کو فرش سے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا۔

ھوڑی دیر بعد ڈاکٹر ہاتھ میں بیگ لٹکائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"اوہ ڈاکٹر...... دیکھئے...... دیکھئے......" فیلڈ غمناک لہجے میں بولا۔ "چچا آرتھر کو آج پھر
گیا اور انہوں نے اپنی یہ گت بنا ڈالی۔"

ڈاکٹر نے بیگ کو میز پر رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "دیکھئے میں عرصے
رہا ہوں کہ یا تو انہیں پاگل خانے داخل کرا دیجئے یا پھر انہیں تنہا نہ چھوڑا جائے۔"

"میں کیا بتاؤں۔" فیلڈ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "کبھی کبھی غفلت ہو ہی جاتی ہے۔"

"دیکھئے......!" ڈاکٹر نے کہا جو دیوانے کے زخمی بازوؤں پر سے لبادے کی دھجیاں ہٹا
۔ "یہ زخم کبھی نہ کبھی زہرباد میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ یا تو انہیں آپ ہر وقت نگرانی
یے یا پھر کوئی اور معالج ڈھونڈ لیجئے۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے۔"

"اب کیا بتاؤں...... سب کم بخت نوکروں کی غفلت سے ہوتا ہے۔"

"تو پھر انہیں پاگل خانے ہی میں داخل کرا دیجئے۔"

"نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا...... پاگل خانہ۔ میرے خدا۔" فیلڈ نے کسی خوفزدہ بچے کی
ہا۔

"تو پھر ان کی حفاظت کیجئے۔" ڈاکٹر نے بیگ سے سرنج نکال کر سوئی اس میں فٹ
ے ہوئے کہا۔ اتنے میں جولی کمرے میں داخل ہوئی اس نے دیوانے کی طرف دیکھا اور
منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔

''چچا آرتھر......!''

اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔ فیلڈ جلدی سے اس کی
بڑھا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ڈاکٹر انجکشن دے چکنے کے بعد بولا۔ ''مسٹر فیلڈ! ایسے دیوانے جو دوسروں کے لِ
ضرر اور اپنی ہی بوٹیاں نوچنے والے ہوں کسی وقت بھی مر سکتے ہیں۔''

جولی نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

ارجن گھاٹی پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ آسمان میں سیاہ بادل رینگ رہے تھے۔ ایسا
ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں بارش شروع ہو جائے گی۔''

گھاٹی سنسان نہیں تھی۔ وہاں کئی دن سے ملٹری کا ایک دستہ متعین تھا اور اس
فوجیوں کے خیموں میں کہیں کہیں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ نیچے گھاٹی م
تھا اور اوپر چٹانیں بدستور ویران پڑی تھیں۔ اچانک ایک تاریک سائے نے نیچے گھاٹی
جھانکا اور آہستہ سے دوسری طرف رینگ گیا۔

یہ فریدی تھا اور اسے اس راستے کی تلاش تھی جس کے ذریعے وہ وحشی آدمی کا تع
کرنے والوں کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

کئی راتوں سے وہ ان چٹانوں میں بھٹک رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی
ایک بار اس نے کچھ مبہم سے نشانات کے ذریعے بھی آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن جہاں چٹانو
گرد کی تہہ نہیں تھی وہاں سے پھر راستہ مسدود ہو گیا تھا۔

اس دوران میں اس نے میجر نصرت سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ محسوس کی تھ
حمید والے واقعے کے بعد سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ہنگامے کے پس منظر
جیرالڈ ہی کی شخصیت ہے اور یہ تو حقیقت ہے کہ جیرالڈ کے انجام کے متعلق اس کی رائے ہ

ا سے دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ اس بات پر کسی طرح یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ جیرالڈ جیسی
صیت خودکشی کی مرتکب ہو گی۔

اس کی دانست میں صمدانی کا قتل محض ایک ضمنی قسم کا جرم تھا جو حصول دولت کے لئے کیا
یا تھا۔ ظاہر ہے کہ جیرالڈ کے پاس اس کی ذاتی دولت تو تھی نہیں جس کے بل بوتے پر وہ
اری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کے
دمیوں کو معمولی چوروں اور ڈاکوؤں کی سی حرکتیں کرنی پڑتی ہوں گی۔ فریدی کے ذہن میں کئی
ی بڑی ڈکیتیوں کے کیس بھی تھے جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ یہ ساری ڈکیتیاں
ے بڑے بینکوں میں ہوئی تھیں اور اتنے پراسرار طریقے پر ملک کے مختلف حصوں میں عمل میں
ائی گئیں تھیں کہ ابھی تک سراغ رساں واردات کرنے والوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے تھے
لیکن طریقہ کار کی یکسانیت کی بناء پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی ایک ہی گروہ کی ذات سے
تعلق رکھتی ہیں۔

جیرالڈ شاستری کی پہلی زمین دوز دنیا کی تباہی کے بعد سے اب تک کئی بار فریدی پر حملے
بھی ہو چکے تھے اور وہ ہر بار صاف بچ گیا تھا۔ لیکن موجودہ واقعات کے رونما ہونے سے قبل
اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جیرالڈ ہی کی طرف سے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے پیشے کی
بناء پر شہر کے سارے ہی جرائم پیشہ آدمیوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ اس لئے
اس کا دھیان کسی ایک طرف نہیں جا سکا تھا اور اب جیرالڈ ہی اس کا شکار تھا۔ اس نے اپنے
شب و روز اس کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ لیکن ابھی تک اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ کئی
بار اس مکان کی نگرانی بھی کر چکا تھا جس میں حمید نے اپنے چند گھنٹے ایک قیدی کی حیثیت سے
گزارے تھے اور کئی بار اس دیوانے آدمی کو دیکھ چکا تھا اس کی غرض و غایت کیا تھی یہ اب تک
اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بھی جیرالڈ شاستری کو سنسکرت کے ایک
بڑے عالم کے روپ میں دیکھ چکا تھا مگر بہ حیثیت۔ وہ اس دیوانے کو جیرالڈ سمجھ لینے پر قطعی تیار
نہیں تھا اور اگر وہ جیرالڈ ہی تھا تو اس بھیس کا مقصد سچ مچ کی دیوانگی علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

لیکن اسے جیرالڈ جیسے آدمی سے اس کی توقع نہیں تھی اور پھر اس کی آنکھیں اس دیوانے سے بالکل ہی مختلف تھیں۔ فریدی چٹانوں میں رینگتا رہا۔ اس کی نظریں بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ شاید بارش کی وجہ سے اُسے یہ رات بیکاری ہی میں گزارنی پڑے گی۔

وہ واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی چھوٹی سی گول چیز پر پڑا اور وہ کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔ اس نے اسے گرفت میں لے لیا۔ جیب سے ننھی سی ٹارچ نکالی جس کی لمبائی درمیانی انگلی سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ ایک خوبصورت سی کلائی کی گھڑی تھی جس کی ٹوٹی ہوئی چین اس کے دونوں گوشوں سے جھول رہی تھی۔ فریدی اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر وہ بے اختیار چونک پڑا۔ گھڑی کی پشت پر قاسم کا پورا نام کندہ تھا۔ اس نے اُسے پہچان لیا۔ وہ حقیقتاً قاسم ہی کی گھڑی تھی۔ پھر اُسے قریب ہی ریشمی کپڑے کی ایک بڑی سی دھجی بھی ملی جس پر پھول بنے ہوئے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک قرب و جوار کی چٹانوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اس جگہ جہاں گھڑی ملی تھی ایک نشان بنایا اور واپسی کے لئے رینگنے لگا۔

بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔

چٹانوں میں

قاسم کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس کے کام کی رفتار میں سستی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ صبح سے اب تک اس نے درجنوں بہت بڑے بڑے پتھر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچائے تھے۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ یہ مفت کی محنت گراں بھی نہیں گزر رہی تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ پاس ہی کہیں چند خوبصورت لڑکیاں اس کا دل بڑھا رہی تھیں۔ شاید جیرالڈ اس کی اس کمزوری سے واقف ہو گیا تھا اسے بیوقوف ہی بنا کر کام

لیا جا سکتا تھا۔ دوسرے لوگ بھی کام میں مصروف تھے اور وہ انسان نما گھوڑا ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ آج بھی اس نے دو تین آدمیوں کی لاتوں سے مرمت کی تھی مگر قاسم کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔ وہ تنگڑی تنگڑی لڑکیوں کے خیال میں مگن تھا اور جیرالڈ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اچانک اس نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا۔

"اَبے اُو...... وہ میری گھڑی کہاں ہے۔"

"کیسا گھری......!"

"کیا......!" قاسم جھلا کر بولا۔ "تو نے کل شام کو مجھ سے لی نہیں تھی۔"

"ہم نہیں جانتا گھری وری...... سالا تم اپنا کام کرو۔"

"اَبے تم خود سالا" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ "میرے سالے کا سالا...... تمیز سے بات کیا کرو۔"

اس کے جواب میں وہ قاسم کو چونچ دکھا کر ہنسنے لگا۔

قاسم کا پارہ چڑھ گیا اور وہ ایک لڑکی سے بولا۔

"دیکھا...... اسے شرم نہیں آتی...... گھوڑا ہو کر چونچ دکھاتا ہے۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"تمہیں میری گھڑی واپس کرنی ہوگی۔" وہ اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ارے تم اپنا کام کرو۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "اس جنگلی سے مت الجھو۔"

"تو گھڑی اسے ہضم کر جانے دوں۔" قاسم نے جھلا کر کہا۔ "جانتی ہو کتنی قیمتی گھڑی ہے۔ آل پلاٹینم اور ڈائیل پر ہندسوں کی جگہ جواہرات ہیں۔"

"اوہ...... مگر تم نے اسے دی ہی کیوں تھی۔" لڑکی بولی۔

"اس نے کہا میں ابھی واپس کر دوں گا۔"

"تب تو مل چکی۔" لڑکی ہنس پڑی۔ "وہ کہیں پھینک آیا ہوگا۔"

"میں اس کے باپ سے بھی وصول کر لوں گا۔" قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ "پھر وحشی سے

کہا۔ ''لا بے دیتا ہے یا میں شاستری صاحب سے کہوں۔''

وحشی گھٹنوں کے بل دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور خوشامدانہ انداز میں اس کے پیر دبانے لگا۔ ''نا ئیں......سالا اُم اس سے نا ئیں بولے گا۔'' اس نے کہا۔

''ہائیں پھر وہی سالا۔ ابے شامت آئی ہے کیا۔''

''سانوٹے! بھاگو یہاں سے۔'' ایک لڑکی نے اُسے للکارا۔

اور وہ چپ چاپ واپس چلا گیا۔

گھڑی بہت قیمتی تھی۔ قاسم سوچ رہا تھا کہ وہ آج رات کو وحشی کی غار کی تلاشی ضرور لے گا۔ وہ شاستری سے بھی شکایت کرسکتا تھا مگر سوال تھا ملاقات کا۔ وہ اس سے صرف ایک ہی بار ملا تھا اور یہاں کوئی اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتا تھا۔ وہ لوگ شاستری سے متعلق کسی سوال کا جواب ہی نہیں دیتے تھے۔

حمید کو قاسم کی گمشدگی پر بڑی حیرت تھی اس نے اسے اینگلو انڈین لڑکی کا تعاقب کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر قاسم سامان چھوڑ کر کیوں کہیں غائب ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں انور نے اسے ٹھکانے تو نہیں لگا دیا۔ مگر یہ خیال بھی احمقانہ تھا۔ انور اس کی جرأت کر ہی نہیں سکتا تھا اور پھر وہ رشیدہ کے معاملے میں کبھی اتنا زیادہ سنجیدہ نہیں رہا تھا کہ اس کے کسی عاشق کو اپنا رقیب سمجھ بیٹھتا۔

فریدی نے اب تک اس سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا کہ مورگن کا تعاقب کرے جو اب شیزان ہی میں مقیم تھا۔ مورگن عموماً رات کو باہر ہی رہتا تھا اور اب تاریک شیشوں کی عینک بھی استعمال کرنے لگا تھا۔ اس نئے اضافے کی بناء پر حمید فریدی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کی اسکیم کیا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ طریقہ کار کیا ہے؟

حمید کی دانست میں تو یہی مناسب تھا کہ وہ فیلڈ کو پکڑ کر اس سے جیرالڈ کا پتہ پوچھتا۔ واپنا قیدی بناتا۔ پولیس کو ہوا ہی نہ لگنے دیتا۔ اس سے پہلے بھی تو وہ کئی بار یہ طریقہ اختیار کا تھا۔

ادھر اس دوران میں ایک دوسری بات کا انکشاف ہوا تھا جو شیزان ہوٹل میں مسٹر براؤن ام آنے والی تاروں کے متعلق تھی۔ میجر نصرت نے اپنی تحقیقات برابر جاری رکھی تھیں اور ی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ شیزان ہوٹل کے منیجر کا بیان تھا کہ مسٹر براؤن ام کے تار بار بار آتے رہے تھے لیکن وہ انہیں واپس کردیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب وہاں مسٹر براؤن تھا ہی نہیں تو انہیں وصول کون کرتا تھا۔ میجر نصرت نے تار گھر سے رجوع کیا اپس کئے ہوئے تاروں کے فارم نکلوانا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں سے جو جواب ملا وہ حیرت انگیز پوسٹ ماسٹر نے بتایا کہ مسٹر براؤن کا کوئی تار کبھی واپس ہی نہیں آیا۔ سب وصول کئے گئے اس بار تار بانٹنے والوں کی پیئون بکیں نکلوائی گئیں۔ ان پر براؤن کے دستخط موجود تھے۔ ایک کا بھی طرز تحریر دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ مختلف آدمیوں نے مختلف ت میں براؤن کے دستخط کئے ہیں...... اور دو ایک دستخط تو ایسے تھے جیسے کسی آدمی نے زی کے حروف کی نقل کردی ہو۔ جو انگریزی سے قطعی نابلد ہو۔ یہ چیز حیرت انگیز تھی۔ اس لئے تار بانٹنے والوں سے باز پرس کی گئی اور ان سب نے یہی بتایا کہ وہ تار شیزان ہوٹل ہی وصول کئے گئے تھے۔ میجر نصرت کی الجھن کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ ہوٹل کے منیجر کا بیان کہ واپس کئے گئے اور محکمہ تار اس بات پر مصر کہ تار واپس ہی نہیں آئے اور انہیں شیزان ہی میں ل کیا گیا۔ لیکن اس کا کسی کے پاس بھی جواب نہیں تھا کہ دستخطوں میں اختلاف کیوں ہے۔

بہرحال اخبار میں یہ سب کچھ دیکھ کر حمید بھی الجھن میں پڑ گیا تھا اور اس بات سے وہ ن تھا کہ شیزان کے منیجر نے اپنی گردن بچالی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تو سارے تار س کردیئے تھے۔ اب اگر اس کے باوجود بھی تار بانٹنے والے کسی غلط آدمی کو تار دیئے جائیں س میں اس کا کیا قصور؟ بات تھی بھی قاعدے کی خواہ سچ رہی ہو خواہ جھوٹ۔

حمید بڑی دیر سے ڈائننگ ہال میں بیٹھا انور اور رشیدہ کو کسی بحث میں مشغول دیکھ رہا تھا اور اسے اس بات پر صحیح معنوں میں خوشی تھی کہ جتنا وہ جانتا ہے اس کا عشر عشیر بھی انور کو نہیں معلوم۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے اور حمید کھانے سے فارغ ہو کر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک ویٹر نے اسے فون کال کی اطلاع دی۔ حمید کی موجودہ حیثیت میں یہ پہلی فون کال تھی اور اس کی اس حیثیت کا علم فریدی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اس لئے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ وہ کال فریدی ہی کی تھی۔

وہ حقیقتاً فریدی ہی کی فون کال تھی اور فریدی نے اسے دس بجے رات کو رانی باغ کی اترائی کے قریب بلایا تھا۔

حمید کو یاد آیا کہ فریدی کا اقامتی غار رانی باغ کی اترائی سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ حمید نو بجے روانہ ہو کر ٹھیک دس بجے رانی باغ کی اترائی کے قریب پہنچ گیا۔

آج بھی مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔ حمید کو انتظار نہیں کرنا پڑا۔ فریدی اسے اپنی اقامتی غار میں لے گیا۔ حمید کو اس بات پر حیرت تھی کہ فریدی اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی کسی دن شیو کرنا نہیں بھولتا اور اس کے کپڑے بھی گندے نہیں تھے۔

فریدی نے وہ گھڑی حمید کو دکھائی جو پچھلی رات ارجن گھاٹی کی ایک چٹان پر پڑی ملی تھی۔

''اوہ...... یہ تو سو فیصد قاسم ہی کی ہے۔'' حمید بولا۔ ''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ قاسم جیراللہ ہی کے پھندے میں پھنس گیا ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر جیراللہ کو قاسم سے اتنی دلچسپی۔ پچھلی بار بھی اس نے اسے اغوا کیا تھا۔''

''قاسم کام کا آدمی ہے۔ خصوصاً ایسے موقع پر۔'' فریدی چند لمحے رک کر بولا۔ ''جیراللہ اپنے لئے نئی زمین دوز دنیا تعمیر کر رہا ہے کیا قاسم ایک اچھا مزدور نہ ثابت ہوگا۔ وہ غیر معمولی طور پر طاقتور ہے۔''

''تو اب قاسم کے غائب ہونے کا مسئلہ بھی صاف ہو گیا۔'' حمید نے کہا۔

''قطعی...... لیکن یہ۔'' فریدی رنگین کپڑے کی دھجی حمید کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ''یہ بھی اس گھڑی کے قریب ملی تھی۔''

''اس کا کیا مطلب......!'' حمید چونک پڑا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''ظاہر ہے اس کپڑے کا لباس کسی عورت ہی کا ہوسکتا ہے۔''

''نہیں...... اس کپڑے کے پردے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔''

''میں کل رات اُس چٹان پر نشان بنا آیا تھا ہوسکتا ہے کہ راستہ وہیں کہیں قریب ہی ہو۔ کل رات بارش کی وجہ سے مجھے وہاں سے چلا آنا پڑا تھا۔ آج ہم اسے دیکھیں گے۔''

''آپ کے لئے ایک دوسری اطلاع بھی ہے۔'' حمید نے کہا اور براؤن کے تار کا واقعہ دہرادیا۔

''میری لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''فرزند! یہ بات اس وقت کی ہے جب میں یہاں آیا تھا۔ میں نے اس تار کے متعلق چھان بین کی تھی اور مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ شیزان میں براؤن کے نام پر پہلا تار نہیں تھا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ براؤن کا کیا حشر ہوا تھا۔ غالباً یہ بات اخبار میں نہیں آئی...... کیوں؟''

''تار بانٹنے والوں کا بیان ہے کہ وہ وصول کئے گئے۔ حالانکہ وصول کرنے والے کے خط مختلف کاپیوں پر مختلف ہیں۔ لیکن انہیں وصول ضرور کیا گیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ سارے ہی تار بانٹنے والے براؤن کے آدمی ہوسکتے ہیں۔''

''ان میں سے ایک بھی براؤن کا آدمی نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''پھر آخر تار کا کیا حشر ہوا۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''بتاتا ہوں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''فرض کرو کہ تم ایک تار بانٹنے والے ہو۔ تمہارے پاس کئی تار ہیں ان میں سے ایک ایسا بھی ہے جسے کسی نے لیا نہیں۔ بہرحال تم اسے [illegible] لئے جا رہے ہو۔ تمہیں اس تار کو دفتر میں واپس کرنا ہے۔ جب تم دفتر پہنچے اور تم نے اپنے

کاغذات جمع کرانے کے لئے نکالے تو وہ تار غائب تھا جسے تم نے واپس کرنا تھا اب بتاؤ تم ایسی صورت میں کیا کرو گے۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہی کرو گے نا کہ وصول یابی کے اس خانے میں اس آدمی کے دستخط کر دو جسے وہ تار پہنچنا چاہئے تھا۔ اب اگر پوچھ گچھ ہو تو تم یہ کہہ کر کسی حد تک پیچھا چھڑا سکتے ہو کہ وصول کنندہ کی پیشانی پر اس کا نام تو تحریر تھا نہیں۔ اس نے کہا وہ براؤن ہے اور تم نے اُسے تار دے دیا۔"

"تو کیا وہ سارے دستخط تار بانٹنے والوں کے ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"سو فیصدی یہی بات ہے۔ میں نے ان سب سے اقبال کرالیا ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ ان غریبوں کی مٹی پلید ہو۔ آخر ان کا کیا قصور۔ لیکن تاروں کو ان کی جیبوں سے غائب کرنے والا کوئی ایسا ہی آدمی ہو سکتا ہے جو شیزان میں ہر وقت موجود رہتا ہو۔"

"کمال ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "لیکن تار بانٹنے والوں نے یہ بات میجر نصرت کو نہیں بتائی۔"

"میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ سمجھا دیا تھا کہ وہ اپنے اسی بیان پر اڑے رہیں کہ انہوں نے تار تقسیم کئے تھے۔"

"آخر اس میں کیا مصلحت تھی۔"

"محض ان غریبوں کی ملازمت بچانے کے لئے۔ وہ یہ بات مجھے بھی نہ بتاتے لیکن طریقہ کار نے اگلوا ہی لیا۔"

"آخر وہ کون آدمی ہو سکتا ہے جس نے تار اڑائے۔" حمید خود سے بولا۔ "کیا مورگن" پھر اس نے چونک کر کہا۔ "خوب یاد آیا...... مورگن اب تاریک شیشوں کی عینک بھی لگانے لگا ہے۔"

"خوب......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اچھا اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔ ہمیں بالکل سیاہ لباس میں چلنا ہوگا۔ تمہارے کپڑے وہ ادھر رکھے ہوئے ہیں۔"

"وہ جلد ہی تیار ہو گئے۔"

"بادل تو آج بھی ہیں۔" فریدی بولا۔ "لیکن بارش کے امکانات نہیں۔"

"اگر ہوں بھی تو آپ کا کیا بگڑتا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

نہیں بارش کی صورت میں وہ جگہ مخدوش ہو جاتی ہے۔"

ر وہ خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔ حمید قدم قدم پر لڑکھڑا رہا تھا۔ اوپر نیچے لڑھے...... دراڑیں...... اور کانٹے دار جھاڑیاں۔

اس پاگل شہنشاہ کے متعلق بھی کچھ معلوم کیا آپ نے۔" حمید نے پوچھا۔

کل رات کی اطلاع ہے کہ اس نے خود کو لہولہان کر لیا تھا۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہے کیا بلا......؟"

اتنا میں جانتا ہوں کہ وہ محض مذاق نہیں ہے۔ اُس کے پس منظر میں کوئی اہم بات ہے۔"

اگر آپ چاہتے تو فیلڈ کو پکڑ کر اپنے طور پر بہت کچھ اگلوا سکتے تھے۔" حمید نے کہا۔

ناممکن...... کیا تمہیں عرفانی صاحب ؎ والی ڈائری کی تحریر یاد نہیں۔ جیرالڈ کے گروہ راز بتانے پر مرجانے کو ترجیح دیتے ہیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

کیا آپ انور کو شریک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔"

نہیں...... میں اُسے ایک ہلکا سا سبق دینا چاہتا ہوں۔ وہ اپنی کارگزاریوں پر کچھ مغرور ہے۔"

مغرور تو آپ بھی ہیں۔" حمید نے کہا۔

لیکن مجھے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں۔ جہاں میں بے بس ہوتا ہوں وہاں بے بسی کا بھی کر لیتا ہوں۔"

وہ ارجن گھاٹی کے قریب پہنچ گئے...... اب فریدی حمید کو جس راستے پر لے جا رہا تھا وہ دشوار گزار تھا اور ذرا ہی دیر میں حمید کی سانس پھولنے لگی تھی۔ یہاں وہ کھڑے ہو کر چلنے ئے سینے کے بل رینگ رہے تھے۔

غالباً یہی وہ جگہ تھی۔" فریدی نے چھوٹی سی ٹارچ نکال کر اُسے روشن کرتے ہوئے یہ رہا...... دیکھو یہ نشان......!" اس نے پھر ٹارچ بجھا دی۔ وہ ٹھہر گیا تھا۔ حمید نے سوچا

ائے لئے "جنگل کی آگ" جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

چلو غنیمت ہے۔ اس طرح سانس بھی اعتدال پر آجائے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ فریدی
پھر رینگنے لگا تھا۔ طوعاً و کرہاً وہ بھی بڑھا۔ فریدی نے اُبھری ہوئی چٹان کے گرد ایک چکر لگایا
باریک سی شعاع والی ٹارچ روشن تھی اور وہ اس کی روشنی چٹان کی جڑ میں ڈال رہا تھا۔ دفعتاً
کو ایک جگہ ایک دراڑ سی نظر آئی۔ اتنی لمبی اور چوڑی کہ ایک آدمی لیٹ کر بآسانی اس میں سما سک
تھا۔ فریدی نے دراڑ میں ٹارچ ڈال کر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

''اندر سے کافی کشادہ غار ہے۔'' اس نے سرگوشی کی۔

وہ گھاٹی کی سطح سے صرف دس یا بارہ فٹ کی اونچائی پر تھے اور ان سے فوج کا پڑاؤ بھ
کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ غار

قاسم دن بھر کی محنت کے بعد کافی دل برداشتہ ہو رہا تھا اور یہ بات کچھ کچھ اس کی سمجھ م
بھی آنے لگی تھی کہ اسے بے وقوف بنایا جا رہا ہے اور آج تو اس سے بالکل ہی معمولی قیدیوں
سا برتاؤ کیا گیا تھا۔ گھڑی کے معاملے میں وہ سانوٹے سے الجھ پڑا تھا اور نوبت پھر کشتی کی ن
آ گئی تھی کہ تین چار انگریز اس پر ٹوٹ پڑے۔ کسی طرح وہ ایک پتھر سے اٹک کر گر گیا او
انہوں نے اس کی خاصی مرمت کر دی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے ریوالور نکال لیا او
قاسم کو انتہائی غصے کے باوجود بھی کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

رہ گیا جیراللہ کا معاملہ تو وہ پہلی ملاقات کے بعد سے پھر ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اگر
کبھی قاسم سہواً بھی اس کا نام لے لیتا تو چاروں طرف سے اس پر یورش ہو جاتی تھی ساتھ وا
لڑکیاں تک اُسے ڈانٹنے لگتی تھیں۔

قاسم پیال کے بستر پر پڑا غصے میں بل کھاتا رہا۔ اُسے پھر اپنی گھڑی کی یاد ستانے لگی

ے سوچا کہ اس وقت سانوٹے اپنے غار میں تنہا ہی ہوگا۔ تین چار گھنٹوں کے لئے کام رک
ا اور اس زمین دوز دنیا کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ بجلی پیدا کرنے والے جنریٹر کو وہاں
وں نے ایک ایسے غار میں فٹ کیا تھا جہاں سے اس کا شور پھیلنے نہیں پاتا تھا۔ یا پھر وہ
ہی کسی خاص قسم کا رہا ہوگا...... بے آواز۔''

قاسم اٹھ بیٹھا۔ غصے سے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے غار سے نکل کر اس زیر
غار میں آیا جہاں دن بھر کام کرتا رہا تھا۔ یہاں ایک بھی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا اور صرف
بلب روشن تھا وہ بھی زیادہ سے زیادہ ساٹھ پاور کا رہا ہوگا۔ اتنے بڑے غار کے لئے اس کی
نا کافی تھی۔

قاسم کو سانوٹے کا ٹھکانہ معلوم تھا۔ وہ سانوٹے کے غار میں داخل ہوا۔ لیکن سانوٹے
د نہیں تھا۔ کچھ دیر قبل شاید وہ یہیں رہا ہوگا۔ کیونکہ کھانے کے برتن جھوٹے پڑے ہوئے
۔ قاسم نے سوچا موقع اچھا ہے کیوں نہ اس کے سامان کی تلاشی لی جائے۔ شاید اس نے
ی یہیں کہیں چھپا رکھی ہو۔ قاسم کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سانوٹے تھا تو وحشی لیکن اس
استعمال کی ساری چیزیں اعلیٰ قسم کی اور پُرتکلف تھیں۔ وہ نہایت نفیس قسم کا تمباکو پیتا تھا۔
ا بستر بھی پُرتکلف تھا۔ سامان میں قاسم کو عمدہ قسم کے سینٹ کی شیشیاں بھی ملیں۔ ایک البم
ائی دیا جس میں زیادہ تر ننگی تصویریں تھیں۔ کچھ خطوط بھی ملے جو لڑکیوں کی طرف سے لکھے
ے تھے اور یورپ کے مختلف حصوں سے آئے تھے۔

اسے سب کچھ ملا لیکن وہ گھڑی نہ ملی جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ ساری چیزیں جوں کی
ں رکھ کر مڑا ہی تھا کہ اُسے غار میں ایک دوسرے غار کا دہانہ نظر آیا۔ قاسم نے وہاں جھانک
کر دیکھا لیکن تاریکی کی وجہ سے کچھ سجھائی نہیں دیا۔ اُس نے پلٹ کر سانوٹے کی ٹارچوں میں
ے ایک اٹھائی اور غار میں اتر گیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ایک مشین گن پر پڑی جس میں
یگزین چڑھا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کسی حملے کے لئے پہلے ہی سے تیار کیا گیا
ہو۔ قاسم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد یہ بات اس کی سمجھ میں

آ گئی کہ وہ غار نہیں بلکہ ایک سرنگ ہے اور اس کی دیواروں کو باقاعدگی کے ساتھ تراشا گیا ہے۔ سرنگ کافی کشادہ اور اونچی تھی۔ اتنی اونچی کہ قاسم انتہائی طویل قامت ہونے کے باوجود بھی اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے اوپری حصے کو نہیں چھو سکتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ باہر نکلنے کا راستہ تو نہیں ہے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔ قاسم پلٹ کر اس سے لپٹ پڑا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے گر کر بجھ چکی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے محسوس کر لیا کہ وہ حملہ آور کون ہے۔ اس کا ہاتھ حملہ آور کی پیٹھ پر پڑ گیا تھا جس پر لمبے لمبے بالوں کی ایک پتلی سی لکیر تھی اور اس کا جسم لوہے کی طرح سخت تھا۔

فریدی نے پھر دراڑ میں ہاتھ ڈال کر ٹارچ روشن کی۔ حمید بھی رینگتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے بھی دراڑ میں جھانکا......وہ واقعی ایک بڑا سا غار تھا۔

''کیا خیال ہے۔'' حمید نے سرگوشی کی۔

''ہو تو سکتا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''بڑی مناسب جگہ ہے۔ سامنے والی بڑی چٹان اس دراڑ میں گھاٹی کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہے اگر ہم یہاں کھڑے بھی ہو جائیں تو اس طرف کے فوجی ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر یہ دیکھو......!''

فریدی ایک گڑھے میں رینگ گیا جس میں کانٹے دار جھاڑیوں کی بہت سی کٹی ہوئی شاخیں پڑی تھیں۔

''آخر یہاں ان کٹی ہوئی جھاڑیوں کا کیا کام۔ انہیں یہاں کسی نے اور کس مصلحت سے کاٹ کر ڈالا ہے......مائی ڈیئر سوچو......!'' فریدی کی آواز جوش میں کپکپانے لگی۔

''کیوں......ان جھاڑیوں میں کون سی خاص بات ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ......اگر انہیں اس دراڑ کے دہانے میں پھنسا دیا جائے تو کوئی اس دراڑ کی طرف دھیان ہی نہیں دے گا۔ بلکہ شاید کوئی یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے کوئی دراڑ بھی

ہے۔ اب ان جھاڑیوں کی نوعیت پر غور کرو۔ خشک ہو جانے کے بعد بھی ان کی رنگت
ی توں برقرار رہتی ہے۔ لہٰذا یہ کاٹی ہوئی بھی نہ معلوم ہوں گی۔ پھر اس کے علاوہ ان کا مقصد ہو ہی کیا سکتا ہے۔ آخر یہ یہاں کیوں ڈالی گئی ہیں۔''

''آپ تو ذرا ذرا سی باتوں پر......!''

''اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔'' فریدی بولا۔

اور دوسرے لمحے میں وہ لیٹ کر اس غار میں اتر رہا تھا۔ پھر وہ حمید کی نظروں سے غائب
حمید دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ سچ مچ جیرالڈ کی پناہ گاہ ہے
بھی فریدی کو اس میں تنہا داخل ہونے کی حماقت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ اپنی جیب میں
ور ٹٹولنے لگا۔ وہ اب بھی غار کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

پھر اُسے اندر مدھم سی روشنی دکھائی دی جو غالباً فریدی کی ٹارچ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ٹارچ
خ دراڑ کی طرف ہو گیا۔ فریدی اسے ہلا رہا تھا۔ یہ حمید کے لئے بھی اترنے کا اشارہ تھا۔

حمید کو نیچے پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ غار کافی بڑا اور غیر مسطح تھا۔ اس غار میں چھوٹے چھوٹے غار اور بھی نظر آ رہے تھے اور فریدی ان کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ حمید نے اُسے اچھی طرح دیکھا بھالا......ایک جگہ انہیں جوتا پڑا ملا جو پرانا نہیں تھا کئی جگہ سگریٹ جلے ہوئے ٹکڑے شراب کی بوتلوں کے کاگ بھی دکھائی دیئے۔

''دیکھو یہاں بھی ویسی ہی جھاڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔'' فریدی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اور یہ سگریٹ کے ٹکڑے اور بوتلوں کے کاگ۔''

''یہ غار جیرالڈ کی پناہ گاہ نہیں ہو سکتا۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں کہ یہاں رام گڑھ
لوگ عیاشیوں کے لئے آتے ہوں۔''

''وہ عیاشی کس قسم کی ہو سکتی ہے فرزند۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ایک تنہا آدمی کی عیاشی
میں نہیں آتی۔''

تو کیا وہ سب ایک ایک جوتا چھوڑ جانے کی اسکیم بنا کر آئے ہوں گے۔" حمید ہنس پڑا۔
"تو اس کا مطلب یہ کہ وہ لوگ صرف ایک کے علاوہ پہلے ہی سے بھاگنے کیلئے تیار تھے
اور پھر یہاں سے تو بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر تم باہر دراڑ کے سامنے جم جاؤ۔"

"او بابا.....تو پھر کیا ہے۔" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اپنے مقدر میں تو بر
ہمیشہ جوتے ہی آتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ انہیں آدمیوں میں سے کسی ایک کا ہوسکتا ہے جو اس وحشی کے پیچھے
بھاگتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں بڑی بے دردی سے پکڑ کر اوپر والی دراڑ میں ٹھونس کر پہار
گرایا جاتا رہا ہوگا۔ اوپر پہلے ہی سے کچھ آدمی ان کے منتظر رہے ہوں گے۔ دراڑ کے سامنے کی
چٹان، دراڑ والی چٹان پر اس طرح جھکی ہوئی ہے کہ وادی کے اوپر کھڑے ہوئے لوگ بھی دونوں
کے درمیان فاصلہ کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسلئے وہاں بیس آدمی بآسانی چھپ سکتے ہیں۔"

"اب میں اپنا سر کسی پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش کر دوں گا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"کیوں؟"

"آخر وہ سب سالے ہیں کہاں؟" حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "مجھے تو آگے
جانے کا بھی کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔"

"معاملہ جیرالڈ سے الجھا ہے، بیٹے خاں..... کسی نتھو بدھو خیراتی سے نہیں۔"

فریدی پھر ٹارچ کی مدھم سی روشنی میں غار کا جائزہ لینے لگا۔

"ارے.....!" وہ چونک کر بولا پھر کچھ سننے لگا۔

"کیا مصیبت ہے۔" اس نے کہا۔ "پھر بارش شروع ہوگئی۔ چلو نکلو جلدی۔"

وہ غار کے باہر آ گئے۔ بادل جم گئے تھے اور ہلکا سا ترشح شروع ہوگیا تھا۔ وہ وادی سے
دور نکل جانے کی جدوجہد کرنے لگے۔

وحشی نے قاسم کے بازو پر منہ مارا اور قاسم کی چیخ نکل گئی۔ دوسرے لمحے میں اس کا
وحشی کے چہرے پر پڑا اور وہ اندھیرے میں نہ جانے کدھر لڑھک گیا۔

"سالے.....!" قاسم نے ہانپتے ہوئے ایک گندی سی گالی دی۔

اچانک اندھیرا دور ہوگیا اور پوری سرنگ میں کئی بلب روشن ہوگئے تھے، اور سانوٹے
یں ریوالور لئے کھڑا تھا۔ قاسم نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"تم سالا بھاگنا مانگتا۔" اُس نے ریوالور کی نال سے قاسم کو چلنے کو کہا۔

"اچھا چلو.....!" قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ "مگر اتنا یاد رکھو کہ تمہاری جان میرے ہی
سے جائے گی۔"

"چالو.....!" سانوٹے چنگھاڑ کر بولا۔ اس وقت وہ سیدھا کھڑا ہو کر چل رہا تھا۔

چلتے چلتے قاسم کے ذہن کی رو بہک گئی اسے وہ البم یاد آیا جو اس نے سانوٹے کے
امان میں دیکھا تھا۔

"سالے تم آوارہ ہو۔" قاسم رکا اور پلٹ کر بولا۔ "گندی گندی تصویریں رکھتے ہو شرم
ہیں آتی۔"

"تم کیا جانے۔" سانوٹے اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے تمہارا البم دیکھا ہے۔"

"تم سالا چور.....!"

"نہیں پیارے.....!" قاسم مسکرا کر بولا۔ "وہ تو بڑی اچھی ہیں۔"

"تم دیکھا کیوں؟" سانوٹے نے گرج کر کہا۔

"میں اپنی گھڑی تلاش کر رہا تھا۔"

"گھڑی گیا.....سالا جہنم میں۔"

"تم اگر وہ البم مجھے دے دو تو میں گھڑی نہیں مانگوں گا۔" قاسم نے کہا۔

"نہیں ڈے گا.....تم چالو.....نہیں گولی مارتا۔"

قاسم پھر چلنے لگا اور سانوٹے کے غار میں پہنچ کر اس نے کہا۔ "اچھا ایک بار دکھا دو" سانوٹے ہنسنے لگا۔

"الاقسم میں بھاگ تھوڑا ہی رہا تھا۔" قاسم نے کہا۔ "یہاں آیا اور اس راستے سے وا چلا گیا۔"

"بیٹھ جاؤ.....!" سانوٹے نے ریوالور پتلون کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے البم نکالا اور وہ دونوں اس طرح تصویریں دیکھنے لگے جیسے کچھ دیر قبل کوئی با ہی نہ ہوئی ہو۔ شاید سانوٹے بھی قاسم کی طرح خبطی تھا۔ پھر اُن دونوں میں راز و نیاز شر ہو گئے۔

"اس کا آنکھ دیکھو.....!" سانوٹے نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"قاتل ہے۔" قاسم ہونٹ چاٹ کر بولا۔

"کاٹل کیا ہوتا۔"

"مرڈر.....!" قاسم نے قاتل کا انگریزی ترجمہ کیا۔

"تم الو ہو.....یہ کاٹل کیسے ہوتا.....اتنا اچھا ہے۔نہیں کاٹل نہیں ہوتا۔"

پھر وہ دونوں اپنی محبوباؤں کی باتیں کرنے لگے۔

"ہمارا چار بی لوّڈ ہے۔" سانوٹے بولا۔ "تم بی لوّڈ کو کیا بولتا ہے؟"

"معشوق.....!" قاسم نے کہا۔

"ماشوک.....!" سانوٹے ہنہنانے لگا۔

"ابے سالے تو اچھا خاصا آدمی ہے پھر کیوں گھوڑا بنتا ہے۔" قاسم نے کہا۔

"ہمارا ماشوک نے ہم کو گھوڑا بنا ڈالا۔" وہ پھر ہنہنایا۔

"اگر تم گھوڑا ہے تو میں تجھ پر سواری کروں گا۔" قاسم نے کہا۔

"آؤ.....!" وہ گھوڑا بن گیا اور قاسم اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے غار کے دو تین چکر گائے اور پھر یک بیک ہنہنا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ قاسم ہنسی میں مگن تھا کہ اس کا سر پچھلی دیوار ے ٹکرایا اور وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ سر تو نہیں پھٹا تھا لیکن اچانک چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ضرور ہو گیا تھا۔ سانوٹے اسے اس حال میں دیکھ کر ہنسنے لگا۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر اس نے قاسم کے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے۔ جسم پر ایک دھجی بھی نہیں چھوڑی۔ اس نے اس کے سارے کپڑے اپنے صندوق میں رکھ دیئے پھر دوات اٹھائی اور اس میں انگلی ڈبو ڈبو کر قاسم کے ڈاڑھی اور مونچھیں بنانے لگا۔

پھر اچانک جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے دوات میز پر رکھ دی اور سرنگ میں دوبارہ داخل ہو گیا۔ یہاں کے بلب اب بھی روشن تھے۔ وہ چلتا رہا۔ پھر اس جگہ پر پہنچا جہاں پر سرنگ ختم ہو گئی تھی۔ یہاں ایک طرف لوہے کا ایک بے ڈھنگا سا ڈھانچہ رکھا ہوا تھا جس میں کل پرزے بھی نظر آ رہے تھے۔ اس نے اس میں لگے ہوئے ایک چھوٹے سے پہیئے کو حرکت دی۔ دوسرے ہی لمحے میں سرنگ کے سرے پر ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہو گیا اور اب سانوٹے اسی غار میں تھا جس میں تھوڑی دیر قبل فریدی اور حمید سر مارتے پھر رہے تھے۔ سانوٹے نے جھاڑیوں کی شاخیں اٹھا اٹھا کر غار کے دہانے میں پھنسانی شروع کر دیں۔

پہاڑ سے مقابلہ

فریدی اور حمید ابھی چڑھائی پر ہی تھے کہ بوندیں رک گئیں۔ فریدی پھر پلٹ پڑا اور حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔

"اس غار کے متعلق آپ نے جو کچھ کہا انہیں میں دلائل نہیں بلکہ مفروضات سمجھتا ہوں۔"

"اور میں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"جب تک زندہ حقائق سامنے نہ آ جائیں کسی بات پر یقین نہ کرنا چاہئے۔"

"تو پھر اس دردسری سے کیا فائدہ۔"

"کسی چیز کا خیال اس کی پیدائش کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ میں ایک بار پھر اُس غار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے وہاں کوئی غیر فطری چیز دیکھی تھی۔ اس کا کچا سا شعور اب بھی میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔"

"چلئے جناب...... اب پکائیے اس شعور کو اور مجھے بھی کھلائیے۔" حمید عاجز آ کر بولا۔ غار اور ان میں پائی جانے والی اشیاء کے متعلق اُس نے جو خیال قائم کیا تھا اُس پر اب بھی جما ہوا تھا اور اب وہ دوبارہ وہاں جانے کو تضیع اوقات ہی سمجھتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی جگہ پہنچ گئے۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور پھر وہ حمید کی طرف مڑا جس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"کیا یہ جھاڑیاں دراڑ میں پھنسا کر گئے تھے۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید نے اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک محسوس کر لی۔ جو کشت و خون کے موقعوں پر ضرور نظر آتی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے جھاڑیوں کی شاخیں دراڑ سے ہٹانی شروع کر دیں۔ راستہ صاف ہو جانے کے بعد اس نے دراڑ میں ٹارچ ڈال کر اندر کا جائزہ لیا۔ غار پہلے ہی کی طرح ویران نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ انہیں غار میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی کی ننھی سی لکیر تیزی سے اِدھر اُدھر گردش کر رہی تھی۔ آخر ایک ابھرے ہوئے پتھر کے سامنے رک گیا۔

"ذرا اسے دیکھو......!" فریدی نے کہا۔ "کیا یہ پتھر تمہیں غیر قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔"

"قطعی نہیں۔" حمید بولا۔ "مجھے تو ایسی خاص بات نظر نہیں آتی۔"

"اوہ...... اس کی جڑ میں دیکھو...... یہ چاروں طرف لکیر کیسی ہے۔ شاید یہ چیز میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں نے اُسے پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اس پر غور نہیں کیا تھا۔"

حمید نے جھک کر بڑے غور سے دیکھا۔ واقعی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہاں خاص طور سے فٹ کیا گیا ہو۔ اُسی جگہ کئی دوسرے پتھر بھی تھے مگر ان میں یہ بات نہیں تھی اور

ر میں وہ پتھر بھی دوسروں ہی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اسے فریدی کی باریک بین نظروں کا ں ہو جانا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پتھر پر زور آزمائی کر رہا تھا۔ لیکن اس نے جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ آخر وہ تھک کر پیچھے ہٹ آیا اور خود ہی بڑبڑانے لگا۔ "کیا حماقت ہے۔ بھلا یہ زور آزمائی کے لئے یہاں لگایا گیا ہوگا۔" وہ پھر ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ یہاں غار دو تین چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے۔ دوسرے لمحے میں روشنی کی پتلی سی لکیر ان گڑھوں میں نگنے لگی۔ حمید کو بھی اچانک یاد آ گیا کہ جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا کا نظام بھی مشینوں ہی پر م تھا۔ اس کے ذہن میں طوفان سے اٹھ رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ کامیابی سے نے قریب ہیں۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو ایک گڑھے پر جھکا ہوا اس میں کچھ ٹٹول تھا۔ حمید اس کی طرف لپکا پھر اُس نے فریدی کو اس گڑھے میں سے پتھروں کے چھوٹے ٹے ٹکڑے نکالتے دیکھا۔

"چلو...... جلدی کرو...... میرا ہاتھ بٹاؤ۔" فریدی کی آواز کانپ رہی تھی۔ حمید نے جھک ر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ پتھروں کے ڈھیر سے ہے کی ایک موٹی سی سلاخ جھانک رہی تھی اور پتھروں کو ہٹانے پر وہ ایک بڑے سے پہیئے کے کنارے پر لگا ہوا ہینڈل ثابت ہوئی۔ فریدی نے ہینڈل پکڑ کر پہیئے کو گردش دی اور ساتھ چ کا رخ اس پتھر کی طرف ہو گیا جو ایک طرف سے اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے کسی صندوق کا کن کھل رہا ہو۔ فریدی نے ہاتھ روک کر آسودگی کی ایک گہری سانس لی اور حمید سے بولا۔

"اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے...... تمہاری جیب میں ٹارچ ہے نا......!"

"ہے......!" حمید اپنی جیب میں پڑی ہوئی ٹارچ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔

"اچھا تو تم...... گھاٹی میں جاؤ...... فوجی دستے کے انچارج کیپٹن شہاب سے کہنا کہ تم رے آدمی ہو اور میں کامیاب ہو گیا۔ انہیں ساتھ لاؤ۔ لیکن گھاٹی میں اترتے ہی ٹارچ کا رخ بوں کی طرف کر کے اسے تین بار جلانا نہ بھولنا۔ ورنہ پہرے داروں کی گولیاں تمہارے جسم کو لنی کر دیں گی۔ سمجھے اور ہاں دوسری بات بھی...... کیپٹن شہاب سے کہنا کہ فوراً ہی میجر نصرت

کواس کی اطلاع بھجوادے کہ فریدی پہنچ گیا اور پھر وہ اپنا کام کرنے لگے گا۔"

"کیسا کام......؟"

"فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری...... خاص طور سے وہ پاگل...... وہ بہت اہم ہے۔ اب میں کچھ کچھ اس کی اصلیت کو پہنچ رہا ہوں۔"

"کیا بات ہے؟"

"پھر...... ابھی نہیں۔" فریدی اُسے دھکیلتا ہوا بولا۔ "جاؤ...... جلدی کرو۔"

سانوٹے اپنے غار میں واپس پہنچا تو قاسم کو ہوش آ چکا تھا اور وہ اس کے بستر کی چاد
لپیٹے بیٹھا بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"ارے ستیاناس۔" قاسم اُسے دیکھ کر للکارا۔ "یہ کیا کیا تو نے سؤر کے بچے۔"

"بھاگ جاؤ سالا...... ہمارا چادر چھوڑو۔" وہ چادر کھینچنے لگا۔

"ابے...... ابے...... دھت تیری...... سس...... سالے...... ہماری...... حرامی۔"

دونوں میں چادر کے لئے جدوجہد ہونے لگی۔ سانوٹے کبھی قہقہے لگاتا اور کبھی ہنہنانے لگتا۔ آخر اس نے چادر چھین ہی لی اور قاسم بدحواسی میں اس غار سے نکل کر بھاگا۔ قریب
ایک دوسرا دروازہ نظر آیا اور وہ اس میں گھس گیا۔ دو نسوانی چیخیں بلند ہوئیں۔ اندر سے
لڑکیاں چیختی ہوئی باہر نکلیں اور بدحواسی میں بھاگتی چلی گئیں۔ سانوٹے نے یہ سب کچھ سنا لیک
باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سب حرکتیں کسی مشین سے
سرزد ہوئی ہوں۔ اس نے بستر کے نیچے سے شراب کی بوتل نکالی اور اسے ہونٹوں سے لگا
ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ پھر اس نے اسے ایک طرف اچھالتے ہوئے چادر تان لی
بوتل زمین پر گر کر چور چور ہو گئی۔ اچانک اس کے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی زور زور سے بجی اور
اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے دوسرے لمحے میں سرنگ کے دہانے میں چھلانگ لگادی

ندھیرا تھا اس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ کو دبا کر سرنگ کے بلب روشن کر دیئے اور
سے دوڑتا ہوا آخری سرے تک آیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ
والی دیوار کو گھور رہا تھا جس کی سطح پر ایک طرف تھوڑی ناہموار ہو گئی تھی۔ پھر اس نے
رتی سے جھک کر مشین کا پہیہ گھمایا۔

فریدی بے اختیار چونک پڑا۔ کیونکہ غار روشن ہو گیا تھا اور وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر
ایک صندوق کے ڈھکن کی طرح ایک طرف ہو گیا تھا۔

دوسرے لمحے میں کوئی جھپٹ کر اس راستے سے باہر آیا۔

"خبردار......!" فریدی نے ریوالور نکال لیا۔ لیکن سانوٹے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر اُس
پڑا۔ فریدی نے پے در پے تین فائر کئے لیکن سانوٹے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا
جیسا جسم فریدی کو دبا رہا تھا فریدی ریوالور پھینک کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس نے اسے
لرح دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی روایتی گھوڑے سے الجھا ہوا تھا جس کا شہرہ رام گڑھ میں عام تھا۔
ا پلٹ تو پڑا لیکن اب اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے کبھی زیر نہ کر سکے گا۔ اس میں بلا
اقت تھی اور فریدی کو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے سچ مچ کسی گھوڑے ہی سے کشتی لڑ رہا ہو۔
ا کو افسوس تھا کہ اس نے ریوالور کیوں پھینک دیا۔ وہ اس کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ چکا
رہ جانتا تھا کہ گولی کہاں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ریل رہے
ایک بار فریدی کا پیر ریوالور پر پڑ کر پھسل گیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھٹنوں کے
مین پر چلا آیا لیکن ریوالور اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ دفعتاً فریدی نے سرنگ میں کئی
ل کے قدموں کی آوازیں سنیں اور سانوٹے چیخنے لگا۔ بڑا خوفناک لمحہ تھا۔ فریدی اپنا وہ
آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا جس میں ریوالور تھا۔ مقدر یاور تھا کہ وہ اس میں کامیاب
۔ دوسرے لمحے میں ریوالور کی نال سانوٹے کے چہرے سے جا لگی اور فریدی نے یہ

سوچے بغیر پے در پے کئی فائر کر دیئے کہ اگر ا کا ہاتھ ذرا سا بھی ہل گیا تو خود اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ ہر فائر کے ساتھ اس نے سانوٹے کی بھیانک چیخیں سنیں اور پھر اس کا جسم اس کے اوپر سے پھسل کر ایک طرف لڑھک گیا۔ پانچ چھ انگریز سرنگ کے دہانے پر پہنچ چکے تھے۔

"خبردار......!" فریدی ریوالور کا رخ ان کی طرف کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کا سر چکرا رہا تھا۔ ابھی تک وہ سچ مچ ایک پہاڑ سے لڑتا رہا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ اپنے ذہن پر قابو رکھ سکے مگر نا کام رہا اور ریوالور سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ انگریز اس پر ٹوٹ پڑا۔

❖

حمید فریدی سے رخصت ہو کر گھاٹی میں اترا اور اس نے ٹارچ کا رخ کیمپ کی طرف کر کے اسے تین بار روشن کیا اور پھر خیموں کی جانب چل پڑا۔ ابھی وہ آدھے ہی راستے میں تھا کہ اس نے بھاری قدموں کی آواز سنی۔ پھر جلد ہی اس کا سابقہ پانچ عدد اٹھی ہوئی رائفلوں سے پڑا۔

"تم کون ہو......؟" ایک فوجی نے کہا۔

"دوست...... مجھے کیپٹن شہاب کے پاس لے چلو۔"

"تم نے کتنی بار ٹارچ جلائی تھی؟"

"تین بار......!" حمید نے گہری سانس لی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد شہاب کے پاس پہنچ جائے کیونکہ وہ فریدی کو غار میں تنہا چھوڑ آیا تھا اور وہ فریدی کی اس عادت سے خوب واقف تھا کہ شکار کے قریب پہنچ جانے پر پھر اس سے صبر نہیں ہو سکتا۔

فوجی اسے کیپٹن شہاب کے پاس لے گئے۔ حمید نے فریدی کا پیغام دہرا دیا۔

"آپ کون ہیں......؟" کیپٹن شہاب نے پوچھا۔

"سارجنٹ حمید...... میرے خیال سے جلدی کیجئے۔"

"لیکن مسٹر فریدی ہیں کہاں!"

حمید نے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔ "اب وہ اس غار میں ہمارے منتظر ہوں گے۔"

"انہیں کا کام تھا۔ اچھا ٹھہریئے۔" کیپٹن شہاب نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔

حمید بری طرح بے تاب تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی تنہا ہی غار میں نہ داخل ہو گیا ہرلحظہ اس کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ تیاری میں پندرہ بیس منٹ لگ گئے اور حمید خون گھونٹ پیتا رہا۔ پھر تیس آدمیوں کا دستہ شہاب کی قیادت میں چٹانوں کی طرف بڑھنے لگا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" شہاب نے کہا۔ "میں مسٹر فریدی کا پیغام میجر نصرت پاس ٹرانسمیٹر کے ذریعہ بھی پہنچا سکتا تھا لیکن مسٹر فریدی نے مجھے پہلے ہی ہدایت کر دی تھی میں میجر نصرت کے پاس کوئی خاص آدمی بھیجوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا بولا۔ "وہ ہمیشہ ہر بات کی وجہ بعد ہی میں تے ہیں۔"

وہ تھوڑی ہی دیر بعد چٹان کے قریب پہنچ گئے۔

سب سے پہلے حمید غار میں اترا...... پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ چیخ رہا تھا۔

"کیپٹن جلدی آؤ...... یہاں اس گھوڑے کی لاش پڑی ہے۔"

کیپٹن غار میں اتر گیا اور اس کے بعد بقیہ فوجی بھی ایک ایک کر کے اترے۔ سانوٹے لاش بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔

"لیکن......!" حمید تقریباً چیخ پڑا۔ "فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

غار میں کئی ٹارچیں روشن تھیں۔ حمید اس پتھر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بدستور اپنی جگہ پر تھا۔

"غضب ہو گیا۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "شاید فریدی صاحب پکڑ لئے گئے۔"

"کیوں...... یہ کیسے۔" شہاب اُسے گھور کر بولا۔

"اگر وہ خود سے گئے ہوتے تو راستہ کھلا ہوتا۔"

"ہو سکتا ہے خود انہوں نے اندر سے بند کر لیا ہو۔ آخر ادھر بھی تو کچھ ہوگا۔"

حمید اس گڑھے کی طرف جھپٹا جس میں پہیہ تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ

سے چیخ نکلی۔ اگر ایک فوجی اسے سہارا نہ دیتا تو وہ چکرا کر گر ہی پڑتا۔

''کیا ہوا.....؟'' کیپٹن شہاب اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''پہیہ بھی غائب ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''پہیہ غائب تھا.....جس جگہ وہ نصب تھا وہاں صرف ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔''

''وہ انہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔'' حمید ہذیانی انداز میں چیخا۔ ''کچھ کیجئے.....کچھ کیجئے۔''

''میں کیا کروں.....کیا کر سکتا ہوں۔''

''اوہ.....میں کیا بتاؤں۔'' حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بچوں کی طرح چیخ چیخ کر روئے۔ کیپٹن شہاب پہیے کی جگہ والے سوراخ کا جائزہ لے رہا تھا۔

''اس کے اندر کچھ ہے تو.....!'' اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''لیکن کیا کیا جا سکتا ہے.....اور اچھا ہم اس پتھر کو توڑنے کی کوشش کریں.....مگر یہ بھی محال.....مگر ٹھہرئیے میں کیمپ سے کدالیں منگواتا ہوں۔''

بساط الٹتی ہے

فریدی کو جلد ہی ہوش آ گیا۔ ہوش میں آتے ہی اُسے اپنی کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ شاید زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اسے اس قسم کی زک اٹھانی پڑی تھی۔ اگر وہ لڑکھڑا کر ان کے قابو میں نہ آیا ہوتا تو اُسے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ سب غیر متوقع طور پر خوفزدہ ہو چکے تھے کہ اس کا سر چکرا گیا اور انہوں نے اُسے ایک بے بس چوہے کی طرح دبوچ لیا۔ ان انگریزوں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ بیرونی غار میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر قاسم والے ہنگامے نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا۔ خوفزدہ لڑکیوں نے انہیں قاسم کے متعلق بتایا اور پھر وہ سب قاسم کو گھیر کر ڈنڈوں سے پیٹنے لگے۔ بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح چیخ چیخ کر انہیں سانوٹے کی حرکت سے متعلق بتایا اور وہ قاسم کو چھوڑ کر سانوٹے کے غار کی طرف جھپٹے۔ یہاں انہوں نے سانوٹے کے بستر کے سرہانے لگے ہوئے الارم پر خطرے کا سرخ بلب جلتا ہوا دیکھا اور سرنگ بھی روشن نظر آئی۔ اس طرح ان کی رسائی بیرونی غار تک ہوئی تھی۔ فریدی پر قابو

کے بعد انہوں نے بیرونی غار والا پہیہ نکال لیا تھا اور مطمئن ہو گئے تھے کہ اب دنیا کی کوئی سرنگ کے راستے والے پتھر کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ وہ کچھ دیر بیرونی غار میں بھی رہے تھے لیکن انہیں کسی طرف سے کوئی آہٹ نہ ملی اور وہ مطمئن ہو گئے کہ ان کا شکار تھا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور فریدی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ فریدی ہو چکا تھا.....لیکن اس غیر متوقع شکست پر اس طرح بپھرا ہوا تھا کہ موقع کی نزاکت کا بھی جاتا رہا۔

''ارے.....!'' دفعتاً ایک انگریز چیخا۔ ''یہ تو فریدی ہے۔''

''فریدی.....!'' وہ سب بیک وقت بولے۔

''ہاں.....ٹھہرو.....میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔''

''وہ عورت کہاں ہے؟'' دفعتاً فریدی چیخا۔

''کون عورت.....؟'' پستہ قد انگریز نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ جسے میں غار میں تھوڑی دیر قبل چھوڑ گیا تھا۔''

''کیا بکتے ہو۔'' پستہ قد انگریز غرایا۔ ''اگر تم فریدی ہو تو اب ہم دھوکہ نہیں کھا سکتے۔''

''کیسا فریدی۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''تم لوگ کون ہو.....اور یہ سب کیا ہے۔ یہ سب نہیں تھا۔ میں ہمیشہ اس غار کو استعمال کرتا رہا ہوں۔''

فریدی نے کسی عیاش آدمی کی طرح مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبائی۔ پھر وہ دفعتاً غصہ کے سے بولا۔ ''وہ عورت کہاں ہے.....اُسے واپس کر دو.....ورنہ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔''

''یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تم بہت بُرے آدمی ہو.....ورنہ لوگ عیاشی کے لئے عورت ساتھ ریوالور نہیں لاتے۔'' ایک انگریز نے کہا۔ پھر وہ پستہ قد انگریز سے بولا۔ ''اگر یہ ہی ہے تو اس کے لئے ایک بہترین تحفہ ثابت ہوگا۔ کیوں.....؟''

''یہ فریدی ہی ہے۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔ ''اس کی تصویریں باس کے کمرے میں بند رنہ میں تمہیں یقین دلا دیتا۔''

ان کی گفتگو سے فریدی نے اندازہ لگالیا کہ وہ باس جیرالڈ ہی ہوسکتا ہے۔ اور وہ ا
وقت یہاں موجود نہیں ہے۔ اس بے بسی کے عالم میں بھی اُسے افسوس ہو رہا تھا۔ افسوس
بات ہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس بار پھر جیرالڈ بچ نکلے گا۔

''ارے وہ موٹا تو ہے۔'' دفعتاً ایک بولا۔ ''وہ تو اُسے پہچانتا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔ ''میں اُسے لاتا ہوں۔''

وہ چلا گیا۔ بقیہ چھ انگریز فریدی کے سر پر مسلط رہے۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ شاید ا
وقت یہاں جیرالڈ کے آدمیوں میں سے صرف اتنے ہی ہیں اگر ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہو
تو وہ بھی اب تک یہاں پہنچ چکے ہوتے۔

قاسم جیسے ہی کمرے کے سامنے پہنچا باہر کھڑی ہوئی لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ اُس کا حلیہ
اس قسم کا تھا کہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی۔ روشنائی سے بنائی ہوئی ڈاڑھی اور مونچھیں ا
تک برقرار تھیں۔ شاید قاسم کو ان کا علم ہی نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کا پھولدار پیٹی کوٹ اپنی
کے گرد منڈھ رکھا تھا اور جسم کا اوپری حصہ بالکل ننگا تھا۔ فریدی نے اُسے اس حالت میں د
تو اُسے ہنسی آ گئی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم اُسے شناخت ہی نہ کر لے۔

قاسم دروازے کے سامنے رک گیا تھا۔ ایک بار اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کھ
لیکن پھر بند ہو گئے۔ وہ بالکل ساکت و صامت فریدی کو گھور رہا تھا۔ وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں
کہ سچویشن کو نہ سمجھتا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ تھوڑی دیر قبل اس پر ڈنڈوں کی بار
ہو چکی تھی۔ وہ چپ کھڑا رہا۔

''اسے پہچانتے ہو۔'' پستہ قد انگریز نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''میں نہیں جانتا۔'' قاسم غرا کر بولا۔ ''تم لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دیتے۔''

''تم جھوٹے ہو۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔

''تم جھوٹے..... تمہارا باپ جھوٹا..... سالو کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں شاستر
صاحب کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا ورنہ اب تک تم میں سے ایک آدھ کو مروڑ کر رکھ دیتا۔'' قا

ردا واپس جانے کے لئے مڑا۔

''سنو تو.....!'' پستہ قد انگریز نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔

''نہیں سنتا.....!'' قاسم مڑے بغیر دھاڑا اور اپنے غار کی طرف چل پڑا۔ لیکن اس کی
زدہ کھوپڑی حرکت میں آ گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ فریدی کو ضرور مار ڈالیں گے
ہ وہ کئی بار اس کے متعلق ان لوگوں کی گفتگو سن چکا تھا اور اگر فریدی مر گیا تو دنیا کی کوئی
ن اُسے اس قید سے رہائی نہ دلا سکے گی۔ تھوڑی برف اور پگھلی۔ دفعتاً اُسے ان ساٹھ ستر
ں کا خیال آیا جو سانوٹے کے ڈر سے دن رات گدھوں کی طرح محنت کرتے تھے۔ اس
وچا کہ کیوں نہ انہیں اکسایا جائے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ پل پڑیں تو آٹھ دس انگریزوں
نی بہ آسانی بن جائے گی۔ لیکن وہ لڑکیاں۔ وہ انہیں [illegible] گے۔ اس کا دل
ں کے لئے بُری طرح کڑھنے لگا..... جیسے ہی وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں مزدور
وں کی طرح رہتے تھے ہر طرف قہقہے بلند ہونے لگے۔ وہ سب لوگ جاگ رہے تھے اور
ئے بھی تھے وہ قاسم اور سانوٹے کے ہنگامے کی وجہ سے جاگ پڑے تھے۔ لیکن کسی میں
مت نہیں تھی کہ کمرے سے باہر قدم نکالتا۔

''ابے سنو..... ہنسو نہیں۔'' قاسم دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

پھر بھی کچھ لوگ ہنستے رہے۔

''اچھا..... تو میں بلاتا ہوں سانوٹے کو۔'' قاسم نے دھمکی دی اور یک بیک اس طرح
ٹی چھا گئی جیسے قہقہوں میں بریکیں لگ گئی ہوں۔

''دیکھو.....!'' قاسم نے انہیں مخاطب کیا۔ ''آج ان حرامزادوں نے ایک ایسے آدمی کو
یا ہے کہ کیا بتاؤں۔ اگر انہوں نے اسے مار ڈالا تو کیا بتاؤں؟ ہم زندگی بھر یہاں سے نہ
کیں گے۔ وہ ہماری رہائی کے لئے یہاں آیا تھا لیکن پکڑ لیا گیا۔ وہ اُسے مار ڈالیں گے۔''

''تو پھر ہم کیا کریں۔'' ایک آدمی نے کہا۔

''ارے تم سب کچھ کر سکتے ہو میرے پیارے۔'' قاسم نے کہا اور اُسے یک بیک تو می

لیڈروں کی تقریریں یاد آ ... لیں۔ اس نے مٹھی باندھ کر کہا۔ ’’تم سپوت کے وطن ہو! ہم لڑائی کے لئے آزادی لریں گے ... لڑیں ... آزادی کے لئے۔ وہ صرف سات ہیں اگر تم لپٹ پڑ تو سب کی چٹنی ... جائے ... ں ... رتے ہو وہ سالا گھوڑا ابھی اس وقت موجود نہیں۔‘‘

’’ملر ہم...... باہر تو نہ نکل سکیں گے۔‘‘ ایک نے کہا۔ ’’ہم راستہ نہیں جانتے۔ دوسرے آ کر ہماری چٹنی نہ بنا دیں گے۔‘‘

’’ارے میرے پیارے بھائیو۔‘‘ قاسم بولا۔ ’’وہ آدمی جسے پکڑا گیا ہے، ایک بڑا آفیسر ہے اور وہ راستہ جانتا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔‘‘

’’نہیں وہ گھوڑا......!‘‘

’’ابے چلو......! اُس سے میں نپٹ لوں گا وہ مجھے نہیں پچھاڑ سکتا۔‘‘

’’... غول مچاتا۔‘‘ دفعتاً ایک انگریز دروازے کے قریب آ کر چیخا اور وہ سب ... سے انگریز کی طرف بڑھا اور اس نے اس کی گردن پکڑ لی اور اسے اتنی مہلت ن ... بھی نکال سکتا۔ پھر اس نے ا ... سے اونچا اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اُس سے ... چیخ نکلی سکی۔

’’آؤ...... بڑھو...‘‘ ... نے انہیں پھر للکارا۔ لیکن انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔

’’اچھا......!‘‘ قاسم پھر ... گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ’’میں جاتا ہوں اور ان سے کہہ دوں گا کہ تم نے اس انگریز کو مار ڈالا۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرا کچھ خیال بھی کرتے ہیں۔‘‘

’’نہیں...... نہیں۔‘‘ بہت سی آوازیں آئیں اور پھر ان میں کھسر پھسر ہونے لگی۔

’’ہم تیار ہیں۔‘‘ آخر دو تین آدمیوں نے کہا۔

’’تو آؤ...... اور کچھ دیکھے سنے بغیر ان پر ٹوٹ پڑو۔‘‘

ادھر دو تین انگریز فریدی کو اس کمرے سے اٹھانے کی کوشش کر رہے ... ان کا خیال تھا کہ اسے کسی محفوظ جگہ میں بند کر دیں۔ وہ اپنی انتہائی قوت صرف کر رہے تھے لیکن فریدی اپنی

... سے ملنے کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اچانک اس کا ہاتھ ایک انگریز کی جیب سے ٹکرایا جس میں ریوالور کی موجودگی کا شبہہ ہوا۔

’’دیکھو...... اٹھو...... ورنہ گولی مار دوں گا۔‘‘ دروازے کے قریب کھڑے ہوئے انگریز نے کہا جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اچانک فریدی نے ان انگریزوں کو ایک لودھکا دیا جو اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ وہی انگریز تھا جس کی جیب میں فریدی نے ریوالور محسوس کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کی جیب میں تھا اور باہر نکلتے ہوئے ریوالور کی نال سے ایک شعلہ نکلا۔ دروازے کے قریب کھڑا ہوا انگریز چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ بقیہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

’’خبردار......!‘‘ فریدی انہیں ریوالور کی زد میں لیتا ہوا بولا۔

پانچ مرد اور پانچ عورتیں بے بس کھڑی تھیں۔

پھر باہر شور سنائی دیا۔ قاسم درانہ اندر گھستا چلا گیا۔ اس کے پیچھے دوسرے آدمی بھی تھے۔ لیکن یہاں کی سچویشن دیکھ کر وہ سب سناٹے میں آ گئے۔

لڑکیوں کے منہ سے خوفزدہ سی چیخیں نکلیں۔

’’قاسم...... تم واقعی عقلمند ہو۔‘‘ فریدی نے کہا۔ ’’بس اب انہیں باندھ لو...... کوئی مرنے نہ پائے۔‘‘

’’واہ......! ان سالوں کی تو چٹنی بنے گی۔‘‘ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

’’نہیں جو میں کہتا ہوں وہ کرو...... کل اخبارات میں تمہارا نام بڑی شان سے شائع ہوگا۔‘‘

’’اچھی بات ہے......‘‘ قاسم لڑکیوں کو گھورتا ہوا بولا۔ ’’آپ کہتے ہیں تو میں مانے لیتا ہوں۔‘‘

’’وہ سب اس طرح پکڑ لئے گئے جیسے مرغیاں پکڑی جاتی ہیں۔‘‘

’’لیکن...... وہ سالا گھوڑا نہیں ہے۔‘‘ قاسم نے فریدی سے کہا۔

’’اسے میں نے پہلے ہی مار ڈالا۔‘‘ فریدی بولا

"سنا تم نے۔" قاسم مزدوروں کو مخاطب کر کے بولا۔ "فریدی صاحب نے سانوڑے کے بچے کو پہلے ہی مار ڈالا۔"

مزدور خوش ہو کر چیخنے لگے۔

"فریدی صاحب۔" قاسم بڑے زور سے چیخا۔ پھر دانت نکال کر مزدوروں سے کہنے لگا۔ "ابے زندہ باد کہو۔"

مزدوروں نے زندہ باد کی ہانک لگائی۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی کو ہنسی آ گئی۔

قاسم نے فریدی کو سرنگ کے متعلق بتایا۔ فریدی قاسم کو وہیں چھوڑ کر سرنگ میں داخل ہوا۔ سرنگ کے بلب اب بھی روشن تھے۔ فریدی کو یقین تھا کہ ان لوگوں نے بیرونی غار والے میکنزم کو ضرور تباہ کر دیا ہوگا۔ ورنہ اب تک حمید وغیرہ ضرور داخل ہو جاتے۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ بیرونی غار میں سر مار رہے ہوں۔

وہ سرنگ کے آخری سرے پر آ کر رک گیا اور یہاں وہ مشین کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی جس سے سرنگ کا دہانہ کھولا جاتا۔ فریدی سرنگ کے دہانے پر پے در پے دھمک محسوس کر رہا تھا۔ کہیں وہ لوگ اس پتھر کو توڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس نے مشین کے پہیے کو تھوڑا سا گھمایا۔ ایک پتلی سی دراڑ دیوار میں پیدا ہو گئی۔ دوسری طرف کا شور سنائی دینے لگا اور کئی کدالوں کے پھل دراڑ میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑا درہ اور کیا اور پھر چیخ کر بولا۔

"کیپٹن کہیں گولی نہ مار دینا...... میں ہوں فریدی۔"

"فریدی صاحب......!" اُسے حمید کی چیخ سنائی دی۔

"ہاں میں ہوں۔" فریدی نے کہا اور پورا دہانہ کھول دیا۔ سب سے پہلے حمید گرتا پڑتا اس تک پہنچا۔ پھر کیپٹن۔

"افسوس......!" فریدی بولا۔ "جیرالڈ یہاں موجود نہیں تھا۔"

جہنم میں گیا جیرالڈ......!" حمید جھلا کر بولا۔ "آپ اکیلے ہی کیوں گھس پڑے تھے۔"

فریدی نے مختصراً پوری روداد دہرائی پھر بولا۔ "میں ذرا اس گھوڑے کی لاش دیکھوں ......میرا خیال ہے کہ وہ کوئی سائنسی کارنامہ نہیں تھا۔"

"ٹھیک خیال ہے آپ کا......!" کیپٹن نے کہا۔ "اس میں تو بس بھرا ہوا تھا۔ اس کے م کی کھال پلاسٹک کی ہے اور اُس میں بال لگے ہوئے ہیں اور اس کھال کے نیچے اس نے ٹ پروف پہن رکھے تھے، لیکن کمال کی کھال بنائی تھی۔ بالکل اصلی معلوم ہوتی تھی۔"

"میں نے بلٹ پروف محسوس کر لئے تھے۔" فریدی بولا۔ "اسی لئے میں نے اس کے رے پر فائر کئے تھے مگر تھا کسی گھوڑے ہی کی طرح طاقتور...... خدا کی پناہ۔"

پھر وہ سب اندر آئے۔ قاسم کی حالت دیکھ کر حمید ہنسی کے مارے گر پڑا۔ قاسم سارے اروں میں اسے دوڑاتا پھر رہا تھا۔ ایک ایک کر کے قیدی باہر نکالے جانے لگے۔ پھر حمید ریدی، قاسم اور کیپٹن ان غاروں میں تنہا رہ گئے۔ فریدی وہاں پہنچا جہاں بجلی پیدا کرنے والا نریٹر چل رہا تھا۔ اس نے اس کو بند کر دیا۔ وہ سب باہر آئے۔ دہانے پر تین فوجیوں کو تعینات کر دینے کے بعد وہ گھاٹی میں اتر کر اس خوفناک چٹان کی طرف بڑھنے لگے جو اب تک دو آدمیوں کی جانیں لے چکی تھی۔ چٹان کے نیچے پہنچ کر فریدی حمید اور شہاب کے احتجاج کے اوجود وہ اوپر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

وہ بندروں کی طرح جھولتا ہوا چٹان کے اوپر پہنچ گیا۔ حمید کا دل دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس نے کوئی خوفناک چیخ نہیں سنی۔ فریدی تھوڑی دیر بعد پھر نیچے آ گیا۔ اس نے کہا۔ "وہی بات...... جو میں نے پہلے کہی تھی۔ چٹان پر باریک باریک تاروں کا جال بچھا رکھا تھا جن میں وقت کرنٹ رہتا تھا اور یہ جگہ انہوں نے ایسے موقعوں کے لئے بنائی تھی۔ جب پولیس اس گھوڑے کا تعاقب کرے۔"

آخری معرکہ

دوسرے دن کے اخبارات کے ضمیمے بہت جلد بازار میں آ گئے پھر اسی جیرالڈ کی داستان تھی جس کے ذکر سے چھ ماہ پیشتر دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا تھا...... غاروں کی داستان تھی جن

سے بے اندازہ دولت برآمد ہوئی تھی۔ تین عجوبہ روزگار راکٹ دستیاب ہوئے تھے جن
متعلق خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ آواز سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اوپر جاتے ہیں
فریدی اور حمید کے نام جلی حروف سے شائع کئے گئے تھے۔ قاسم کا بھی تذکرہ تھا جس نے ا
حکمت عملی سے فریدی کی جان بچانی چاہی تھی۔ لیکن خود جیرالڈ...... وہ اس بار بھی فرار ہو
میں کامیاب ہوگیا تھا اور دنیا کے لئے ایک عظیم خطرہ بدستور باقی تھا۔ اس پاگل آدمی کا نا
تھا جسے جیرالڈ کے گروہ والے اپنا بادشاہ کہتے تھے لیکن اس کی اصلیت کیا تھی۔ یہ کسی کو بھی نہیں
معلوم۔ فیلڈ اور اس کے ساتھی بھی اُس بادشاہ سمیت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ مگر سب بیکار۔ اس
کا دماغ تو فرار ہی ہو چکا تھا۔ وہ خطرناک انسان جو تیسری بار بھی اپنے خوفناک عزائم کو عملی
جامہ پہنانے کے لئے کوئی نئی حرکت کر سکتا تھا۔

اخبارات نے اُس خوفناک چٹان کو ''موت کی چٹان'' کا نام دیا تھا۔ حضرت سلیمان کے
گھوڑے کا راز بھی تھا اور اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ آخر میں وہ بات بھی جس سے
فریدی کی جیرالڈ تک رسائی ہوئی تھی۔ یعنی صمدانی کا قتل...... صمدانی کا قتل جیرالڈ ہی کے آدمیوں
نے اس کی پوشیدہ دولت کے لئے کیا تھا۔ جو کئی سو سونے کی اینٹوں پر مشتمل تھی۔

انور اور رشیدہ کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ انہیں کچھ پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ
کب کیا ہوگیا۔ قاسم نے پھر شیزان میں ڈیرہ جمایا تھا اور وہ بات بات پر انور کو چھیڑ رہا تھا
رشیدہ کو اپنی دلیری کی جھوٹی سچی داستانیں سنا کر کہتا ''وہ تو فریدی صاحب نے روک د
تھا...... ورنہ میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔''

حمید میجر نصرت کے ساتھ تھا...... لیکن فریدی...... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید اس کے
اقامتی غار میں بھی گیا تھا لیکن وہ خالی تھا۔ فریدی کا سامان بھی موجود نہیں تھا۔

''تو اب یہ حضرت جیرالڈ کے چکر میں ہیں۔'' حمید نے میجر نصرت سے کہا۔ ''مگر
فضول۔ اب کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے گا۔''

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔ ''مگر یہ فیلڈ وغیرہ کا معاملہ

سمجھ میں نہیں آتا...... دوسرے لوگوں کو تو ہم محض اس وجہ سے روک سکتے ہیں کہ وہ ان غاروں
سے پکڑے گئے تھے مگر فیلڈ قانونی کاروائیوں کی دھمکی دیتا ہے اور یہ ہے بھی سچی بات۔ اس
کے خلاف ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ وہ اپنے پاگل چچا کے علاج کے لئے یہاں آیا تھا۔
ایئر فورس کا ایک آفیسر بھی ہے۔''

''لیکن میں ان لوگوں کی قید میں رہ چکا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کیا اسے عدالت میں ثابت کر سکو گے۔'' میجر نصرت بولا۔

''نہیں...... فی الحال تو نہیں...... لیکن فریدی صاحب ثبوت ضرور پیش کریں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ انہیں فی الحال چھوڑ کر نگرانی میں رکھا جائے۔'' آپریشن روم کے
بوڑھے انچارج نے کہا۔

''میں اس کی ہرگز اجازت نہ دوں گا......'' حمید نے آپریشن روم کے انچارج کو گھورتے
ہوئے کہا۔ یہ ایک بوڑھا اینگلو انڈین تھا اور اپنے کام کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

''کسی شریف آدمی کو محض شبے میں روکے رکھنا اچھی بات نہیں۔'' انچارج نے جھلائے
ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی ہاں...... وہ شریف اس لئے ہیں کہ آپ کے ہم قوم ہیں۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

''براہِ کرم ذاتیات پر حملہ نہ کیجئے۔'' آپریشن روم کا انچارج بھی بگڑ گیا۔

بات بڑھ جاتی لیکن میجر نصرت نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے آپریشن روم
میں خاموشی چھا گئی۔ انچارج ٹرانسمیٹروں کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ میجر نصرت اور حمید نے
پائپ سلگا لئے تھے۔ کہرے کا گہرا سناٹا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ دفعتاً حمید چونک کر سیدھا ہوگیا تھا
اور میجر نصرت اس اچانک تبدیلی پر اُسے گھورنے لگا۔

''میں کہتا ہوں...... فریدی صاحب غلطی کر رہے ہیں۔''

''کیوں......؟''

''میں جانتا ہوں کہ جیرالڈ کہاں ہے اور کون ہے''

مشینوں پر بیٹھے ہوئے آپریٹر حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

"تو اب تک کیا کرتے رہے۔" میجر نصرت کے لہجے میں طنز تھا۔ حمید اس کی پرواہ کئے بغیر ٹیلی فون کی طرف جھپٹا۔ دوسرے لمحے میں وہ شیزان ہوٹل کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اس نے انور سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو انور...... میں حمید بول رہا ہوں...... کیا مورگن ہوٹل میں موجود ہے۔ خوب...... اچھا تو اسے نگرانی میں رکھو...... ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔"

وہ ریسیور رکھ کر میجر نصرت کی طرف مڑا...... اور اس نے مورگن کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ میجر نصرت تھوڑی دیر کے لئے کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

"بھئی میں کس طرح یقین کرلوں کہ وہ جیرالڈ ہی ہے۔ ابھی فیلڈ وغیرہ ہی کا معاملہ نہیں صاف ہوا۔"

"آپ فکر نہ کیجئے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "اگر وہ جیرالڈ نہ ہوا تب بھی ہمارے پاس اس کی گرفتاری کے معقول وجوہ ہوں گے۔ وہ ناجائز اسلحہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ ایک سب مشین گن رکھنا معمولی جرم نہیں ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" آپریشن روم کا انچارج بولا۔ "گرفتاری کے لئے معقول وجہ ہے ممکن ہے وہ جیرالڈ ہی ہو۔"

تھوڑی دیر کی بحث و تکرار کے بعد میجر نصرت تیار ہو گیا۔

"کیا ریڈیو کار ساتھ ہوگی۔" آپریشن روم کے انچارج نے پوچھا۔

"کیا ضرورت ہے۔" میجر نصرت نے لاپروائی سے کہا۔

"ضرورت ہے۔" حمید نے کہا۔ "یہ سوچ کر چلئے کہ آپ جیرالڈ ہی کے لئے نکلے ہیں اگر وہ نکل گیا تو پھر ہم ریڈیو کار کے بغیر ہیڈ کوارٹر سے فوراً ہی رابطہ قائم نہ کرسکیں گے۔"

آخر آپریشن روم کے انچارج نے ریڈیو کار سنبھالی اور وہ شیزان ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ ان کے ساتھ مسلح سپاہیوں کی کثیر تعداد تھی۔

شیزان ہوٹل کا محاصرہ کرلیا گیا۔ میجر نصرت اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ حمید اوپری منزل پر جانے کے لئے ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ہوٹل کا منیجر تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔

"ہمیں ایک مجرم کی تلاش ہے۔" میجر نصرت نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

پھر وہ سب مورگن کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کمرہ اندر سے بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔

دروازہ کھلا...... مورگن سامنے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ......" حمید گرج کر بولا۔

"کیا یہ ضروری ہے۔" مورگن کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ تھی۔

"تمہارے پاس ناجائز اسلحہ ہے۔" حمید بولا۔

"اچھا تو پھر......!" مورگن کی مسکراہٹ بدستور قائم رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی دلچسپ مذاق سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ لیکن اب اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔

حمید اُسے دھکا دیتا ہوا کمرے میں گھسا اور اس نے وہی سوٹ کیس کھول ڈالا جس میں اس سے قبل اس نے مشین گن دیکھی تھی۔ مشین گن موجود تھی اس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔

"یہ کیا ہے......؟" اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

"ایک سب مشین گن کی نقل۔" مورگن لاپرواہی سے بولا۔ "میں مداری ہوں اور یہ ایک کھلونا ہے۔ جسے میرا پالتو طوطا تماشائیوں کے مجمعے پر چلاتا ہے اور یہ ساری کی ساری لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں ہلکی معلوم نہیں ہوتی۔"

وہ واقعی بہت ہلکی تھی۔ حمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

"طوطے کا پنجرہ اُدھر میز کی اوٹ میں رکھا ہوا تھا۔ میرے پاس بازی گری کا اور بہت سارا سامان بھی موجود ہے۔ جو تلاشی لینے پر بہ آسانی دستیاب ہوسکتا ہے۔" مورگن کے لہجے

میں تمسخر تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں ایک پیشہ ور مداری ہوں اور آپ کے شہر کی اونچی سو
میں بہت عرصہ سے اپنے کرتب دکھا رہا ہوں۔ میں آپ کو دو چار پتے دے سکتا ہوں۔ آپ
ان سے دریافت کر لیجئے۔''

جلدی جلدی کمرے کی تلاشی لی گئی اور جیسا کہ مورگن نے کہا تھا شعبدہ بازی کے سامان
کے علاوہ اور کچھ بھی نہ نکلا۔ اس دوران ایک آفیسر اس مشین گن کو چاقو سے چھیلنے لگا تھا۔ وہ سچ
مچ لکڑی ہی کی ثابت ہوئی۔ آفیسروں نے اپنے ریوالور جیب میں ڈال لئے...... میجر نصرت
حمید کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

آپریشن روم کے انچارج کا قہقہہ سب سے زیادہ تیز اور بلند تھا۔

''آپ کو بہت ہنسی آ رہی ہے۔'' مورگن نے اس سے کہا۔ ''یقیناً آپ میرے دوسرے
کرتب دیکھ کر بہت زیادہ محظوظ ہوں گے۔''

اچانک مورگن نے اپنی پتلون کی جیبوں سے دو ریوالور نکال لئے۔ ایک کا رخ پولیس
آفیسروں کی طرف تھا اور دوسرے کا آپریشن روم کے انچارج کی طرف۔

''آپ سب براہِ کرم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیجئے۔ یہ ریوالور نقلی نہیں ہیں۔'' مورگن نے کہا۔

''اب آپ جھک ماریئے'' حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''میں تو اُلو تھا۔''

''تم اب بھی اُلو ہو۔'' پھر اس نے آپریشن روم کے انچارج سے کہا۔ ''کیا تم اپنا سیاہ
چشمہ نہیں اتارو گے۔''

آپریشن روم کا انچارج بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھاگنا چاہتا ہو۔

دفعتاً مورگن کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا...... گولی آپریشن روم کے انچارج کی ران
میں لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا...... قبل اس کے کہ آفیسر ہوش میں آتے انہیں فریدی کی آواز
سنائی دی۔

''کوئی حماقت نہ ہو...... یہ جیرالڈ ہے۔''

آپریشن روم کے انچارج نے پھر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس بار حمید اس پر ٹوٹ

لوگ حیرت زدہ کھڑے مورگن کو گھور رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر سے پلاسٹک کا
خول سا اتار دیا۔ اب ان کے سامنے فریدی کھڑا تھا۔

اس نے حمید کو الگ کر کے جیرالڈ کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور بولا۔ ''تم طاقت کے
ری ضرور ہو لیکن حقیقتاً تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم فریدی کے جسم و دماغ سے ٹکرا سکو۔
تمہارا ذہن جواب دے جائے تو تم یہی سمجھو کہ تم ایک کیچوے سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ پچھلی
نے مجھے ایک چوہے کی طرح بند کیا تھا اور آج میں تمہیں ایک چیونٹی کی طرح مسل رہا
۔ میں نے پچھلی ہی رات کو تمہیں پہچان لیا تھا جب تم آپریشن روم سے میری کامیابی سے
نشر کر رہے تھے۔ تم نے ایک بار بے خیالی میں عینک اتار کر اپنی آنکھیں صاف کی
اور میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ جیرالڈ میں تمہیں کھلا کھلا کر مارنا چاہتا تھا تاکہ تم مرنے سے
م از کم ایک ہی بار خود کو حقیر محسوس کر سکو مگر میرے گدھے حمید نے جلد بازی سے کام لیا۔''

''لیکن یہ سال ہا سال سے......'' میجر نصرت ہکلایا۔

''میں جانتا ہوں......!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''سال ہا سال والا انچارج دوسری دنیا
پہنچ چکا ہے۔ غالباً اس کی آنکھیں ایسی تھیں کہ وہ روشنی میں تاریک چشمہ لگائے بغیر کام
کر سکتا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایک آفیسر بولا۔

جیرالڈ نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بے چارہ بھیس تو بدل سکتا ہے لیکن اپنی
س قسم کی آنکھوں کو کسی طرح نہیں چھپا سکتا۔ کیوں جیرالڈ؟

جیرالڈ کچھ نہیں بولا۔ اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن وہ ایک ہی پیر پر تنا کھڑا
۔۔۔ اچانک وہ اپنا سینہ کھجانے لگا اور پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ کئی چیخیں بلند ہوئیں پھر
ا ہوش رہ گیا انہوں نے جیرالڈ کے سینے کی جگہ ایک بہت بڑا غار دیکھا۔ فریدی دوسری
فرش پر پڑا ہاتھ پیر مار رہا تھا اور اس کا سارا جسم خون سے تر ہوتا جا رہا تھا۔ کئی آفیسروں
موں اور چہروں پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔ حمید کا داہنا ہاتھ جھلس گیا تھا۔

دوسرے دن ہسپتال میں ملک کی معزز ہستیاں فریدی کے بستر کے گرد اکٹھا تھیں۔ فریدی کا پورا جسم پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار نہیں تھے۔ وہ کہہ رہا تھا "انتہائی چالاکیوں کے باوجود بھی وہ دھوکہ کھا گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے سینے میں ایک چھوٹا سا بم چھپائے ہوئے ہے۔ کھجلانے کے بہانے اس نے اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا۔

"لیکن تم نے یہ خطرہ کیوں ناحق مول لیا تھا۔" اس کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا جو آج ہی بذریعہ ہوائی جہاز رام گڑھ پہنچا تھا۔

"آپ میری افتادِ طبع سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ڈرامائی انداز میں کام کرنے کا عادی ہوں لیکن اس پر جب بھی اور جہاں بھی ہاتھ ڈالا جاتا وہ یہی کرتا...... بم ساتھ لئے پھرنے کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی مایوس ہو چکا تھا اور اُسے یقین تھا کہ اب وہ خطرے میں ہے۔ اگر میں اسے آپریشن روم میں بھی گرفتار کرتا تو نتیجہ یہی ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کسی قیدی کو اس کا جسم کھجانے سے تو باز نہیں رکھ سکتے۔"

"لیکن تمہاری موجودہ حالت کتنی تشویش ناک ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

"اوہ...... آپ اس کی فکر نہ کیجئے...... جب تک میری قوت ارادی برقرار رہے، میں مر نہیں سکتا۔"

"اچھا اب تم آرام کرو......" ڈی آئی جی نے کہا۔

"ٹھہرئیے۔" فریدی اپنا پٹیوں سے ڈھکا ہوا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سلسلے کی سب سے اہم اور دلچسپ کڑی تو رہ ہی گئی۔"

وہ سب توجہ اور دلچسپی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

فریدی نے میجر نصرت کو مخاطب کر کے کہا۔ "کیا آپ نے اس دیوانے کی ڈاڑھی مونچھیں صاف کرا دیں۔"

"ہاں...... وہ تو کل ہی...... لیکن......!"

"ٹھہرئیے۔" فریدی تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ایک تصویر
ل کر اس کے سامنے ڈال دی۔

"یہ تو اسی کی تصویر ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"اور آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟"

"نہیں......!"

"یہ سجاد صمدانی ہے۔"

"کیا......؟" وہ سب بیک وقت بولے۔

"جی ہاں...... وہ سالہا سال سے ان لوگوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے کسی طرح سے
ا کا دماغ ماؤف کر دیا تھا...... اور وہ اپنی پچھلی شخصیت بھول گیا تھا لیکن دستخط سجاد صمدانی ہی
ے کرتا تھا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں۔ وہ اپنے وہی پرانے دستخط کرتا تھا لیکن اس غریب کو
م تک یاد نہیں تھا۔ اس طرح جیرالڈ اس کے کاروبار پر قابض تھا۔ سجاد کے ملازمین اسے سجاد کی
لک سمجھتے تھے کہ وہ تین سال سے ان کے سامنے نہیں آیا۔ بہرحال اس کے دستخط اصلی تھے اور
ہیں دستخطوں کی بناء پر سجاد صمدانی کی دولت جیرالڈ کے ہاتھ لگتی رہتی تھی اور صمدانی کے قتل سے
ں نے بہت بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اب صمدانی کا کاروبار بھی سجاد
ی ہی طرف منتقل ہو جائے گا۔ میں نے کیس کے دوران کئی بار یہ بات دوسروں کے سامنے
ھی رکھی تھی کہ اگر مجرم سونے کی اینٹیں ہی حاصل کرنا چاہتے تھے تو صمدانی کو اتنے پراسرار
ریقے پر قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے خدا! اب میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔
ر صمدانی کی سیکریٹری کی طرف سے مسٹر براؤن کے نام خط روانہ کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوتی
و ہم اب تک تاریکی ہی میں سر مارتے نظر آتے۔ پھر میں نے میجر نصرت کو اس تار کے متعلق
ون کیا۔ ظاہر ہے جیرالڈ آپریشن روم کا انچارج تھا۔ اسے میری اس کال کی اطلاع ملی اور اس
نے اپنی پہلی ہی فرصت میں صمدانی کی سیکریٹری کو قتل کرا دیا جو اس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

لیکن اب پولیس کی نظروں میں چڑھ گئی تھی۔"

میجر نصرت نے مورگن کی مصروفیت کے متعلق پوچھا۔

"وہ شروع ہی سے فریدی تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس کیس کے سلسلے میں بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں ایک انگریز شعبدہ باز کے بھیس میں یہاں کی اونچی سوسائٹیوں میں بھی اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں۔ مقصد کسی نہ کسی طرح جیرالڈ تک پہنچنا تھا۔ بہرحال ایک دن حمید کو مجھ پر شبہ ہوگیا اور وہ گدھا میری ہی نگرانی کرنے لگا۔ میں نے سوچا چلو تفریح ہی رہے گی۔ میں اس کی نظروں میں روز بروز پراسرار بنتا گیا اور آخر اس سے یہ حماقت سرزد ہوہی گئی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ دوسرے بستر پر حمید اکڑوں بیٹھا اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

جیرالڈ کے انجام کی خبر ساری دنیا میں پھیل چکی تھی اور ہر چہار طرف سے حکومت کے نام مبارک بادی کے تار موصول ہو رہے تھے۔

بہرحال ایک ایسے دیوانے کتے کے مرجانے سے کسے خوشی نہ ہوتی جو ساری دنیا پر سائنسی تباہی لانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔

اس بار فریدی اور حمید کو کرنل اور کیپٹن کے فوجی اعزاز قبول کرنے ہی پڑے جو ایک سرکاری تقریب میں انہیں تفویض کئے گئے تھے۔ اس تقریب میں ملک کی ذمہ دار ہستیاں شریک ہوئی تھیں۔ قاسم کو ایک تمغہ ملا یہ بھی فوجی ہی نوعیت کا تھا لیکن وہ اب بھی اس تگڑی سی عورت کو یاد کر کے اکثر آبدیدہ ہو جاتا تھا۔ جو اُسے جیرالڈ کی زمین دوز دنیا تک لے گئی تھی۔ انور کو شاید ساری زندگی اس کا افسوس رہے کہ فریدی نے اس سے اس کیس میں کوئی کام نہ لیا۔ سجاد صمدانی بہترین ڈاکٹروں کے زیر علاج ہے۔ لیکن کسی کو بھی توقع نہیں کہ وہ کبھی اچھا ہو سکے گا۔

ختم شد